

ضابطہ جٹسری کرائی گئی فی صاحب طبیع مذکرے

ڈاکٹر سیر مل سمان کی مشہور کتاب

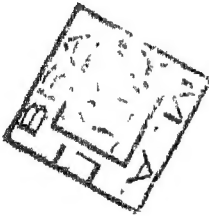
منوی غزنہ فرزا صاحب

”دیوبی“

مدرسہ جامعہ

نوازش علی خان

جس کو بے لحد حقوق



نشی فضل الدین تاجرت قومی لکھنؤ شہادت شہزادی لکھنؤ

نہ جیوایا

مطبعہ مطبوعہ لکھنؤ

محصولہ اک ۲

قیمت عدد

UNIVERSITY
of the Punjab

نیا کتابیں

تہذیب الاخلاق جلد اول

یہی عالمی اور اعلیٰ علمی ادارہ کے ایسی سیدھی سلی صاحب نے جو ایک مصنف کی بات بتا کر کہ اگر
مصلحت مندانہ تہذیب الاخلاق گذشتہ ہفت سال کا ہفتہ وار شمار ۱۲۹۳ء میں جاری ہوئی تھی جس میں
پندرہ سالوں پرانی صفت و سیرت کے اصول اور نئے نئے مضامین ہیں جن کی تلاش بہت
تھیں جو ان قوم و ملک کو ترقی دے سکیں گے۔ اگر اس کو سیرت کے اصول اور نئے نئے مضامین ہیں جن کی تلاش بہت
ہیں بہت عمدہ علمی کا فن ہے جو ان کی کتاب کی قیمت ضرور دہرے سے زیادہ ہے۔۔۔۔۔

تہذیب الاخلاق جلد دوم

یہی عالمی اور اعلیٰ علمی ادارہ کے ایسی سیدھی سلی صاحب نے جو ایک مصنف کی بات بتا کر کہ اگر
مصلحت مندانہ تہذیب الاخلاق گذشتہ ہفت سال کا ہفتہ وار شمار ۱۲۹۳ء میں جاری ہوئی تھی جس میں
پندرہ سالوں پرانی صفت و سیرت کے اصول اور نئے نئے مضامین ہیں جن کی تلاش بہت
تھیں جو ان قوم و ملک کو ترقی دے سکیں گے۔ اگر اس کو سیرت کے اصول اور نئے نئے مضامین ہیں جن کی تلاش بہت
ہیں بہت عمدہ علمی کا فن ہے جو ان کی کتاب کی قیمت ضرور دہرے سے زیادہ ہے۔۔۔۔۔

تہذیب الاخلاق جلد سوم

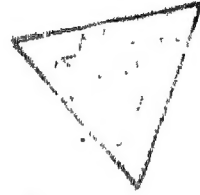
یہی عالمی اور اعلیٰ علمی ادارہ کے ایسی سیدھی سلی صاحب نے جو ایک مصنف کی بات بتا کر کہ اگر
مصلحت مندانہ تہذیب الاخلاق گذشتہ ہفت سال کا ہفتہ وار شمار ۱۲۹۳ء میں جاری ہوئی تھی جس میں
پندرہ سالوں پرانی صفت و سیرت کے اصول اور نئے نئے مضامین ہیں جن کی تلاش بہت
تھیں جو ان قوم و ملک کو ترقی دے سکیں گے۔ اگر اس کو سیرت کے اصول اور نئے نئے مضامین ہیں جن کی تلاش بہت
ہیں بہت عمدہ علمی کا فن ہے جو ان کی کتاب کی قیمت ضرور دہرے سے زیادہ ہے۔۔۔۔۔

حیات سعدی

مسند تراویح میں صاحب عالی شریعت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی سوانح علمی و جلا جلا متعلقہ سیرت و بیانات
اور نثر ان کی تمام تفصیلات نظم و نثر میں لکھی گئی ہیں جسے اس کتاب میں ۸۸۰ دو پڑھنا بہت چاہیے۔۔۔۔۔



۵۶۳۳
عرض حال



ہماری ترقی کی امید کا زیادہ تر انحصار ہمارے نوجوانوں پر ہی ہے۔ اور اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اگر ہم اپنی ترقی کے خواہاں ہیں تو اپنے نوجوانوں میں وہ اسباب پیدا کریں جو ہماری امید کو معرض ظہور میں لانے کا باعث ہوں۔

بچے ضروری اور مفید ہے اس امر کی تعلیم کہ ہماری آئندہ بہتری اور بہبودی خود ہمارے اپنے اوپر ہونی چاہیے۔ ہماری خود اپنی تربیت۔ ہماری خود اپنی تعلیم و تحصیل۔ ہماری خود اپنی قدرت و امکان اور خود اپنے آپ پر قابو اور افضیاء حاصل کرنے پر اس کا بہت کچھ انحصار ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر بچے زیادہ ہماری بہتری اور رفاه کا ہمارے حیطہ امکان میں کرنا اس وقت یقینی ہے جبکہ ہم میں سے ہر ایک فرداً فرداً اپنے جمیع فرائض کو ادا کرنے کی اصدق دل اور پربالانت طبع کوشش و سعی کرے جو مردانہ چلن اور شہرہ نما عادات و صفات کی سب سے بڑھ کر مستتر ہے۔

ڈاکٹر معمار کی تصانیف سے متذیبِ نیا نے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ یورپ کی تو کوئی زبان ایسی نہیں کہ جس میں تصانیف ترجمہ ہو کر شائع نہ ہو گئی ہوں۔ اور کئی مرتبہ چیکرا تھوں کا تھہر و خست ہو چکی ہیں۔ جاپان اور بہت دستان کی بھی دو ایک زبانوں میں ان کے ترجمے اکثر شائع ہوئے ہیں۔ اردو دنیا کو بھی جس قدر کہ کسی ایسی کتاب کی ضرورت ہو سکتی ہے جیسے کہ ڈیوولی وہ اظہر من الشمس ہے۔

آئینہ ترک و مسلمانی ایک جگہ لکھتے ہیں۔

”بعض لوگ پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہم کو مصنفوں کی حکایات نہ دو بلکہ ان کی تصانیف۔ مگر مجھ کو

اکثر معلوم ہوا ہے کہ حکایات میں نسبت تصانیف کے زیادہ دلچسپی اور اثر ہوتا ہے۔
یہی اصول ہے جو اس کتاب ڈیولپی میں مصنف کی دیگر تصانیف کی طرح اند نظر رکھا گیا ہے۔ شہو
مورخ پلوٹارک کا بیان ہے:-

”بڑے بڑے نامور اور مشہور اشخاص کے زبردست محرکوں اور جدوجہد میں نہیں جو ان کی
نیکیوں یا بدیوں نے سر انجام کیے ہیں۔ بلکہ اکثر چھوٹے چھوٹے کاموں۔ ان کے قولوں یا معمولی
باتوں اور مزاج میں وہ چیز موجود ہوتی ہے جو شہسختی کے اصلی چیلن کو بڑے بڑے مشہور واقعات
اور جنگ و جدل کے محرکوں سے بڑھ کر متاثر اور محرک بناتی ہے۔“

تشکیل کا اثر مسئلہ سے بدرجہا بڑھ کر ہوتا ہے۔ اور جبکہ انکھل جس چیز کی ضرورت ہے وہ نیک ہی ہے
جبکہ ہم اپنے نوجوانوں۔ اپنی نوجوان نسل کے سامنے پیش کریں۔ اور ان کو اس قابل بنائیں کہ وہ ہم انہیں
نظر بھی کریں۔ اور ہمارے واسطے وہ ترقی کے سفر میں قطب تارہ کا کام دیں۔

ڈاکٹر سٹارک کی تمام تصانیف ایک دوسرے سے زیادہ مفید اور نتیجہ خیز ہیں۔ اور واقعی ڈاکٹر صاحب
موصوف نے بنی نوع انسان پر اپنی ان تصانیف سے بہت احسان کیا ہے۔ اور ہر ایک تصنیف
بلا مبالغہ اس قابل ہے کہ نوجوان اس کو اپنا تصابطہ عمل بنائیں اور اس دنیا کے سفر حیات میں اس کی
رہنمائی پر کاربند ہوں۔

اس کتاب یعنی ”ڈیولپی“ کے صفحوں پر سب سے نیک اور بڑا اور سب سے بہادر مردوں اور
معدنوں کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جنہوں نے اپنی تمام عمر اپنے ملک۔ اپنی قوم اور بنی نوع انسان اور بالآخر
ان سب کی بہبودی اور ترقی اور زندگی کے وسیلے وقف کر دی جن کا فرض ان پر واجب تھا۔

نیک کام ہمنزل میراث کے ہیں۔ جو نسل بعد نسل کثرت سے مستفیض ہوتی جاتی ہے۔ جنہوں نے
دنیا میں اپنے فرائض کو سر انجام کیا یا ان کے سر انجام کرنے کی کوشش کی جس چیز سے انہوں نے دنیا
کیا اور اپنے آپ کو اپنے ملک۔ اپنی قوم اور بنی نوع کو آدم کی نگاہ میں ممتاز اور عزیز بنایا۔ اس
چیز سے ہر کوئی تعلق رکھتا ہے کہ بنی آدم نے کیا کیا ہے اور جو کچھ بنی آدم نے کیا ہے بنی آدم اس کے
کو سکتا ہے۔

فرائض کی بجا آوری سے جو زندگی بھری ہو۔ انسانی بہت بہت تضاد اور دلیری اور نیکو کاری کے
واسطے نقش قدم کا کام دیتی ہے۔ جو شخص فرض کی جہالت۔ اس کی حقیقت اور اس کی قدر کو شناخت
کر لیتا ہے۔ وہ نہ صرف اس دنیا میں اپنے مجنسون میں سب سے بڑھ کر زندگی اور ترقی اور عزت اور

”مستف کی تحریر اس قسم کی ہے کہ گویا خود اس کو ان لوگوں کی جدوجہد اور ناکامیوں سے دلی
 ہمدردی ہے۔ جو باوجود مشکلات و مصائب کے شرفیاد اور قابلِ عزت زندگی تک رسائی
 چاہتے ہیں۔ اور ایسی صاف ہمدردی..... اس کا فالص فیک فہم۔ اس کے
 پُرغز اور دائمی سے لبریز نصائح اور عقید اور نتیجہ خیز حکایتوں کا یہ شمار ذخیرہ جو اس
 کتاب (ڈیوٹی) کو نہ صرف ہر لحاظ پر بناتا ہے بلکہ نصیحت بھی“
 ”دیکر سچن ویرالڈ“



نوازش علیاں

{

لاہور
 یکم جنوری ۱۹۶۶ء

ڈیوٹی

باب اول

فرض ضمیمہ

تنہا تو جا رہا تھا مگر اس کے ساتھ تھا + اک شاہ زور اور معاون ضمیمہ سا
(میلان)

ذات کیا تیرا وطن کیا۔ آدمی کیسا ہیں سب + فرض مثل شمع روشن سامنے ہے روز و شب
بے تغیر نور جس کا استقامت سے صدا نور کا رکھتا ہے اُجیا لے اندھیرے میں دیا
(خاندان کی کا گیت)

کیوں لے انسان تو دنیا کو بدنام کرتا ہے؟ دنیا نہایت ہی خوبصورت ہے۔ اعلیٰ درجہ کی مکمل اور
عقدہ ترین وجہ سے اسکی توضیح ہوئی ہے۔ گو اس میں شک نہیں کہ تیرے نزدیک یہ ناپاک اور بگاڑ
ہے۔ کیونکہ تو خود ایک نیک نے ناپاک اور بد ہے +

(ہمارا سلسلہ فیسینس)

انسان بنیاد میں صرف اپنے واسطے زندہ نہیں رہتا۔ اسکی زندگی سے اپنا اور نیز دوسروں کا فائدہ
مقصود ہے۔ ہر ایک شخص کے دنیا میں فرائض ہیں۔ خواہ وہ امیر سے امیر ہو خواہ غریب سے غریب

بعض کے واسطے زندگی عیش و عشرت ہے۔ اور بعض کے واسطے مصیبت لیکن نیک بندے دنیا میں شہرت یا اپنے عیش و عشرت کا لطف اٹھانے کے واسطے زندگی بسر نہیں کرتے۔ انکی جتنی زبردست غرض یہ ہوتی ہے کہ خود کسی طرح ہو ہر ایک نیک امر میں امید بھرا منفعت بخش کام

کریں *

ہیروکلِس کا قول ہے کہ ہم میں سے ہر ایک انسان مرکز ہے جو بہت سے ہم مرکز دائروں سے محصور ہے۔ خود ہماری ذات سے پہلے دائرے کی ابتداء ہوتی ہے۔ جہنم، فالین اور اہل و عیال شامل ہیں۔ دوسرے ہم مرکز دائرے میں عزیز واقارب شامل ہیں۔ پھر ہم وطن۔ اور سب کے بعد تمام بنی نوع انسان *

انسان اور خداوند تعالیٰ کے جو فیاض ہم پر اس دنیا میں واجب ہیں۔ ان کو استقلال اور استقلال سے ادا کرنے کے واسطے ان تمام قوی کی تربیت کی ضرورت ہے جو خدا تعالیٰ نے ہمارے عطا کیے ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اس نے ہر ایک چیز کو عطا کی ہے۔ وہی اعلیٰ اور برتر قوت ارادی ہے جو ہماری قوت ارادی کی رہنما ہے۔ نیکی اور بدی کا ہی علم کیا درست ہے اور کیا نادرست اسی کا ہی معلوم ہونا۔ ہمارے دنیا میں انسان کے سامنے اور عاقبت میں خدا کے سامنے جو ابدہ ٹھہرتا ہے۔ فرض کا طبقہ لا محدود ہے۔ زندگی کے ہر درجہ میں یہ موجود ہے۔ امیر یا غریب۔ خوش یا غمش ہونا ہماری مرضی پر منحصر نہیں ہے۔ مگر ہاں ہمارے مناسب ہے کہ ہم اپنا فرض ادا کریں جس سے ہم ہر جگہ محصور ہیں۔ خواہ کتنی ہی جان جو حکم اور کتنا ہی نقصان ہو۔ فرض کی متابعت کرنا اعلیٰ ترین مرتبہ زندگی کا جو ہر ہے۔ بڑے بڑے کارناماں زمانہ ماضی میں اس قابل تھے اور اب بھی زمانہ حال میں اس قابل ہیں کہ جن کے واسطے ہمارے لازم ہے کہ دنیا میں محنت کریں۔ امید و اربابیں اور اپنی جان دیں * ہم اکثر فرض کی پابندی کے خیال کو اس اعتماد سے منسلک کرتے ہیں جو کسی سپاہی کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔ ہمارے ہر جگہ کا کوئی ۸۰ سال گزرے جب دوسرے کا آتش فشاں پہاڑ پھٹا تھا گو شہر پامپائی زیر زمین فن ہو گیا مگر دروازہ شہر پر جو ٹپ پرست سپاہی پہرہ رکھتا تھا اپنی جگہ سے نہ ہلا کہ کچھ شک نہیں کہ یہ بہت پرست سپاہی تھا۔ مگر یہ جگہ تھیں مگر یہ اپنی جگہ رکھتا تھا۔ یہاں کھڑا رہنا اس کا فرض تھا۔ یہ اس نظام کی حفاظت کیلئے متعین کیا گیا تھا اور اس نے اپنا فرض بجالانے میں ذرا بھی پس و پیش نہ کیا۔ اس کا بدن تو فدا ہو گیا۔ مگر اسکی یاد اب تک زندہ ہے۔ اسکا خود پتہ اور سینہ بند اب تک مسکو بورنیو واقع نیلز میں کھنڈے ہوئے

ہیں اور ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے ۛ

یہ سپاہی مطیع اور تربیت یافتہ تھا جس کام پر مامور کیا گیا تھا اس نے اسکو سر انجام دیا۔ جس شخص سے اُمید ہو کہ اس سے دنیا میں نیک کام لیا جائے۔ اسکو والدین کی متابعت۔ اُستاد کی متابعت اور اپنے بالادست کی متابعت سکھانا چاہیے۔ بچپن کی ابتدا ہی متابعت سے کرنی چاہیے۔ اور نہ صرف بچپن ہی بلکہ عمر کا کوئی دہہ ایسا نہیں جس میں متابعت کی ضرورت نہ ہو۔ بلکہ لازم ہے کہ مرتے دم تک متابعت سے گریز نہ کریں۔ فرض اپنی اصلی اور خالص حالت میں استقامت و برکت ہے کہ انسان کو اسکی تسلیل بخیر کی خیال ہی فراموش ہو جاتا ہے۔ اور یہی فرض ہے۔ اسکی نیابتیں لازم ہے کہ اسکی خیال رکھے۔ اشارے کے نام کو بھی فراموش کر دے ۛ

پامپانی میں رومن سپاہی کا واقعہ تو جس کا ذکر اوپر کیا گیا ایک عرصہ دراز کا تھا۔ ہم اس سے حال کا ایک واقعہ اسی طرح کا بیان کرتے ہیں۔ جہاد برکن میڈ ساحل افریقہ کے پاس جب عتیق آب ہونیکا۔ سپاہیوں نے نہایت تحمل سے ایک سلامی خوشی کی داغی اور جہاد کے ساتھ ہی نیرکاب دفن ہو گئے۔ انگلستان میں اس خبر کے پہونچنے کے بعد ڈیوک آف ولنگٹن شاہی مجلس انگلستان کی ضیافت میں معو ہوئے۔ لارڈ مرگالے اس موقع پر لکھتے ہیں: میں نے غور کیا (اور یہی ہی طرح مسٹر لارنس سفیر امریکہ نے بھی) تو معلوم ہوا کہ غرق آب سپاہیوں کی ثنا و صفت کرتے وقت ڈیوک موصوفہ نے ان کی دلاوری کا بالکل تذکرہ نہ کیا۔ بلکہ تمام دُور ان تقریر میں لٹی تربیت اور متابعت کی تعریف ہی کرتے رہے۔ کئی مرتبہ مگر رسد رکھنے والوں نے اسکا تذکرہ کیا۔ میرے خیال میں جو دلیری ان سپاہیوں سے ظاہر ہوئی تھی اُسکو انھوں نے ایک معمولی اور سمجھا تھا ۛ

فرض کی تعمیل خود اپنی مرضی سے ہوتی ہے۔ یہ صرف بے باکی ہی نہیں ہے۔ روم میں جب زمانہ قدیم میں رومی دلاور شیدائی سے شیریں کے ساتھ دست بستہ لڑتے تھے۔ اُنکو تا شاہی کی مرگرمی اور جوش سے تحریک ملتی تھی۔ اور ساتھ ہی اسکے ان کو خودی کا خیال اور نیز اپنے انجام کا خیال بھی فراموش نہ ہوتا تھا۔ شہر پڑاؤ و بیشک پڑا جفاکش تھا۔ مگر اسکی زر کی نصبت اسکی نام خود ناکالیف و مشکلات میں اسکی شہت مضبوط کرتی تھی ۛ

سنت اُگسٹائن کا سوال ہے: ”کیا تم بڑے بننا چاہتے ہو؟ پھر خود ہی جواب دیا ہے: ”اگر بڑے بننا چاہتے ہو تو پہلے چھوٹے بنو۔ کوئی وسیع اور بلند عمارت بنانا چاہتے ہو تو

پہلے اسکی چھوٹی چھوٹی بنیادوں کا خیال رکھو۔ جس قدر اونچی عمارت ہوگی اسی قدر گہری اسکی بنیاد ہونی چاہیئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ باجیا انکساری جن کی سرتاج ہے؟

اعلیٰ درجہ کا فرض وہ ہے جو پوشیدہ طور پر بغیر کسی کی نظر پر سے تعمیل میں آئے۔ ایسے موقع پر اسکی تعمیل نہایت شرافت اور بدل و جان عمل میں آتی ہے۔ اس طور پر فرض کو دنیا داری کی تقلید نہیں کرنی پڑتی۔ زیر شہر ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اس کا مشرب دنیا داری سے بڑھ کر اور اس کا ضابطہ اسی سے اعلیٰ تر ہوتا ہے۔ اور جبکی تعمیل اور جبکی متابعت سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہم ہر ایک انسان اور اس کے ہر ایک کام کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ گویا وہ تمام نئی آدم پر ایک نئی اور ابدی احسان ہے۔ جو اعمال بد ہم سے سرزد ہوتے ہیں یا جو افعال بے احتیاطی سے ہم کرتے دیکھتے ہیں وہ ہر روز ایک طرح کا قرض بنتے جاتے ہیں جسکا ادا کرنا خواہ جلد یا بدیر انسانیت کو لازم ہے؟

لیکن اب انسان اپنے فرض کی تعمیل کس طرح سیکھے؟ کیا اسیر کوئی مشکل پیش آسکتی ہے؟ سب سے پہلے عالمگیر اور مستقیم دہ فرض ہے جو خدا کا ہم بندوں پر واجب ہے۔ اس کے بعد دوسروں کا درجہ ہے۔ انسان پر اسکے اہل عیال اور گھربار کا فرض۔ اسکے ہمسائیوں کا فرض۔ نوکر کا آقا اور آقا کا نوکر کا فرض۔ ہمارے ہمتوں کا ہم پر فرض۔ اور سرکار کا نھایا پر فرض اور رعایا کا اپنی جگہ سرکار پر فرض؟

ان میں سے بہت سے فرائض کی تعمیل رخ کے طور پر کی جاتی ہے۔ ہماری عام کیفیت زندگی کو علانیہ طور پر معلوم ہو۔ مگر تاہم ہم کی کیفیت زندگی بھی ہوتی ہے۔ جسکو کوئی نہیں دیکھتا۔ اور اس زندگی کو روح و روانہ اندرونی زندگی کہتے ہیں۔ یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ خواہ کارآمد بنیں یا نہ بنیں۔ کوئی شخص ہمارے روح کو نہیں مار سکتا۔ البتہ یہ صرف خودکشی سے مراد ہو سکتی ہے۔ اگر ہم صرف اتنا ہی کر سکیں کہ اپنے آپ کو اور نیز ایک دوسرے کو نسبت سابق کے بہتر بنیں۔ اور شریف تر بناسکیں۔ تو شاید جس قدر کہ ہمارے امکان میں ہے ہمیں اس کا بہت کچھ سر انجام کر لیا ہے؟

ذیل میں امریکہ کے ایک واضح قوانین کی مثال درج کی جاتی ہے جس نے اپنے فرض کی تعمیل میں کوتاہی نہ گوارائی؟۔

کوئی سو سال گذرے کہ نیو انگلینڈ میں سوچ گر بن گئے۔ آسان تیر و تار ہو گیا۔ اور اکثر لوگ

خیال ہو گیا کہ قیامت آگئی۔ اس وقت اتفاق سے کنکلیٹ کی مجلس وضع قوانین کا اجلاس ہو رہا تھا۔ اندھیرا چھانے لگا کہ ایک ممبر نے اجلاس کی برخاستگی کی تحریک کی۔ اسپیکر ایک ڈمبہر کھڑا ہوا، درکنے لگا۔ اگر واقعی قیامت آگئی ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اپنی جگہ پر تعینات اور اپنا فرض ادا کرتا ہوا پایا جاؤں۔ اور اس لیے میں تحریک کرتا ہوں کہ شمع روشن کر دی جائیں اور مجلس کی کارروائی جاری رہے۔ اسی انا ممبر کا مقولہ تھا کہ فرض کی چوکی پر متعین رہو اور آخر کار اس سے جو تمہارے پیش کی جاتی منظور ہوگئی +

ایک شخص نہایت بزرگ و کمزور بدن تھا جو اپنے وقت کا بہت سا حصہ بھی خواہی خواہی کے کاروبار میں صرف کر گیا کرتا۔ بریلیوں کے پاس جاتا۔ اُن کے مصیبت بھرے گھروں میں گر آنے پاس بیٹھا۔ اور ہر طرح کی بیمار داری اور لالچ لکیر کرتا۔ اسکے دوست اس کو ملامت کرتے کہ تم اپنے کاروبار سے بالکل غافل رہتے ہو۔ اور خدا کا سلب دم اور تپ زرد لوگوں کے پاس آنے سے کوئی تندی عرض لاتی ہو گیا تو جان دے بیٹھو گے۔ مگر یہ شخص ان دوستوں کو نہایت استقلال و سادگی سے جواب دیتا تھا میں اپنے کاروبار کی نگاہداشت صرف اپنے بچوں اور بیوی کی واسطے کرتا ہوں۔ لیکن میرا عقائد ہے کہ سوسائٹی کا جو فرض انسان پر واجب ہے وہ اس کا مقتضی ہے کہ وہ اُن لوگوں کی غور و پرداخت اور نگاہداشت کرے جو اسکے گھر بار سے تعلق نہیں رکھتے +

یہ ایسا شخص کے الفاظ تھے جو اپنی مرضی سے فرض کا خادم تھا۔ دراصل وہ شخص مرنے ہی نوع نہیں ہے جو اپنا زرد و سرور کو وقف کر دیتا ہے بلکہ وہ شخص جو خود اپنے آپ کو اپنی نوع انسان کے واسطے وقف کر دیتا ہے۔ جو شخص کر دیتا ہے اس کا نام بذریعہ اشتہاروں کے مشہور ہوتا ہے۔ مگر جو شخص اپنا وقت۔ اپنی طاقت اور اپنی ہمت دوسروں کی واسطے صرف کرتا ہے۔ اس سے محبت کی جاتی ہے قریب کا ان سے کہ اول الذکر کی یادگار تازہ رہے اور آخر الذکر فراموش ہو جائے۔ مگر جس نیک ان کی خدمت میں یہی کہ چکے ہے وہ کبھی تا قیامت غافل نہیں ہوتا +

باب دوم

فرض علی

بھروسہ رکھو اپنا استاد پر قدم زن بنو فرض کی راہ پر
نظر حکم پر اس کے رکھو نام تمھارے سرانجام سب ہونگے کام
(دو تھہ)

نہ بیکار اور شست بنکر پکاؤ دماغوں میں اپنے خیالی پلاؤ
کرد فعل صالح تو درگ و حیات اور ایام آئندہ شیریں بناؤ
(چارلس گنگلس)

اے فرض ٹھکراں ہے تو سارے جہان پر وحشی ملک کی آنکھ ہے تیرے نشان پر
غالب ہے خواہ علم کا یا ہے جہاز راں ہے اہل سیف - اہل ہنر - عالم زباں
دہقان لوہار کان کن اور یا ہے نور بان ہر اک سے ہو رہا ہے عیاں تیرا نور مان
کتنا ہی مشکلات کا ہو راہ میں و نور فوراً کرے تو قدرت پہناں سے اسکو دور

بیل ہو اور دم نہ بھرے تیرا ناغ ہے سرسبز تیرے دم سے یہ عالم کا باغ ہے
سارا جہان جسم ہے تو اسکی جان ہے بیکار ہے وہ جسم نہیں جس میں جان ہے
(انگریزی گیت)

جس شخص نے اپنا فرض بخوبی سمجھ لیا ہے وہ فوراً اس پر عمل کر لگا۔ ہمارے افعال ہی ایک ایسی پسینہ ہیں جو ہمارے بس میں ہیں۔ اور یہ افعال ہمارے عادات کا ہی نہیں بلکہ ہمارے چال چلن کا بھی مجموعہ ہیں۔

مگر اسکے ساتھ یہ بھی ہے کہ فرض کا راستہ آسان نہیں ہے۔ اس میں بہت سی رکاوٹیں اور مشکلات حاصل ہیں۔ ہم میں فہم دید تو ہو سکتا ہے۔ مگر فعلی قوت انفرادی نہیں۔ یہ نباتات انسان کی نسبت اس لحاظ سے بہت سے شبہ میں ہیں۔ یہ سوچتا ہے۔ اور نتائج اخذ کرتا ہے۔ اور خیالی پلاؤ پکاتا ہے۔ مگر کتنا کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ ایک سخت جفاکش کا قول ہے: ”دیکھئے کو بھی بہت ہی کم

اور کرنے کو بھی بہت ہی کم۔ مگر جو کچھ ہے وہ صرف کرنا ہی ہے۔

ہم کو صرف اپنی پسندیدگیوں اور ناپسندیدگیوں ہی پر غالب نامروری نہیں۔ بلکہ اس سے بڑھکر یہ کہ ہم اختلاف رائے پر غلبہ حاصل کریں۔ جسد کوئی شخص راہ نیک اختیار کرے اور اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہو: "نہا نہ کیا کیگا؟" تو اس سمجھ لو کہ وہ شخص دنیا میں کچھ نہ کرے گا۔ لیکن اگر اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہو: "کیا یہ میرا فرض ہے؟" تو سمجھ لو کہ وہ شخص اپنے اخلاقی لباس میں سستا ہے۔ اور لوگوں کے الزاموں کے منہ اڑا رہے ہیں اور نیران کے تمسخرات کا سامنا کرنے کو تیار ہو سکتا ہے۔ مانتھیر ڈی کرٹیلی فرماتے ہیں: "ہم کو اعمال نیک پر اعتقاد دیا جائے۔ اور اعمال بد پر شک اور بے اعتقادی۔ اور بہ نسبت بد اعتقاد ہونے کے دھوکا کھانا بہتر ہے۔" انسان پہلے فرض گھر میں سیکھتا ہے۔ جس وقت بچہ دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ لاچار ہوتا ہے۔ سبکی صحت۔ پرورش۔ اخلاقی اور جسمانی کمالات کا دار و مدار دوسروں پر ہوتا ہے۔ مگر آخر کار یہ خیالات جذب کرتا ہے۔ اور مناسب دباؤ میں سیکھتا ہے۔ متابعت کرنا۔ خود پر قابو رکھنا۔ دوسروں پر شفقت بنانا۔ پابند وائش اور خوش بننا۔ اس کے پاس کو اسکی اپنی مرضی ہوتی ہے مگر اسکی نیک و بد روش بہت کچھ اسکے والدین پر منحصر ہوتی ہے۔

مرضی کی عادت مدعا کہلاتی ہے۔ اور جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس سے مدعاے نیک کی تربیت کی ضرورت اوائل عمری میں ظاہر ہے۔ نوویلیس کا قول ہے: "چال چلن ایک مکمل موضوع مرضی ہے۔" اور مرضی جب ایک بار وضع ہو جائے۔ تو تمام عمر کے واسطے مستقل اور مستحکم ہوتی ہے۔ جب کوئی سچا انسان جو نیکی پر پائل ہے۔ اپنا مدعا دل میں ٹھانتا ہے تو اسکی نظریں دنیا کو انعاموں اور تعریفوں کی کچھ وقعت نہیں ہوتی۔ خود اسکی ضمیر مزید کی خوشنودی اور وہ تحسین جسکے پاسنے کا یہ حق ہوتا ہے اسکا اعلیٰ ترین انعام ہے۔

بالفاظ روشن کے مرضی صرف استقلال۔ استحکام اور ثابت قدمی ہے۔ مگر یہ ظاہر ہو جائیگا کہ جب تک چال چلن کی روشنی نہ ہو۔ تو مرضی صرف ایک قدرت مغفرت ہو سکتی ہے۔ خوشخوار ظالموں میں یہ بہتر نہ ایک شیطان کے بن جاتی ہے۔ اور اس میں طاقت اختیاری کی کچھ انتہا ہوتی ہے اور نہ حد۔ مگر ورنہ وہی اسکی گھایا ہوتے ہیں۔ یوں کے جذبات کا شعلہ شعل کر دیتی ہے۔ ان میں مرضی سے یا تو کوئی سختد پیدا ہو جاتا ہے یا کوئی نیولین۔ جب کوئی سلطنت فتح کرے تو سکندر جلا اٹھا تھا اور نیپولین نے تمام یورپ کو پائمال کر کے اپنی طاقت روس کے برف میں غرق کی۔

اسکا قول تھا "خیر ہی نے مجھ کو بنایا ہے اس فتح ہی مجھ کو قائم رکھے گی۔" مگر اس شخص کو کوئی اخلاقی اصول نہ تھا۔ اور جب اس کی تباہی اور بربادی کا وقت ختم ہوا۔ تو تو بے بس ہے اسے، بکھیرا پھینکا یا۔
 قادر بر حسی جو نیک غرضی سے منسلک ہو ایسی برباد ہے جس کی کسی ضدیا مضمر۔ جبل نہایت
 اسکا اثر ہو وہ خود ترقی کرتا ہے اور دوسروں کے ال اور ضمیر میں نہ کو مشعل کرتا ہے۔ غرض کے بارے میں
 جو اسکے اپنے خیالات ہوتے ہیں۔ یہ اذروں کو بھی ان کی طرف سے پہنچاتا ہے۔ اور ان کو اپنی کوششوں میں
 شامل کرتا ہے تاکہ عمدہ اغراض حاصل کیے جائیں۔ اور اسے کو بدی کی بیخ کنی اور نیکی کی بنیاد رکھنے کی
 طرف مبذول کرتا ہے جس شخص کی قار مرضی حامل ہوتی ہے وہ اپنے افعال پر قوت کا سکہ جھٹلاتا ہے۔
 قوی تر قوت کا یہ عادی ہو جاتا ہے۔ یہ شہرت دیتا ہے اس محبت کو جس پر ہوتا ہے۔ اس سوسائٹی کو
 جس میں یہ رہتا ہے۔ اور نیز اس قوم کو جس میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ بزدل کو وسط ایک خوشی درست الوجود
 کے واسطے ایک انہی ملامت بن جاتا ہے۔ یہ اول الذکر کی دھارس بندھا کر دیتے ہیں۔ اس کے بل پھرا
 کر دیتا ہے۔ اور یہ اپنی تمثیل کے اثر سے مؤثر الذکر میں نیکی علی کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ ملکیت
 کے رجوع ملک شاعر نے ٹھیکیس صاحب نیل کے اشعار میں اسکا اشارہ کرتے ہیں۔

ثابت قدم تو مرخص زندہ مدام ہے	شکل جہاں میں جتنی ہو تیری غلام ہے
دنیا کی ساری چیزوں میں ہونہار ہوا	کیا تاب تیرے پیر کو جنبش جو ہونہار
روحانی کوہ چھاڑ کے دکھلا تو اپنا نور	افعال میں ہارے ہو تیرا ہی سب ظہور
ملہیں ان کو نیکی سے کرایا سرسبز	تا خاک سے اٹھانیکے لائق ہوں ہم ہی سر
آواز تو ہے ایسی کہ جو تھکے کو سنتا ہے	تیری ہی بس فراق میں سراپا دستار
رکھیں ہم اعتقاد تو تو پاس اپنے آئے	خود خدیا ہو وہ شخص جو یہ عقدا دہانے
تو صدق وہ ہے جو کہ نہیں ہوتا مشکا	جب تک کہ آدمی پر کہے موت اپنا وار

ملا وہ ان شخص خاص سے جن کی مرضی نیک قوی یا بد قوی ہے۔ ایک بڑا باری گروہ ان میں سے ہے۔ جن کی مرضی بہت کمزور ہے یا بالکل نہیں ہے۔ یہ شخص بے خلق ہیں مگر ان کے پاس بدی کیواسطے کوئی قوی مرضی نہیں تو نیکی کے واسطے بھی نہیں۔ یہ لوگ دوسروں کے ان اثرات کے لئے ثابت قبول کنندہ ہیں جو ان میں کچھ گرفت نہیں کر پڑتے۔ تو یہ آگے بڑھتے نظر آتے ہیں اور اثر پیچھے ہٹتے۔ مگر ادھر کی ہر چلی تو ان کا رخ اور سر ہو گیا۔ مگر ادھر کی چلی تو ان کا رخ بھی اٹھ ہو گیا۔ نہ تو ان کے دل میں کوئی راستبازی محکم قائم ہے۔ اور نہ یہ جانتے ہیں کہ صداقت کیا چیز ہے۔ اس قسم کے

آکرمی لا پرواہ۔۔۔ بے ثبات تاجدار۔ کمزور اور بے عزت۔ ہر جگہ سوسائٹی میں مستعد و پائے جاتے ہیں +

لہذا یہ نہایت ضروری ہے کہ مرضی کے متحمل کرنے اور ترقی دینے کے واسطے قوت مزبور کی بجائے کیونکہ بغیر اسکے نہ قوت و اعتماد ہی نہ استقلال اور نہ چال چلن کی تفرید ہو سکتی ہے۔ بیچارے کو ہم صداقت کو پوری پوری قدرت دے سکتے ہیں۔ نہ اخلاق کو اس کا مناسب رخ۔ اور نہ اپنے آپ کو کئے اور عیار آدمیوں کے ہاتھ میں کھڑے تیار بننے سے بچا سکتے ہیں۔ دماغی تربیت قوت فیصلہ نہیں حاصل ہوتی۔ فلسفی بحث کرتے ہیں۔ مگر جن شخصوں کو قوت فیصلہ حاصل ہے وہ عمل کرتے ہیں۔

سیکن کا قول ہے وہ ارادہ کرنا اور وہی کرنا ہے یعنی کچھ نہ کرنا +

لوگ کا قول ہے وہ مرضی کی تربیت کے واسطے مناسب قوت نوخیز ہوئے۔ ایک زمانہ اب آتا ہے جب ہمارے دل مسخ ہو سکتے ہیں۔ خود منہ صداقتوں کا ایک بڑا ذخیرہ حاصل ہو سکتا ہے۔ جذبات متعدی سے قوت مدللہ کی حکومت آج ہو جاتی ہے۔ اور نیک اصول اس طور پر ہم میں قائم ہو سکتے ہیں کہ ہماری آئندہ زندگی کے ہر ایک ضروری فعل پر ان کا اثر پڑے۔ مگر جس زمانہ میں یہ عمل ہوتا ہے نہ قوت و زمانہ تمام ہر ہماری طاقت میں رہتا ہے۔ اور نہ کسی معقول و مجسم ملک۔ یعنی یہ صرف چند سال تک محدود ہوتا ہے۔ اور اگر ہم اس میں غافل رہیں تو مناسب قوت ہم کو اپنی غفلت و نادانی جھگنتی پڑتی ہے۔ ہماری مرضی ہی ہمارے واسطے قانون بن جاتی ہے۔ اور ہماری خودمانی نفسانی اقتدار ہم پر قدرت حاصل کر لیتی ہیں کہ ہمیں ان کی مرضیت لاحق اور بے شائبہ ہوتی ہو۔ لارڈ شیفٹسبری اول نے لوگ سے ایک باچال چلن اور طوار کا ایک سدا شناسا کہنا ہے۔ بیان کیا جس سے خود ان کے چال چلن کا حال کھلتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ دانائی کی جگہ دانت ہے۔ کہ دماغ۔ اور یہ علم کی کمی نہیں بلکہ استقلال رائے ہے جو انسان کے افعال کو مہی اور اس کی فکر کو مہی سے پر کر دیتا ہے۔ صفت علم سے چال چلن کو تقویت نہیں حاصل ہوتی۔ انسان لا انتہا دلائل و ثبوت ہے۔ ہزاروں گمان غالب دل میں لاتا ہے۔ اور ان کو جانچتا ہے۔ مگر کچھ بھی نہ عمل کرتا ہے اور کوئی فیصلہ اس کے دل نشین ہوتا ہے۔ لہذا اس طور پر علم عمل کے حق میں روکتا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ ذکاوت اور فہم کی روشنی میں مرضی عمل پذیر ہو۔ اور پھر روح کو پوری عمر اور قوت عملی نصیب ہوگی +

حقیقت یہ ہے کہ حرفوں اور فطرتوں اور فقروں کو جیسا کہ بعض کا خیال ہے سیکھ لینا ضروری نہیں۔ علم کو نیکی اور خوشی سے کچھ واسطہ نہیں۔ البتہ یہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انکساری کو اثر کرے

اور بجز اس کی جگہ پیدا کر دے۔ بڑے بڑے رہنمائے انسان بہت ہی کم علم اور بے بہرہ ورتے اکثر عالموں نے وہ خیال کی لمبیدی حاصل کی ہے جس کا اثر زمانے میں انسان پر ہوتا ہے۔ لیکن انکو پہلا عمل کی بزرگی شاذ و نادر ہی حاصل ہوئی ہے۔

جس طرح کہ دنیا میں پہاڑوں کو روٹیدگی حاصل ہوئی ہے۔ اس طرح انسان نہیں ترقی کر سکتے انسانوں کی ترقی تو فرداً فرداً ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اجمالی ترقی فی الحقیقت شخصی ترقی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام اور ولعظہ بیرونی اثران پر ڈال سکے ہیں۔ مگر خاص عمل ان کے دل ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی مدد و خود نفس نفیس کرنی چاہئے۔ اور خود اپنے دل و سامعی بننا چاہئے۔ ورنہ دوسروں کی مدد ہم کو ہرگز نشو و نما پر نہیں حاصل ہو سکتی۔ ڈاکٹر ٹیلر کا قول ہے: "چونکہ عادات جسمانی بیرونی افعال سے پیدا ہوتے ہیں۔ پس وہی عادات اندرونی عمل کی سچی چیدہ ہوتے ہیں۔ یعنی قابل عمل اغراض دلی پر عمل درآمد کرنے یا ان کو عمل میں لانے اور متابعت۔ راستی۔ انصاف اور سخاوت پر عمل کرنے سے۔ ٹیلر کا حال بیان کرتے وقت مسٹر سٹیفن اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: "صرف اخلاقی پہلو ہی تہ اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس پہلو سے اس کی عظمت کا لام ہے۔ دیر انما لوجی" کی ہاں "سہرہ سہرہ" میں ضمیر مزید وہی کی بزرگی ٹیلر کے وعدہ کی ابتدا اور انتہا ہے اور فرض اس کا آخری لفظ ہے۔ جو بچہ و سواس اور تالیفیں اس پر لائق ہوں ہیں۔ اپنے اسی مستحکم اعتقاد پر ازار ہا کہ جہاں تک ہوتا ہے کائنات کا، سہرا اخلاق ہی کی معرفت افشاء ہوتا ہے۔

مکتبی تعلیم اور اخلاق میں بہت ہی کم کچھ بھی تعلق نہیں شاذ و نادر ہی صرف داعی تربیت کا کچھ اثر چال چلن پر ہوتا ہو۔ حافظ پر لکھ کر کہا ہے: "بڑی کی موقوفیات کی چھ کئی نہیں ہوتی۔ داعی تو صرف ایک لڑنے جو کام میں لایا جاتا ہے اور متعل ہوتا ہے۔ ان قومی سے جو اس چھپے میں یعنی تحریر کو سے۔ خود ضبطی سے۔ خود اختیاری سے۔ فکر سے۔ جوش سے۔ اور ہر ایک چیز سے جو چال چلن کو تقویت اور قدرت دیتی ہے۔ ان میں ہر ایک اصول ایسے ہیں جن کی گود میں تمام بڑی ہی ہوتی ہے۔ نہ کہ مدرسہ میں۔ مگر جس حالت میں کہ گھر میں بیٹے کا کار و بار نہ صوف ہے۔ اور ایک ایسی جگہ ہے کہ بچہ اس میں داخل ہونے کے اس سے بچا ہوتا ہے۔ تو مدرسہ ہی درس کیا ایسی جگہ ہے جہاں تربیت ہوتی ہے

اور متابعت سکھلائی جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی گھر وہ بھی مریضین سے جس میں بچی کو روٹیکہ کی حاصل ہوتی ہے۔ خانگی واقعات بہ نسبت کسی مدرسہ یا دارالعلوم کے ہمارے نزدیک زیادہ تر عزیز اور قابل اہم ہیں۔ یہ گھر کی ہی تعلیم ہے جس میں سچے چال چلن اور زمانے کی امیدوں کا مشورہ ہوتا ہے۔ بزرگوں کا کام ہے کہ گھر کے رہنے والوں کی تربیت کریں۔ اور بزرگوں کا کام ہے کہ اپنے والدین کی متابعت کریں۔ اور وراثتی پیشہ کی تعلیم حکومت اور نو قیام کام ہے۔ یہ دینی تعلیم ہی ہے جو اختیار کا مادہ اعلیٰ نیکیاں اور ملذذ خیالات پھیلاتی ہے۔ چھ مہینہ میں داخل ہو جاتی ہے اور زندگی کو انسانی حالات کے اسرار کے برخلاف شکایت کا ایک حرف بھی زبان سے نکالے بغیر قابل برداشت بنا دیتی ہے۔

ایک بڑا مصنف لکھتا ہے: تربیت کا انجام اعلیٰ آزادی ہے۔ اور جس قدر جلد تم ایک شخص کو خود رائے بننے دو گے اسی قدر جلد وہ پورا آدمی بن جائیگا۔ ماسٹیر ٹیوٹیلوپ کا قول ہے: انسانیت بار یک بینی سے ایک چھوٹے سے بچے میں جو انسانی آزادی ہوگی اس کی تو قیر بہ نسبت پوری عمر کے آدمی کے زیادہ کروں گا کیونکہ آخر الذکر میرے مقابلے میں اس کا بچاؤ کر سکتا ہے حالانکہ اول الذکر نہیں کر سکتا۔ میں ہرگز کسی بچے کو ایسا بے حرمت نہ کروں گا کہ اس کو ایک ایسا مادہ جھوٹ سا بچے میں ڈھالنے کے واسطے ہوا اور میری مرنی کی اس پر مہر لگے۔

والدین کی حکومت اور خاندانی مختاری ایک پاک سلطنت ہے۔ اور اگر ایک دم کے واسطے کسی تکلیف دہ وقت میں یہ خراب بھی ہو جائے۔ تو بلا حساب اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور یہاں تک اہم ہوتا ہے کہ دوبارہ اس کی سلطنت بچائے۔ مگر صرف آزادی ہی ایسی چیز نہیں ہے جس کے واسطے سعی کی جائے خصوصاً متابعت و خودضبطی۔ اور خود اختیاری ایسی چیزیں ہیں جن کی تمنا کرنی چاہئے۔ اور آخر الذکر ہی تعلیم کا انجام اعلیٰ ہے۔ مگر اس کا مادہ تعلیم سے نہیں پیدا کیا جاتا بلکہ تمثیل سے۔ بونلڈ کا قول ہے کہ لڑکے کے واسطے پہلی تعلیم عادات میں ہے کہ دلائل میں۔ اور تمثیلوں کے براہ راست سبق دینے میں۔ تمثیل کا وعظ مسائل سے بڑھ کر ہے۔ اور وہ بھی اس واسطے کہ بہت مشکل ہے اس کے ساتھ ہی نہایت عمدہ عمدہ اشارہ آہستہ آہستہ روٹیکہ کی پکڑتے ہیں۔ اور بتدریج انسانی ضروریات کے موافق چلتے جاتے ہیں۔

پس نیک علی ہی ہماری اخلاقی فطرت کی جائز پناہ ہے۔ نیک ارادہ ہی کافی نہیں کیونکہ اس سے بہت سی نیک افعال پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ استقلاتی کام سے بہت کچھ ہوتا ہے۔ جو کچھ محنت اور

مشقت سے کیا جاتا ہے اس سے ناظر کو ایک فراموش قوت حاصل ہوتی ہے جس کے بارے میں ہم نہیں کہہ سکتے مگر اس کی حد کہاں تک ہے۔ سسٹ پائلز کو تھڈرل میں نوجوانوں کے سامنے بکچہ دیتے وقت پادری کشین لڈن نے نہایت فصاحت سے کام کو زندگی کا سچا انجام بتلایا چنانچہ انہوں نے کہا: ”انسان کی زندگی تحمل اور کام کی بنی ہوئی ہے۔ اور زندگی اسی تناسب سے بار آور ہوتی ہے جس سے شریف کام یا صبر استقلال میں لگائی جاتی ہے۔ لیکن جبانی کام کو تو یہی صرف سچے کام کرنے والے نہیں ہیں۔ کچھ خیال کی زندگی اس تقسیم سے خارج نہیں اس واسطے کہ خیل صادق ایک ایسا کام ہے جو ثابت نہیں ہوتا پتھر کی سستی میں زندگی بسر کرنا انسان کو پست کر دیتا ہے۔ کیونکہ زندگی صرف کام سے ہی شریف بن سکتی ہے +

شریف کام سچا معلم ہے۔ سستی مطلقاً جسم۔ روح اور ضمیر مزیدہ کو بدخلق بنا دیتی ہے۔ دل حصوں میں سے نوحہ دینا کی بدایاں اور صائب سستی سے پیدا ہوتے ہیں۔ بغیر کام کے انسانی بہبود میں کوئی عملی ترقی نہیں ہو سکتی۔ اور سستی سے بڑھ کر کوئی ناقابل برداشت مصیبت ہی ہو سکتی ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص سستی، مگر دائمی نوجوان ہے۔ حالانکہ اس کے ارد گرد لوگ ضعیف ہوتے جاتے اور مرتے جاتے ہیں۔ البتہ کہ اگر کس قدر صدق دلی سے وہ موت کا خواہاں ہو گا کہ اس کو ربائی ملے! کارلائل کا قول ہے: ”و نہایت ہی کمزور سے کمزور جاندار بھی اپنی تمام طاقتوں کو بچا کر کے ایک کام پر لگانے سے کچھ نہ کچھ کر سکتا ہے۔ حالانکہ نہایت ہی زبردست آدمی اپنی تمام طاقتوں کو بہت کاموں پر منتشر کروینے سے کچھ کام بھی نہیں کر سکتا +

کیا ہم کو مشکلات کا سامنا کرنا ہے؟ تو ہم کو انہی مشکلات میں کام کرنا چاہئے۔ اس بھوت کا انار محنت بڑھ کر اور کچھ نہیں۔ دل اور جسم کی سستی زندگی کے مشابہ ہے۔ کام سے بڑھ کر یہ انسان کے دل اور جسم دونوں کو کھٹا جاتی ہے۔ ایک شہزاد کا کام کنویرا شخص کہتا ہے: ”یہ میں بھلائے اس کے کہ خود کو رنگ لگاؤں کام کروں گا“ شکر کہتا تھا: ”مجھے کہہ دو تو اسے کہ زندگی میں سب سے بڑھ کر خوشی کسی محنتی فرض کا دوا کرنے میں شامل ہے“ اس کی یہ بھی رائے تھی: ”محسن کے مارے سے ایک احوال فرض بھی ہرگز ادا نہیں ہوتا“ اخلق التذکا اعلیٰ درجہ کا وہ طبقہ ہے جو اپنی فکر کو استقلال میں اور اپنے فہم کو کام لگا دیتا ہے +

سب سے بڑھ کر مشکلات اکثر وہاں موجود ہوتی ہیں جہاں ہم کم ان کی امید نہیں ہوتی۔ جب دھڑاں دھڑاں پیش آتے ہیں تو وہ شاید ہمارے آزمائش اور امتحان کی واسطے بھیجے جاتے ہیں۔ مگر

ہم اپنی آزمائش کے وقت ثابت قدم ہیں۔ تو یہ ثابت قدمی کو برقرار رکھتی ہے جو ہمیشہ فرض کی مطابق ثابت سے عمل کرنے میں ملتی رہتی ہے۔ نارمیکلیوڈ کہتے ہیں: ”میدانوں کی لڑائیاں روزمرہ کی لڑائیاں ہیں۔ ان کے بہادر ہمارے بہادر ہیں اور ان کے غم ہمارے غم ہیں۔ جتنے کہ ان کی فتح اور شکست بھی ہماری فتح اور شکست ہے۔ جیسی کہ ان کو عزت۔ فتح اور شکست نصیب ہوتی ہے ویسی ہی ہمارے“

مشکل کا مدرسہ اخلاقی تربیت کا سب سے عمدہ مدرسہ ہے۔ جب مشکلات کا سامنا ہوتا تو یہ فردی ہے کہ دیریری اور خوشی سے ان کا مقابلہ کیا جائے۔ کیا اسطرح کہ انہیں کہ خوشی بہتر ہے ہمارے مدعا میں نہیں جس قدر کہ ہماری قوت میں؛ مشکلات سے گنتی لڑنا ان پر غالب آئیگا۔ یقینی راستہ ہے۔ کسی مدعا کے پورا کرنے کا ارادہ اخلاقی اعتبار سے کہہا سے پورا کر سکتے ہیں اور کر گئے۔ جس قدر بھروسہ لائق ہوتی ہیں اس قدر ہماری دکاوت تیز ہوتی جاتی ہے۔ اور پھر ان ان اکیلے دم سے غم ٹھونک کر کھڑے ہو جاتا ہے کہ ان مشکلات کا سامنا کرے اور ان پر غالب آئے جو اسکی راہ میں آئے ہوں۔

ان لوگوں کے حالات جنہوں نے اپنے مفید مطلب موقع ہاتھ سے کھو دیے ہیں۔ دنیا کی تعلیم کی واسطے ایک بیچ وہ مگر قابل یا دیگر کتاب بن جائینگے۔ ایڈیٹر رالپیٹ کا قول ہے: ”کوئی اندر اور زور اور شخص کبھی غفلت میں نہیں پڑ سکتا اگر اسکو اپنا خیال ہے۔ سو جوانوں کے فائدے کی واسطے میں چاہتا ہوں کہ ہر موصوفہ قدر ادا ان شخصوں کی معلوم ہوتی۔ جو ان ہزاروں میں سے کامیابی سے محروم رہے جنہوں نے استقلال سے نیک کام کرنیکی کوشش کی ہے۔ میرے خیال میں یہ تعداد شاید ہی ایک فیصدی سے زائد ہو۔“ انسان کامیابی کی تسکین کرتا ہے مگر یہ صرف سلسلہ ناکامی کا آخری کلمہ ہے۔ یہ پہلے پہل ناکام رہتے ہیں اور پھر مکرر اور مکرر ناکام رہتے ہیں۔ مگر آخر کار انکی مشکلات زائل ہو جاتی ہیں اور پھر کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

کسی چیز کے حاصل کرنے کی آرزو رکھنا مگر اس کے حاصل کرنیکی بار تکلیف کو اٹھانے کا نہ خیال کرنا کمزوری اور سستی کی نشانی ہے۔ جو چیز حاصل کرنے یا تصرف میں لانے کے قابل ہے وہ صرف کام کی خوشی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور یہ علی قوت کا سب سے بڑھکا سرا ہے۔ ”انسان بخوبی محنت کو سستی پر ترجیح دے سکتا ہے۔ اور سستی ایسی کہ اپنے قویٰ کو تمام محنت بخش ورزش کی بجائے کالہی کے مرض میں گھلا دے۔ ہمارے اپنی زندگی میں غالباً معلوم ہو جاتا ہے کہ جسمانی قویٰ کی ورزش ہی

خود ایک اس قسم کی خوشی کا منبع بن جاتی ہے۔ جو اس خوشی سے بڑھ کر ہے جس کے حصول کی واسطے ورزش کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

ایک اعلیٰ مصنف کا ذکر ہے کہ اس نے نہ صرف کبھی کسی واجب اور مناسب موقع کو ہاتھ سے نہیں دیا بلکہ کبھی کسی نادرجب اور نامناسب موقع کے چال کرنے پر رائل تک نہ ہوا۔ اس نے اپنی تمام عمر میں جو کچھ کیا دل جان سے کیا۔ اگر اس کو اپنی محنتوں میں کافی نصیب ہوئی تو اس نے کبھی اپنی محنت کو مستثنیٰ نہ کیا۔ کیونکہ یہ حتیٰ الوسع بدل کو شش کرنا تھا۔

ہم کو اس بھر و سپر کام کرنا چاہیے کہ جو اچھا بیج ہم زمین پر ڈالینگے۔ وہ جو کھڑکیگے اور اس سے نیک کام پیدا ہونگے۔ جو کچھ انسان اپنے واسطے شروع کرتا ہے خدا اسے دوسروں کے واسطے ختم کرتا ہے۔ کیونکہ حقیقت ہم کچھ ختم نہیں کر سکتے یعنی دوسرے شخص اُٹھ کر ہوتے ہیں جہاں ہم اس کام کو چھوڑتے ہیں۔ اور جہاں کہ ہم اس کو تقریباً درجہ کی اہلیت تک پہنچا دیتے ہیں۔ جو ہمارے بعد آتے ہیں۔ ہم ان کے ایک نیک تدبیر میراث میں دیتے ہیں۔ اور کسی نیک تدبیر کو جو عقیدہ کے لائق ہے۔ کسی نیک کام کا جو دنیا کسی نیک کام کا ہونا اور کسی نیک کام کا عمل میں اس کے قابل ہونا۔ ایسے ناممکن التعمدیف امور ہیں جو ابداً آبادی کی خبر لاتے ہیں۔

شاید یہی کوئی ایسا شخص ہو جو خیال کی تصدیق کر سکے کہ دو دنیا میں فیصلہ ہے۔ اس کے عدم ہستی میں ہی ہے اسکی ہستی کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ دنیا اسکی زیر نظر ہے۔ اور نیکی اور بدی۔ سود مند سی اور سستی اسکی پسند پر منحصر ہے۔ مگر اپنے وسائل اور وقت سے کس طرح پیش آیا؟ کیا اس نے دنیا کو دکھا دیا کہ اسکی ہستی سے کچھ فائدہ پہنچا ہے؟ کیا اس نے اپنی زندگی کو کسی طرح بہتر بنایا؟ کیا اسکی عمر سستی اور خود غرضی۔ کاہلی اور دل برداشتگی میں بسر ہوئی؟ کیا یہ شادمانی کا متلاشی رہا؟ شادمانی سستی کے آگے پروانہ کرتی ہے۔ اور خوشی کاہلی کی دسترس سے باہر ہے۔ شادمانی اور خوشی کام اور محنت کے پھل ہیں نہ کہ لا پرواہی اور دل برداشتگی کے۔ ایک نوجوان نے جس نے سمجھا کہ اسکی زندگی دنیا میں بے سود تھی ارادہ کیا کہ علامہ طور پر اپنی جان پر کھیل جائے۔ یہ واقع مقام کیپرین ایٹاٹس ریاستہائے متحدہ (امریک) میں پیش آیا۔ اس شخص نے صرف اپنے دل غلبے کی تربیت کی تھی اور بس۔ اس کے دل میں فرض۔ نیکی یا مذہب کا مطلق خیال نہ تھا۔ اور چونکہ معتقدین تازہ اور متحرکین روح میں سے تھا۔ لہذا عاقبت کا تو دل میں خوف ہی نہ تھا۔ لہذا اس نے اشتہار دیا کہ یہ ایک لکچر دیگا اور پھر اپنے سر میں گولی مار دیگا۔ لکچر سننے اور خود کشی کا نظارہ دیکھنے کی فیس ایک ڈالر مقرر ہوئی۔ اور فیس مقرر کرنے سے یہ عرض بھی

کہ جو کچھ تمام اس طرح حاصل ہوا اس سے کچھ تو اسکی تجزیہ و تکفین کے اغراجات میں کام آئے۔ اولیٰ سے
شہر لندن کے تین مسعقدین مادہ اور سنگین روح کی تصنیفات خرید کر شہر کے کتب خانے میں
رکھی جائیں۔ چنانچہ یہ شخص جس وقت لکھو دے چکا اس نے پستول نکالا اور حسب عہدہ سر میں گولی
باری۔ افسوس اس نے کس طرح دنیاوی زندگی ختم کی! اور خون آلودہ ماتھے لیے ہوئے خدا کا دلچالہ
کے سامنے گیا۔ یہ حادثہ گشت شاعر میں ہوا۔ ✕

شاید یہ ہونا کہ حرکت نمائش کا نتیجہ تھی۔ یا شاید اس سے شہرت مد نظر تھی یعنی اسکا نام اخبارات
میں شہر ہو گا۔ ہر ایک شخص اسکی برہمچندین آفرین کرے گا۔ مگر یہ امر نامردی تھی۔ اور اس میں اور دلیری ہیں
زیریں آسان کا فتنہ یہ بالقرہ و پارسا نہائش تھی۔ ایک بار شہر لندن نے کہا تھا: لوگ طبع
نفسانیت اور حرص کو کہتے ہیں کہ سب سے بڑھ کر نفسانی جذبات ہیں۔ مگر نہیں یہ بہت ہی خفیف
ہیں۔ اور یہ لوگوں کی غلطی ہے۔ نمائش تمام جذبات کی حاکم ہے۔ یہ انسان کو بڑے بڑے ہوا واد کا مرنیکا
جوش ملاتی ہے۔ اور نہایت ہی خوفناک جرائم کی اسے تحریک کرتی ہے۔ مجھ کو صرف اس جذبہ سے
بچاؤ۔ اور باقی تمام جذبات کا تیس خوف وقوع وقوع کر دو گا۔ اور جذبات تو صرف شیر خوار بچے ہیں مگر جذبہ
صرف مستقل ہائے شکل فراموش کے پورا کرنے ہی کو واسطے ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اولاد و شہرت
اور خود غصبی سے ان ہزار ناشکل کاموں میں پڑنے کے واسطے بھی جو قریباً ہر ایک متنفس کی راہ میں
حائل ہوتے ہیں پس فرض کے پورا کرنے میں دلیری کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی بابت داری کی ران
تمام چیزوں میں سے کسی ایک میں انسان کو تنہا جانے کے واسطے جس قوت کی ضرورت ہے گو وہ بہت کم
معلوم ہو۔ لیکن ایک ایک کر کے ان کا سامنا کرنے میں اجمالی اور سطحی طریقہ فروری ہو۔ اور نہ انسان کو
اپنے جاس سے باہر کر دے حقدار انسانی مادے کی آخری حصول میں ان میں سے ایک ہے۔ *

ہر ایک نسل کو اپنا بار اٹھانا ہے۔ عجیب عجیب خطرات کا سامنا کرنا ہے۔ اور بکثرت آزمائشوں سے
پار ہونا ہے۔ ہر روز متواغوا سے دوچار ہوتے ہیں۔ خواہ یہ سستی کی ہو۔ عیاشی کی ہو یا بدی کی۔
فرض کے نیال اور دلیری کی قوت کی واسطے ان کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ خواہ کیسے ہی دنیاوی فائدے
کا خون ہو جائے جب اس طرح نیکی کی روزمرہ دت ہو جاتی ہے تو شخص جال چین ہمارے قبضہ میں
آجاتا ہے۔ اور خود بہت کچھ بس منشا کے پورا کرنے کے واسطے تیار ہو جاتے ہیں جس کے لیے
ہم دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ *

ایک داسی دلیری کہنے ہوئے سے دنیا کا سقد نقصان ہوتا ہے! ہم میں کام کرنے کی مرضی ہوتی ہے

مگر اس کے کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ دنیا کی حالت ایسی ہے اور اس قدر کام پر منحصر ہے کہ ہر ایک خیر یا
 سلوہ ہوتا ہے کہ ہر ایک شخص سے چلا کر کہہ ہی ہے کہ کچھ کرو۔ کچھ کرو۔ کرو۔ ایک بیچارہ گنوار دیندار جو
 کسی مسجد میں رہتا ہو۔ اور بدی۔ بدکاری۔ ناانصافی اور شرارت کا مقابلہ کرتا ہو۔ پیشہ دل میں بخیر خیر
 سے بڑھ کر فرض کا شریف خیال رکھتا ہے۔ بعض اشخاص خواہ وہ اٹھ کر کام کرنے کا بہانہ ہی کریں کام
 کرنا والوں کی واسطے صرف ایک قسم کی معذرت ہیں۔ یہ کہنا کہ اسے پرکھڑے کانپ رہے ہیں مگر گودنے کی دلیری
 نہیں۔ ہر روز بہت سے نئے آدمی قبر کا نقشہ بنتے ہیں۔ اور یہ وہ آدمی ہیں کہ جن میں اگر کبھی کام کے شروع
 کرنا کی دلیری ہوتی تو غالباً نیک عمل کی راہ میں بہت دور تک چلے جاتے۔

آؤ اب آکر پرفیسر ولسن اپنے طلباء کو درس دیتے وقت فرض کا اور خاکہ فرض علی کا مادہ افضل ترین
 بتلایا کرتا تھا۔ اس کے لکچروں کا سامعین کے چال چلن پر بہت ہی کچھ اثر پڑا کرتا تھا۔ اس نے اپنے
 شاگردوں کو بہادری سے جنگ حیات میں شامل ہونے کو بھیجا۔ بعینہ اس بڑھے و نامارک کے شجاع
 کی طرح کہ بڑے شریفانہ جرات کرو۔ استحکام سے ارادہ کرو۔ اور فرض کی راہ پر کبھی نہ ڈوگناؤ۔ اور یہی اس علامہ کا
 مذہب تھا۔

دن میں برق برق بہت کچھ ہے۔ اور اس کا دم دلیری کے ہونے سے ہے۔ جب لوگ پھرتے
 فریسم سے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ انڈوں پر چلو بغیر ان کو کھینے کے اوشیشے پر چلو بغیر اس کو ٹوٹنے کے
 تو دوسوا سی اور ڈوک فریسم نے جواب دیا کہ میں حضرت مسیح کے کام میں لگاؤں کہ انہوں نے کہا کہ
 یاوری دے بے ایمان نہ ہوں گا۔ تو پھر ایک مختلف اطوار کا آدمی تھا۔ میں درمزد کو جاؤنگا خواہ
 شیطان میرے مقابلے میں جمع ہو کر پہاڑ کیوں نہ بن جائیں۔ یا حضرت پوزلوس کی طرح کہ میں تیار
 ہوں۔ صرف بروٹلم کو جلنے ہی کو نہیں۔ بلکہ وہاں مرنے کو۔

سمرالنگز ٹارنر بزرگ کا قول ہے کہ میرے چال چلن میں ایک بات یہ ہے کہ مجھ میں پورا پورا غرض
 ہے۔ جو کام میں کرتا ہوں اس میں کبھی لاپرواہی نہیں کرتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر تیس کوئی کام کرنے لگوں
 تو اس میں کبھی لاپرواہی نہیں کر سکتا۔ ایک زور آور اور کمزور آدمی میں بس یہی کل فرق ہے۔ بہادر
 آدمی اکثر مارے جاتے ہیں مگر جو زبانی ہی جمع خرچ کر بوالے ہوتے ہیں وہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اور
 بزدل بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ ہمارے افعال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کیا ہیں۔ اور الفاظ سے
 صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کیا ہونا چاہتے۔ عملی زندگی کی اسی واسطے ایک ایک گھڑی ایک مسلم
 فتح ہے۔

وہ لوگ جو ہر ایک چیز کو اس کے بدترین پہلو سے دیکھتے ہیں کہتے ہیں کہ کام یا کام کی ضرورت انسان کی دشمن ہے۔ اور اسکے برعکس انشیر کسرو کا قول ہے: ”ایک ناقابل روک فہم انسان کو کام کی طرف ایجا تا ہے۔ اور کام کی معرفت کسی ناگمانی شادمانی تک یا اُمیدی خوشی تک۔ یا غرض عاید تک پہنچتا ہے۔ یہ ناقابل روک فہم خود زندگی کے فہم سے کچھ کم نہیں۔ یہ اسکی توجہ کرتا ہے اور اس کا جامع ہے۔ جو بھی یہ ہمارے دل میں تہی کا خیال جمع کرتا ہے۔ اسیدم بہستی کی تہی قیمت بھی نگاہیت آج یہاں بے لاگ مستتر ہیں۔ جو کہ ایک فاتحانہ انجام کی طرف جو رکاوٹیں ہیں۔ ان کی پائیدار کوششوں میں موجود ہیں۔ اور ان رکاوٹوں میں جو کہ اس وقت کی واسطے ہیں۔ جو پہلے خود اپنے ماتحت ہوتی ہے اور پھر زندگی کے۔ اور جو کہ خواہ انسان کی بُری مرضی کے زیر کرنے میں ہو۔ یا علم دہن کی مشکلات پر غالب آنے میں خواہ کام میں۔ غرض مختصر یہ ہے کہ یہی انسان کا سچا شفیق اور تکی رہا ہے۔ جو اسے اس کی کمزوری سے بلند کرتا ہے۔ اسکو شریف اور بے عیب بناتا ہے۔ ان خواہ سے بچاتا ہے۔ اور رنج اور ایام میں اسے اسکا بار اٹھانے کے قابل کرتا ہے۔ اور جس کے سامنے کہ حد درجہ کا غم بھی ٹھوڑی دیر کی واسطے زائل ہو جاتا ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ جب پہلے یہ تکان پر غالب آجاتا ہے تو پھر یہ اپنا جوہر دکھلا سکتا ہے۔ خود کام ہی اگر ہم اسکے تمام نتائج کو نظر انداز کر دیں تو نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی شادمانی ہے۔ ان شخصوں کی محبت میں جو ہر ایک چیز کو اس کے بدترین پہلو سے دیکھیں۔ کام کو دشمن سمجھنا شادمانی کے خیال کو ہی جانچنے میں غلطی کرتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اپنے کام کو اپنے زیر دست یا اپنے زیر خیال روئیدہ دیکھتا ہے۔ تو نہایت محفوظ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارسطو کا قول ہے: ”خواہ زمیندار ہو خواہ کاشتکار خواہ بہت تر اش ہو۔ خواہ کوئی شاعر یا مصنف۔ اور خواہ کوئی ہو کچھ مضائقہ نہیں“۔

”خلق اللہ کی خوشی محنت کی تمام تکالیف کا صلہ دیتی ہے۔ اور چونکہ باخبر محنت بیرونی رکاوٹوں کے مقابلے میں زندگی کو بیدار کرنے کی پہلی خوشی ہے۔ اسی طرح مکمل کام حد درجہ کی شادمانی ہے جو ہمیں پورے طور پر ذمہ داری کا مادہ پیدا کرتی ہے۔ اور ہمارے غلبہ کی خواہ وہ صرف فوری اور خفیف ہی کیوں نہ ہو۔ قدرت پر تقدیس کر دیتی ہے۔ اور کسی کام کی کوشش یا مرضی کا یہی پتہ انداز ہے“۔

انسان ہوشیاری کا ایک معجزہ ہے۔ کیونکہ یہ محنت کا ایک معجزہ بنا ہے۔ تو نہ اسباب پر غالب آسکتی ہے۔ کیونکہ کام کا اصول ایسا زبردست ہے کہ وہ اسباب کی مزاحمت سے باہر ہے۔ یہ راستہ صاف کر دیتا ہے۔ اور ہر ایک چیز خوش قسمتی اور نصیبی نیکی اور بدی سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ جو خوشیاں ہو کہ اس دنیا میں نصیب ہوتی ہیں۔ وہ صرف ہر کسی بڑی محنت کی واسطے جو آئینہ الہی ہوتی ہے زبردست بناتی ہیں۔

انسان کی عقل اسکے افعال میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص اپنے فعل کا فرزند ہے۔ ہر چہرہ کا قیاس نیک اعمال انسان میں گھنٹہ کی طرح بچتے ہیں۔

انسان کے ساتھ علی اور ہمدردانہ تعلق روزمرہ کے کاموں میں بہ نسبت عرض و فکر کے اس سے بڑھ کر صحت و صحت طلب کام کی تیاری ہے۔ سوئیڈن بورگسٹن ہو کچھ سخت مغلسی و ریشہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے سے واسطے دنیا سے کنارہ کشی کرنے کے بارے میں کہا ہے وہ مکمل اندیجہ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اس نے کہا ہے: ”وہ زندگی جو بہشت کی طرف بھٹاتی ہے تارک الدنیا ہونے میں نہیں بلکہ دنیا میں کام کرنے میں ہے۔ سخاوت کی زندگی جس میں ہر ایک خوشی اور کام میں مصروفی اور انصاف سے عمل کرنا شامل ہے۔ اور خدا کے احکام کی متابعت شکل نہیں۔ بلکہ صرف تنہائی کی زندگی مشکل ہے۔ اور چہاں کہ عام خیال ہے کہ اس سے بہشت سے قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس یہ اس سے دور پھینک دیتی ہے۔“

بہشت سے لوگوں کے نزدیک مذہب صرف باطنی جمع خرچ ہے۔ جہاں تک افعال و فعل ہے ہر مذہب میں جو کچھ درست ہے۔ مگر شاذ و اذیہ اپنی الفاظ انسان کو کام۔ خیال۔ اور چال چلن یا پیرہن گہری کی طرف یا نیکی اور عزائم داری کی طرف لیجاتے ہیں۔ مذہب کے بارے میں ظاہری نمائش بہت کچھ مگر جو خوشی کا محض نام کام بہت ہی کم ہے۔ مذہب کے بارے میں بہت کچھ پڑھا جاتا ہے۔ مگر سچا مذہب اگر انسانی چال چلن اور فعل میں سرشت ہونے پر مسائل کی کتابوں سے بڑھ کر معلوم ہے۔ اگر کسی شخص میں مذہب اور قوی رائے نہیں۔ جو اسے نیکی کی طرف لیجائے۔ تو وہ یا تو خواہشات نفسانی کا ایک کھلوں یا ہر جا نیکی یا اپنی زندگی بے شرمی کا بلی میں بسر کر دینگا۔

ایک سب سے بڑھ کر خطرہ جو جو انوں کو انکھیں بھاڑ کر اپنی بھیاں تک صورت اس وقت اٹھادار رہا ہے۔ وہ سستی ہے جس کی نام تربیت ہے وہ خاک بھی نہیں۔ یہ کینہ سے کینہ اضلاقی چال چلن کو نصیب ہو سکتی ہے۔ ناقدر غلامی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے شخص کو۔ اور نگر اور نخواست کینہ و مغلس کو مضبوط سست نوجوان کسی چیز کو یاد نہیں کرتا۔ کسی کی تقدیر نہیں کرتا۔ اور کسی چیز کی امید نہیں رکھتا۔ نہیں بلکہ اسکو انسان کے ل میں نیکی کی آخری فتح کی امید بھی نہیں ہوتی دنیا میں بہت سے مشر ٹوٹس ہیں جو کہتے ہیں ”یہ تو ایک ہی بات ہے۔“ یہ بالکل بے فائدہ ہے۔ سب چیزیں ایک ہی نہیں ہیں اور نہ اتنے سینکڑوں برس تک ہوئی۔ ہر ایک شخص کی زندگی سے تمام سوسائٹی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ہر ایک شخص کو خاص خاص افراد کے لئے اور خاص کام کرنے کو ہیں۔ اگر یہ انھیں نہ کرے

تو یہ خود انجام بھگتا ہے۔ اور اسکے معرفت دوسرے بھی۔ اسکی کاپی دوسروں کو لکھاتی ہے۔ اور بڑی نیش پیدا کر دیتی ہے۔ عرض کنجی زندگی صرف جو نامرگی ہے؟

نوجوانوں میں بڑائی گلہ شکوہ بہت ہے۔ جیسے اسکے کہ جن مومن کا یہ خیال دل میں لائیں اُن کو ہیکر شروع کریں۔ یہ فضول شکایتیں کرتے ہیں جن سے کچھ کام نہیں نکلتا۔ یہ نقص ڈاکٹر جینٹیک کے خیال میں آیا تھا۔ جنہوں نے اس امر پر بہت تاسف کیا تھا کہ اسقدر ہمارے نوجوان مایوسی کے مدرسین تعلیم حاصل کریں۔ کیا زندگی بیش قیمت ہے؟ بیشک نہیں۔ اگر سستی اور کاپی میں برباد کیجئے۔ بلکہ پڑھنا بھی بعض اوقات ایک مافی عیاشی سمجھا جاتا ہے۔ یہ صرف تربیت کردہ کاپی ہے۔ اور اسیدو ہیکو اسقدر شامی۔ لا پرواہ۔ نوجوان ملتے ہیں۔ جن کے دل ایک طور کی فحاشیت تیز نظری اور شہوانی روش اور مصفا ہیں۔ دوسروں کے کاموں پر طنز اور مزکی زبان دراز کرتے ہیں۔ مگر کچھ نہیں کرتے۔ یہ چال چلن کی نمونگی اور صادق الامکانی کو نظر منہ سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ دائمی آوارہ گرد ایک قابل فحسوس لاپرواہی کے بس میں ہیں۔ ان کی روح اگر اپنے ان صفات سے باخبر ہے تو ڈانٹ ڈھول ہونہی ہے۔ ہر ایک بات بغیر اس پر یقین کرنے کے انکی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ اور ایسا خیال جو دل حاصل کرتا ہے اس سے کوئی فعل سرزد نہیں ہوتا۔ نہ تو ان کا کوئی اصول ہے۔ نہ ایمان۔ مذہبی باتوں کی بجائے غفلت حکمران ہے۔ اور چونکہ اسکا مذہب نفی ہے۔ نفی سے کچھ برآمد نہیں ہوتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ نہ تو ان میں اعلیٰ زندگی کی ہوس ہے۔ نہ شرفیاء خیالات کی آرزو۔ اور نہ مخیم چال چلن کی خواہش اور پھر بھی ذہانت تو ہم میں بہت گمراہان ندارد۔ علم کمیزت۔ مگر عقل کا نام تک نہیں۔ اور تربیت یہی مگر شفقت کا نشان تک نہیں ممکن ہے کہ کسی قوم میں شستگی ہو مگر بجز اس کے اور کچھ نہ ہوگا۔ علم اور عقل کا ایک ہی چیز ہونا تو درکنار۔ اکثر ان میں مطلق کچھ تعلق ہی نہیں ہوتا۔ یہ امر مشتبہ ہے کیا فضیلت سے عقل زیادہ ہوتی ہے یا نیکی۔ فضیلت کا قول ہے۔ ”عقدہ کتابوں کو پسند کرنے سے خود ایک عقدہ کتاب بن جانا اچھا ہے“۔ انواع و اقسام کی کتابیں پڑھنے سے انسان کو خوشی حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر دل کو خوراک نہیں مل سکتی۔ ”سنٹ اسلم نے کہا ہے۔ ایک چال کی زندگی سے جو اُن چیزوں کا متلاشی ہو جو خدا کی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نسبت اس عالم کی لیاقت کے زیادہ عمل کر داتا ہے جو اُن چیزوں کا متلاشی ہو جو خود اس کی ہیں؟“

ایک اعلیٰ مرتبت ذہنیاتی نے معاصرین کا حسب ذیل موقع لکھنچتا ہے :-

”وتم چاروں طرف بجز اسکے کیا دیکھتے ہو کہ مذہب اور فاضل سے عالمگیر لاپرواہی ہو رہی ہے۔ اور

شادمانی یا نیک خواہش ہے جس سے جو چیز تم چاہو حاصل ہو سکتی ہے؟ — ہم ہر ایک چیز پر دستے ہیں۔ خواہ دیانت داری ہو خواہ عزت۔ مذہب ہو خواہ راستے۔ تربیت ہو خواہ طاقت۔ فہم ہو اور خواہ ادب۔ اور خواہ تمام نیکیوں اور صداقتوں کی تباہی اور بربادی ہو۔ تمام منطقی مسائل۔ تمام ناخدا لڑائی کے اصول حل ہو گئے ہیں۔ اور سوکھ بھڑلا پرواہی کے مضابط میں غائب ہو گئے ہیں۔ یعنی فہم کی اس اصلی قبر میں دفن ہو گئے ہیں جس میں ہر ایک چیز تنہا۔ برہنہ۔ اور کیساں صداقت اور غلطی سے محروم ہو کر جاتی ہے۔ اور یہ قلابیسی ہے جو خالی ہے اور جس میں انسان کو ہڈیاں تک بھی دستياب نہیں ہو سکتیں۔

بہر حال ہمارا علاج تربیت ہے۔ بہت سے لوگ تربیت کی پرستش کرتے ہیں۔ اور یہی صرفان کا مذہب ہے۔ یہ ذہنی ترک دنیا اور کھ کھ کی ہے جس پر شہرستی کی قلعی پھری ہوئی ہے۔ جو لوگ اس کے متعلق میں وہ بزرگی کے نہایت ہی غریب طور میں رہتے ہیں۔ اور کوئی چیز یا قد بل نہاد صفت نہیں ہے۔ ان کا مسئلہ ہے۔ یہ پرانی وضع کی محنت کی نیکیوں۔ ایثار۔ قوت اور خود مددی پر مبنی اٹھاتے ہیں۔ ان کا مذہب ایک نرمی افسردہ نمی ہے جس میں ذنوبیاں کوئی چیز قابل تعریف ہے۔ نہ قابل عقیدہ۔ یہ ہر ایک چیز سے منکس ہیں۔ خود تو کچھ کام نہیں کرتے۔ البتہ دوسروں کے کاموں سے منکر ہیں۔ ان کو بجز اپنے کسی چیز کا یقین نہیں۔ اور مخفی رہے کہ یہ خود اپنے اپنے چھوٹے موکل ہیں۔

تربیت کا موجد و اصل گوشتہ تھا۔ مگر گوشتہ کے اشارے سے کوئی کام شکر کے برابر نہیں لکھتا کیونکہ گوشتہ کی تصانیف طفلانہ ہیں۔ یہ وہ شخص تھا جو عورتوں کی محبت کا دلدادہ تھا۔ اور یہ وہ عورتیں تھیں جن کو اس نے اپنی طاقت و فہمی سے ٹھوکیا ہوا تھا۔ حال میں ان کا مورخ لکھتا ہے: جب اسکا جناح کسی عورت کے خیال سے خالی ہوتا تھا تو یہ اس جناح کی طرح ہوتا تھا جس کے پاس عمل جراحی کے واسطے کوئی معمول تھا۔ یہ بالترک کے بارے میں کہتا ہے کہ اسکا ہر ایک عمدہ سے عمدہ افسانہ کسی مصیبت زدہ عورت کا دل پرش پاش کر دیتا معلوم ہوتا تھا۔ اور اسکا عوض بالترک بھی دے سکتا تھا۔ اپنے ایام طفولیت کی تواریخ خواص الاشیاء کے شوق کے بارے میں گوشتہ کہتا ہے: مجھ کو یاد ہے کہ جب میں بچہ تھا تو بھیلوں کو توڑ کر ان کی پنکھڑیاں کرتا تھا کہ دیکھوں کس طرح یہ شاخ میں جڑی میں اور اسی طرح چڑیوں کے پر اکھاڑتا تھا کہ کس طرح یہ بازوؤں میں لگے ہیں۔ بیٹھیاں لارڈ ماؤنٹین سے بیان کیا کہ یہ عورتوں سے بھی بہت کچھ اسی طور پر پیش آتا تھا۔ اسکا تمام عشق خواہ شریعہ یا کینز۔ اسی قسم کے شہادے پر مبنی تھا۔ اسکی محبت کی طاقت عجیب تھی۔ اور اگر بلحاظ ہنر کے اسکو نہایت ہی

تھوڑا سا ہر کرنے کی ضرورت پڑتی۔ تو یہ جذبہ کو بلا کسی تاسف یا وسوسہ کے نہایت ہی عمیق کر دیتا۔
جیسے کہ اس مکتور نے جس نے حضرت مسیح کی تصویر بنائے وقت جسمانی تکلیف کی علامت کو ظاہر
کرنے کے واسطے اپنے پہلو میں نیز و چھو لیا تھا۔ اسی صورتوں میں باریک مشاہدات کی گنجائش کے
واسطے مقابلتہ سر دلی کی ضرورت ہے۔ اور ہم اپنے تصور میں گوئیہ کو اس بہادر کی طرح سمجھ سکتے ہیں۔
جو اس وقت کہ جب جوش اپنے پورے درجہ پر پہنچ چکا ہو۔ جس پر پختہ رکھے کھڑا ہو۔ اور بخاری حرارت
کو روکنے کی احتیاط کر رہا ہو۔ گوئیہ صاف باطنی سے بیان کرتا ہے کہ اس نے عشقِ اہلسائے کی ہر ایک
چیز کو مفصل بتا دیا۔ اور اپنی واقفیتِ انات میں جو کچھ اسے درمیش آیا ہے اس نے خوبصورتی کی شگفتہ
سے دیکھا۔ اور اسے معلوم ہوا کہ کسی گہائی آفت یا ناامیدی کے واسطے سب سے بڑھ کر قائم سکینہ
اسکے واسطے لکھا تھا۔

آہ۔ صرف ذہنی لیاقت کی فضول نخواست، ایکسی نکتی اور کسی قابلِ تحقیر ہے۔ جب دل کی دولت سے
اس کا مقنا باریک چلے۔ دماغ اور بدن کی سخت اور کثرت گنجائش کا فہم کیا ہے؟ اس کے کی مردہ ٹڈیوں
کا عرف ایک ڈھانچہ۔ اور چند خشک ہڈیاں باہم ملا کر جوڑ دی گئی ہیں۔ اگر کوئی روح نہ ہو۔ نمی یا جان۔
فہم اور صلیت۔ صداقت اور خوشی پیدا کر دے اور ایک شخص کو بیوٹن کا باجیا تول یاد ہو گا۔
یہ نامور شخص شاید جس قدر آدمی دنیا میں گزرے ہیں سب میں فاضل تھا۔ اس نے کششِ ثقل اور
روشنی کی تدبیر کا مسئلہ تحقیق کیا۔ اور اس کا مرتے وقت تول تھا۔ میں صرف وہ بچہ ہوں جو لب
سمندر سنگریزوں سے کھیل رہا ہے۔ اور جس کے سامنے صداقت کا ایک جزا پیدا کرنا پڑا ہوا ہے۔
کیا اب ہم میں کوئی فلسفی ہے جو ایسا اقرار کرے؟ کاؤنٹ ڈی مینیٹر کا قول ہے: ”دنیا میں ایسی
صداقتیں ہیں جن کو انسان صرف اپنے دل کے مادہ سے حاصل کر سکتا ہے۔ نیک آدمی اکثر تعجب بھاتا
ہے جب اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے لائق آدمی اُن باتوں کی مزاحمت کرتے ہیں جو اس کے
سامنے صاف ہیں۔ یہ لوگ کئی قسم میں قاصر ہیں۔ اور یہی اسکی وجہ ہے۔ جب ہم ہوشیار سے ہوشیار
آدمی کو دیکھتے ہیں کہ اس میں مذہب کا کچھ خیال نہیں۔ تو نہ صرف ہم اس پر غالب ہی نہیں آسکتے۔ بلکہ
ہمارے پاس وہ وسائل بھی ہیں جن سے ہم اسے اپنا مطلب سمجھا سکیں۔ پھر سرسمر پھری ڈیوپی جیسا
کہتے ہیں: ”دلیل صرف زندگی میں ایک مردہ وزن ہے۔ جو کچھ کوٹاہ کر دیتا ہے۔ اور جگہ کے اصول کے
صرف قیاس اور احتیاط کو داخل کر دیتا ہے۔“

لیکن فرض کا نہایت ہی وسیع میدان علم ادب اور کتابوں کی حدود سے باہر ہے۔ انسان بہ نسبت

ذی مخلوق کے زیادہ تر معاشرت کا آدمی ہے۔ انسانی تربیت کا عمدہ ترین حصہ تعلق معاشرت سے ملتا خود ہوتا ہے۔ اور اسی سبب سے اس میں خوش خلقی، خود عزتی، باہم ایک دوسرے کا ادب، اور دوسروں کے واسطے ایشیا پرایا جاتا ہے۔ انسان کا تجویہ علم ادب سے زیادہ ترویج سے ہے۔ زندگی ایک کتاب ہے۔ جو انسان کے مرتے دم تک مرتی ہے۔ مگر اس کے شکل صلوں کے سمجھنے کے واسطے عمل و نگاہ ہے۔ لیڈر سی ورنے کہتی ہے، ہمارے زمانہ میں خیالات تربیت اور نمشت و خواند میں ایک ناقابل حل تعلق ہے۔ اب شہخص نادان اور بیوقوف ہے جو ان دونوں کو علی کر کے مگر پچاس سال گزرے کہ کتابیں علاوہ اعانتہ پر تعلیم میں ہوش کے مستثنیٰ تھیں۔ اور نہایت ہی ہوشیار مرد و عورت اپنے خیالات کا انجیل کی مدد کے سوا شاید ہی کسی کی مدد سے اندازہ کر سکتے ہوں۔ اور نیز اعلیٰ مرتبت لوگوں میں مستورات میں کتب بینی بہت عام نہ تھی۔ چنانچہ ایک منصف مزاج فرانسیسی کہتا ہے۔ بشیر کی دادی کی شکل ہی شاید کھینچے وقت ہجا کر سکتی تھی۔ اور یہ بجز ایک کتاب کے کچھ نہ ہوتی تھی۔ مگر انجیل کی عورتوں سے بہت کچھ بڑھ کر عقائد اور لائق و فائق تھی۔

زمانہ قدیم میں فرض زندگیوں کے سامنے بطور تحریک کے پیش کیا جاتا تھا۔ اسی کی واسطہ اس کی ناکامی سے مرمتی تھی۔ اور اس کی نمایاں صورت فرض کی اور انکی تھی۔ عیسویوں کے کہنے میں، رشتہ کاروں میں خیال کے بارے میں پوچھ کر انسانی نسل کا عام درجہ سے بلند کر کے طبقہ پر پہنچا کر فرض قدیم کے سوال سے حاصل ہو سکتا ہے۔ تو یہ نمان کی حرف کو فرضی ہے۔ جب کہ کیا ہے تاسیہ کو سو مانا تھیک بار سنہ میں وہ الفرض تربیت کا سب سے عرصہ مدد کر ہے۔ فانی زندگی بچوں کی تعلیم کے واسطے خود خدا کا طریقہ ہے۔ اور گھر کی ہر کتب و مستورات پر منحصر ہے۔ مروجہ شہدہ آفندہ اور عیسویہ قبول ہے۔ فرانسیس کی امیدیں کے ماؤں پر منحصر ہے۔ اور یہی حال انگلستان کا ہے۔

مگر کس قدر افسوس اور کس قدر قلق ہے کہ انگلستان میں عورتیں شہدہ روزانہ قسم کے حقوق طلب کرنے کے واسطے شور مچاتی ہیں جو ان کی جنس کے ہی مناسب ہیں۔ اور اس جوش و خروش میں کچھ بعینہ بہتر کر لیا جی تمام اور نہایت عمدہ صفات کو بھی نازل کر دینا چاہتی ہیں۔ آہ! یہ طاقت کی طلب گاہ ہیں۔ کثافت کی؟ پولیٹیکل طاقت کی! مگر کیا عجز ہے کہ انگلستان ہی ملک ہے جو انہوں نے اپنے ہی آئینہ سے بنایا ہے اور قومی ان کی خواہشوں کی مخالفت کرتا ہے! +

انگلستان کی عورتیں طلاق، انتخاب، میراث، پرنسپل، بذریعہ چارٹرائس کی موافق اور بلاترین
ادلان کی ٹی خواہش ہے کہ ان کو بھی ایسے وہی کا حق اس سلسلہ میں حاصل ہو۔ اس مقصد کے پورا کرنے
کے واسطے مضافیہ لکھے جاتے ہیں۔ تفریق کی حالت میں۔ اور کیا کچھ نہیں کیا جاتا؟ *
گر کیا ان کو قیسین وائن سب سے اگر پاریا پانچ میں ایک مرتبہ پرنسپل کے ممبروں کے
انتخاب پر رائے دینے کا حق ان کو حاصل ہو جائے۔ تو ان کا ملک نسبت آجکل کی حالت کے بہتر
نمودہ حالت میں ہو جائے گا۔ ۹۔

کاش یہ سمجھیں کہ عورتوں کے وہ گھر والے بچوں کی ہیئت ایک ایسی برکت ہے کہ تمام کائنات
اس پر رشک کر سکتی ہے اور بگاڑ سکتی ہے۔ ۱۰۔

ایک سال کے مصنف نے مسودات کی صحافت بیان کرتے وقت کہا ہے: ”کوئی شخص قریباً
یہ دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ اگر اس طرح آجکل کی مسودات اور سی بات پر چونک پڑتی ہیں اور کسی
مذہب کے متبع انداز پر کام کی ہر وی کرنے لگتی ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ سے ان کو ایسا قرب حاصل نہیں
جیسا کہ ان کی ماؤں یا انیسویں کو تھا۔ کہ مذہب ان کے سامنے نہایت ہی ضعیف طاقت ہے اور یہ
خدا کی رزوا و انجالی۔ اور قدرت سے مکمل تہین۔ یہ اور بچہ اعتقاد سے ان کے اٹھال ہیں۔“ اور خجلی یہ
ہے کہ مصنف خود ایک عورت ہے!

فرانس اور پریشیا کے مابین جو پھیلی جنگ ہوئی۔ اس میں فرانس کے مقابل میں اہل پریشیا کی حالت
اخلاق اور دانش کی برپور شکست پر بھینچا **سٹافیل** مقرر ہوئے۔ چنانچہ یہ اپنی دورانِ پورٹ
میں لکھتے ہیں: ”شہ فوج تربیت گروں اور سوسائٹی میں تربیت ہونے پر منحصر ہے۔ پریشیا کے نوجوانوں
کو عام مشابعت بزرگوں کے ادب۔ اور سب سے بڑھکر فرض کی پابندی کی تربیت کی جاتی ہے۔ مگر
یہ تربیت فرانسیسی فوج میں کس طرح مل سکتی ہے۔ جب یہ فرانسیسی خاندانوں میں نہیں؟۔
مزید یہاں خاندانی حد سے باہر نظر ڈالو۔ مکنتوں۔ مدرسوں۔ کالجوں وغیرہ میں دیکھو۔ کیا کچھ کوشش
کی جاتی ہے کہ بچوں میں اپنے والدین کا ادب۔ فرض کا خیال۔ بزرگوں اور قانون کی مشابعت۔ اور
بڑھکر خاندانی کا اعتقاد پیدا ہو؟ اس کا جواب ہے کچھ بھی نہیں۔ بالقریباً مطلق نہیں! چنانچہ
نتیجہ یہ ہے کہ ہر سال فوج میں ایسے نوجوانوں کا دستہ بھرتی کرتے ہیں۔ جن میں بہت سے بڑے ہیٹل

اور نیک اخلاقی سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اور جو کہ اپنے بچپن سے کسی کی بھی متابعت کے عادی نہیں۔ ہر ایک چیز چھوڑ کر دیتے ہیں۔ اور ادب کسی کا بھی نہیں۔ تاہم ایسے لوگ ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ ہم جب وہ فوج میں بھرتی ہوں گے تو ان کی تربیت یافتہ اور بڑے اصول و جو انوں کو تربیت کا عادی بنالینے۔ ان لوگوں کو مطلق شہ نہیں کہ فوجی تربیت جو گھر کی تربیت کے کچھ بھی نہیں یعنی فرض کا مادہ نرنگوں کی متابعت۔ حاکموں اور فسادوں کا ادب۔ گھر میں ہی سیکھا جاتا ہے مصنوعی تربیت اگر ایک بار قائم ہو جائے تو وہ جو صورتوں کی ضروریات کے باعث تھوڑے عرصہ تک روکتی ہے۔ مگر تھوڑے عرصہ میں اس کی اصلی آزمائش کی گئی ساسی م یہ رونچہ ہو جائیگی اصل یہ ہے کہ ان الفاظ نے ہر ان مذکور کو ایک سچا پیشین گوئی ثابت کر دیا ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ یہی حال انگلستان کا ہو یعنی سلطنت جمہوری کا روز بروز پھیلنے والا سیلاب خانگی تربیت اور اخلاقی چال چلن کا ستیا ناس کرنا جاتا ہو؟ حقیقت ہم بہت شیخی باز ہیں ہم اپنی دولت اپنی طاقت۔ اپنے وسائل۔ اپنی بھری اور فوجی قوت۔ اور اپنی سماجی برتری کا گھنٹہ کرتے ہیں۔ تاہم ممکن ہے کہ چند سال ہی میں یہ سب کچھ ہم سے رخصت ہو جائے۔ اور ہم آئندہ کی طرح ایک امیر اور مقابلہ کر و قوم رہ جائیں قوم ان افراد پر بھرتی ہے جو اس میں شامل ہوتے ہیں۔ اور کوئی قوم کبھی اخلاق منہض۔ اور عزت اور انصاف کے قواعد کی پابندی سے متاثر نہیں ہو سکتی جیسا کہ اسکے لوگ فرو اور مجملہ انھی صفات سے موصوف نہ ہوں۔

لارڈ فریڈلین اپنی ایک مثال کی تقریر میں فرماتے ہیں: ”ابھی کل کا ذکر ہے کہ ایک لائق و فائق بھلے مانس نے مجھ سے کہا کہ ان کے خیال میں انگلستان ان صفات میں منتزل ہو رہا تھا۔ جن سے جنگ و امر کے دن سے تو ہی چال چلن کی طاقت اور قوت مستحکم ہوئی تھی۔ اور گویا جس نے زبان سے یہ نہ کہا تاہم ان کے لب لہجہ اور انداز سے میں سمجھ گیا کہ ان کے خیال میں اب علاج کی امید کا وقت گزر چکا تھا۔ سیلاب آ رہا تھا اور خوش نصیب وہ تھے جو اپنی زندگی بسر کر چکے تھے۔ اور اس مصیبت کے دن کو دیکھنے کے لیے پردہ دنیا پر نہ رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ممکن ہے کہ ایسی ہی مصیبت آ سکتی ہے۔ اور اگرچہ شرائط ہم تسلیم کر لیں تو یہ یقینی امر ہے کہ یہ مصیبت آ پڑیگی۔“

یہ پُر غور خبر داری کے چند الفاظ ہیں۔ کیا سیلاب دراصل آ رہا ہے جیسا کہ سو سال گزرے فرانس میں آ رہا تھا؟ مرحوم ڈاکٹر میک کیوڈ فرماتے ہیں: ”جو مل جل کر اس وقت بھی ہوئی اور جو کہ اس طرح واقعہ سے پہلے جیسی کہ ”تجدید“ (ریفارمیشن) نہایت ہی سخت ہے۔ ایک طرف تو پرانی طرز کے خیالات کا

قلعہ وقع ہو رہا ہے۔ خواہ یہ حاضرت کے متعلق ہوں یا ملک کے۔ خواہ علم کے۔ خواہ منطق کے
 یا غیب کے۔ پُراٹے قلعوں پر جو لوگ فوج کشی کر رہے ہیں۔ ان کے احمقانہ دھوکے اور طاقت
 کے قیاس کے برعکس بہت سے لوگوں میں صداقت اور فرض کا سب سے اعلیٰ اور افضل
 خیال ہے۔ اور وہ خیال ایسا ہے کہ اگر اسکو راستی سے دیکھا جائے تو اس سے خدا تعالیٰ پر اعتقاد
 ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ خدا ہے جو ہمیشہ حق کا طرفدار ہے۔ اور کٹا لٹکی پھونچو
 تو یہاں تو آئندہ یعنی عاقبت کا کلیسیا ہی نہیں ہے۔ افسوس کہ ہم بڑے بڑے دنیاوی اعمال
 سے غفلت کر رہے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی اور کوئی نظارہ ہیچ اور دلخاش ہو سکتا ہے کہ ہم
 مردوں اور زینہ عورتوں کو دیکھیں کہ اپنی زندگی اس طرح بسر کرتے ہیں کہ ان بڑے بڑے اصولوں پر
 ہاتھیں چھانٹتے ہیں۔ اور لاف زنی کرتے ہیں۔ جن پر ہر عمل ان کے باوجود انکا اعتقاد تھا۔
 اور جن پر اعتقاد کرنے سے انھوں نے اپنی نسل کے واسطے ایمان نیکی۔ اور نیکیوکاری کی نعمتیں
 حاصل کر لیں؟ دو خیال ہیں جو اگر ذہن نشین ہو جائیں تو ہمارے تمام زائد حیات کو تغیر کر دیتے ہیں۔
 اول تو یہ کہ دنیا بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ زندگی کی لانا تھا حالت کی پہلی ہے۔ اور دوم اُس ذات
 باری کا خیال جس کے واسطے ہم یہاں زندہ ہیں اور عاقبت میں اس کے بعد زندہ رہیں گے نیکی
 یا بدی کی تقلید ہم میں سے ہر ایک کی پسند پر منحصر ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں خیالوں میں
 کوئی بابر دست ہے؟ یہ ہم پر۔ ہماری سیدھا سیر میز پر۔ اور ہماری روش پر ہی منحصر ہے۔ ہر
 اپنے مختلف فرائض کی ادائیگی میں تعلیموں اور عمول کا سامنا ہو سکتا ہے۔ مگر ان کا ہر مقابلہ کرنا ہوگا
 کیونکہ یہ مرضی بآبی ہے۔ نیک افعال خود ہو تو مست بخشے ہیں۔ اور دوسروں میں نیکیوکاری کی عزت
 پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ ایسے خزانے ثابت ہوتے ہیں جو نیکیوکاری کی ضرورت کے واسطے محفوظ ہیں۔
 لہذا ہر کوئی چاہیے کہ اپنے دل کو مضبوط کر لیں۔ کہ مشیت باندھ لیں۔ اور دوڑنے کو آمادہ ہو جائیں۔
 اور یہ دو زندگی کی دوڑ ہے +

باب سوم

دیانت داری صداقت

دنیا میں ہے وہ کون؟ بشر جس کا نام ہو + اور اس سے جلد بھی ہو مگر خوب کام ہو

یعنی یہ ہے فردِ گرفتار سے جو ہو کام + خوبی دیکھیں وہ بس لاکلام ہو

(پچاس)

زر کا چھوٹا تہ ہے آسان پچھڑا جو کسیں + ناک مار لگا ایک یہاں کہنا وہ جلی نہیں

(چار چھ ہر ہرٹ)

بشر جو ہر مت دین ہو خواہ کیسا غریب + ہے پادشاہ وہ انسان کو کیونکہ ہے وہ عجیب

(سہارن)

دیانت داری اور راست بازی باہم یکدگر اچھے ہیں دیانت داری صداقت ہے۔ اور صدا

دیانت داری۔ ممکن ہے کہ صداقت ہی تنہا کسی شخص کو اعلیٰ نہ بنائے۔ مگر یہ اعلیٰ چال چلن کی جزوِ اعظم ہے۔ اس سے اُن لوگوں کو خلافت حاصل ہوتی ہے جو اسے کام میں لاتے ہیں اور اُن لوگوں کو اعتبار جو اُس پر عملدرآمد کرتے ہیں۔ صداقت جو ہر ہے اصولِ دیانت داری اور بے لگی کا۔ اور یہ ہر ایک فرد بشر کی ابتدائی ضرورت ہے۔ ہماری تواریح کے تمام رانوں سے بڑھ کر فی زمانہ اس کا کامل صداقت کی ضرورت ہے +

دروغگوئی خواہ کیسی ہی عام ہو مگر فردِ دروغگو کے نزدیک بھی مردود ہے۔ یہ آزار کرتا ہے کہ یہ سچ بولتا ہے۔ کیونکہ یہ جانتا ہے کہ سچ کی عزت، عالمگیر ہے۔ اور جھوٹ کی نفرت۔ دروغگوئی صرف بددیانتی ہی نہیں بلکہ بزدلی بھی ہے۔ چار چھ ہر ہرٹ کا مقولہ ہے کہ نہ راستیا نیشتہ کی حریات کرو۔ اور کسی چیز میں کذب کی ضرورت نہیں ہو سکتی نہ نایب ہی مضمر دروغگو وہ ہیں جو قریب راستبانی کے کنارے پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ ان میں استقامت دلی ہے تو نہیں کہ صاف صاف بیان کر دیں۔ لیکن یہ چکر لگاتے ہیں۔ اور پھر وہ کہتے ہیں جو جھوٹ ہے۔ وہ کذب جو نیم صدق ہو سب بڑھ کر جھوٹ ہے +

زندگی میں ایک طور کی جو فردِ شعی درگم نہائی ہوتی ہے جو ایسی ہی خواب ہے جیسی کہ زبانی دروغگوئی۔ کیونکہ افعال کی آواز ایسی ہی صاف ہے جیسی افغانی کی۔ کہینہ آدمی ایک اثراری جھوٹا ہے۔ وہ اسی صداقت کو نازل کر دیتا ہے جس کے یقین کا وہ مقتدر ہوتا ہے۔ یہ دو گنی خطا ہے اسکو دیانت داری اور راستبازی درکار ہے۔ صادق الباطن جو سوچتا ہے وہ کہتا ہے۔ جو اور کرتا ہے اسے ظاہر کرتا ہے۔ جو اور کرتا ہے اس پر عمل کرتا ہے۔ اور وہ کام کرتا ہے جس کا وعدہ کرتا ہے +

مشر سچ چن کہتے ہیں کہ نہ لکھی طور پر۔ دروغگوئی کا رواج عام ہے بعض اوقات تو بے شک

اور آزادانہ طور پر پاسپر عمل کرتا ہے۔ کبھی اس کو واسطے اس کے وسیلے سے عذر خواہی مہتی ہے اور کبھی کسی کو نقصان سے بچانے کے لیے۔ لوگ بہت سے دکیوں کی فیاضی اور کشادہ دلی کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر یہ خود نیش عقرب سے کسی طرح کم نہ تھے۔ ان لوگوں کا بھی اُن ہمتے ہیں جو نہایت ہی تعجب خیز طور پر راستبازی سے منسلک تھے یعنی کسی خاص مسئلہ کے بارے میں اور تاہم نہ تو وہ خرید و فروخت کے معاملات میں صداقت کو دخل دیتے تھے۔ اور نہ اپنے ہمسایوں کی شہرت یا اپنے خانگی واقعات میں راستی کو ملحوظ رکھتے تھے؟

دنیا کی تمام دیوبوں اور دیوبوں میں سے دروغ گوئی بھی ایک نہایت ہی عام اور مروج ہے۔ یہ اس طبقہ میں پھیلی ہوئی جب کو "سوسائٹی" کہتے ہیں۔ کیونکہ جب کبھی کوئی ملاقاتی صاحب خانہ کی ملاقات کو آتا ہے تو "تھکریں نہیں ہیں" نہایت موزوں اور باسلطہ جواب دیا جاتا ہے۔ انسانی کاروبار کو جاری رکھنے کے واسطے کذاب متقدر و غروی سمجھا گیا ہے کہ اسکو نہایت ہی مقبولیت کا منہ لگایا ہے۔ اکیلا بھوٹ بولنا ممکن ہے کہ بے ضرر سمجھا جائے۔ دوبارہ خفیف اور پھر بے احتیاری میں زبان سے نکلی جائے۔ ذرا ذرا سے جھوٹ بہت عام ہیں۔ مگر خواہ جھوٹ کیسا ہی ہو یہ ہر ایک صاف باطن پاک طبیعت نہایت قریب کے نزدیک کم و بیش قابل نفرت ہے۔ رسکین کا قول ہے کہ: "جھوٹ خواہ کیسا ہی خفیف اور اتفاقی ہو۔ مگر یہ دھوئیں کی طرح انسان کے چمکدار اور شفاف دل کو داغدار کرتا ہے۔ اور اس واسطے یہ بہت ہنر ہے کہ ہمارے دل اس سے صاف نہیں اور ہم مطلق اسکو نہ چھوئیں کہ ابھی یہ دانہ کچھ بھی نہیں اور بہت جلد دور ہو جائیگا؟"

سفر کے سلطنت کا یہ اکثر متور راستہ کہ بڑے اپنے ملک کے فائدے کی خاطر غیر ملک میں جھوٹ بولنا چند دن بڑا نہیں۔ تاہم انسان کو اپنی جان سے بڑھ کر اپنی زبان کی خبر داری چاہیے۔ جب ریگولس کو کارکنین والوں نے جن کا یہ قیدی تھا روم کو سفیروں کے ساتھ صلح کی درخواست کیواسطے بھیجا۔ تو شرط یہ قرار پائی کہ اگر صلح نہ ہوئی تو یہ اپنے قید خانے میں واپس آ جائیگا۔ اس نے حلف اٹھایا اور قسم کھائی کہ یہ واپس آ جائیگا؟

جب یہ روم میں آیا تو اس نے مجلسِ واضح قوانین کو اسی بات پر آمادہ کیا کہ جنگ جاری رہے اور قیدیوں کا تبادلہ نہ کیا جائے۔ اور اس صورت میں ریگولس کو اسی قید خانہ میں جانا پڑتا تھا مجلسِ واضح قوانین اور نیز اعلیٰ پادری نے بیان کیا کہ چونکہ اس سے زبردستی حلف لیا گیا تھا۔ اسواسطے واپس جانا اس کا فرض نہ تھا۔ اسپر ریگولس نے پوچھا: "کیا تم نے مجھکو بے عزت کر دینے کی ٹھانی ہے؟ میں

انسان تو نہیں کہ موت اور تکلیف کا میں شکار بننے کو ہوں۔ مگر اس موت اور تکلیف کی کسی بدکاری کی شرم یا مجرم دل کی زخموں کے سلسلے کی حقیقت ہے؟ گو میں تم کا بچہ کا غلام ہوں۔ تاہم روشن نسل کا مادہ میرے دل میں ہے۔ میں نے وہیں جاننے کی قسم لگائی ہے۔ اور جاننا میرا فرض ہے۔ اور اب میں تم سب کو دوتاؤں کے حوالے کرتا ہوں۔ ریگلس کا بچہ کو واپس گیا۔ اور مصیبت اور تکلیف میں جاں بحق ہوا۔

افلاطون کا متواریہ کہ اگر انسان نیاس خشنال رہنا چاہتا ہے تو اسے راستبازی حاصل کرنی چاہیئے۔ اور جو اس وقت سے نہ کہ اس سے پیشتر سے اسکا سبب رخ و غم ختم ہو جائیگا۔ ہم یہاں شاہنشاہ مارکس آریلیس کی بھی کچھ عبارت لوج کرتے ہیں۔ جو نا منصفی کرتا ہے وہ بیہوشی کرتا ہے۔ کیونکہ جو قدرت نے اس حیوان ناطق کو ایک دوسرے کی خاطر پیالیا ہے۔ تاکہ یہ باہم ایک دوسرے کے حسب حاجت معاون ہوں۔ نہ کہ ایک دوسرے کو کسی طرح ضرر پہنچائیں۔ لہذا وہ شخص جو قدرت کے منشاء کو خراب کرتا ہے خدا تعالیٰ کے نزدیک بیہوشی کا مجرم ہے۔ اور نیز وہ شخص جو جھوٹ بولتا ہے اسی باری تعالیٰ کے نزدیک تمام اشیاء کی فطرت عامہ کے لحاظ سے بیہوشی کا مجرم ہے۔ اور جب قدر اشیاء میں ان کا کچھ نہ کچھ تعلق ان اشیاء سے ہے جو دنیا میں موجود ہوتی ہیں۔ آگے چلکر فطرت عامہ صداقت کہلاتی ہے۔ اور جس قدر چیزیں نیاس میں برحق ہیں ان کی ابتدائی وجہ سے بس جو شخص اراداً جھوٹ بولتا ہے وہ بیہوشی کا نگہگار ہے۔ کیونکہ وہ دھوکا دیکر نا منصفی کرتا ہے۔ اور نیز وہ جو بلا ارادہ جھوٹ بولتا ہے وہ اس فطرت عامہ کا مخالف ہے۔ اور ساتھ ہی یہ دنیا کا فطرت کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اسکی مخالفت پر آادہ ہو کر گویا جنگ شروع کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اسکا مخالف ہے یہ خود اس راستے پر قدم نزن ہے جو خلاف حق ہے۔ اور اسکو طاقت قدرت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور جسکی غفلت کے باعث وہ صدق اور کذب میں تمیز کرنے کے قابل نہیں۔ اور حقیقت وہ متنفس جو عیاشی کو عمدہ سمجھ کر اسکی پیروی کرتا ہے اور رنج کو برا سمجھ کر اس سے اتر کر نہ جاتا ہے بیہوشی کا مجرم ہے۔

راستبازی اور دیانت داری مختلف طور پر ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ بیہف۔ مستدین اور اس شخص کی علامات میں جو اپنے نفس رسائی کی خاطر تمکو دھوکا نہ دیکا۔ دیانت داری اصول صداقت کا نہایت ہی سادہ اور منکر طور ہے۔ پورے اوزان۔ ٹھیک پیمانے۔ سچے نمونے۔ پورا کام۔ اپنی فرض کی بخوبی بجا آوری۔ نیکی صلیں اشخاص کی لاریب نشانیاں ہیں۔

ہم ایک عام شیل لینے میں ٹیم قسط کے کسی وجہ سے ایک بار کھانا کھاتے وقت شکایت کی کہ جو شرب اس کے سامنے میز پر چھپی گئی تھی وہ کم تھی۔ اس نے مالک مکان کو بلا کر پوچھا: ”یہ عذابت یہ تحریر فرمائیے کہ کتنے پیسے شرب کے ماہواری آپ کے خرچ میں آتے ہیں؟“ جواب ملا کہ: ”دس جنابہن“۔ ”اور آپ کو اگر کیا وہ مل سکیں تو بھی آپ پسند کریں گے؟“ ”بے شک جناب“ اسپر قسط نے کہا کہ: ”تو میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس طرح آپ اپنا پیمانہ بھریں!“

مگر یہ معاملہ یہاں ہی تک ختم نہیں ہوتا، ہم جانوں کی کمی اور غراب اسباب کی شکایت کرتے ہیں۔ ہم ایک چنیر فروخت کرتے ہیں اور دوسری خریدتے ہیں۔ مگر ہمارے واسطے اپنا اسباب بچنا ضروری ہے۔ اور اگر منافع سے فروخت ہو تو کیا کہنا۔ اگر اس میں نقص معلوم ہو جاتا ہے تو خریدار کسی اور جگہ جلا جاتا ہے۔ مانشیرلی پہلے برسین گزریں کہ انگلستان آئے۔ اور نہایت مسرت سے انہوں نے انگریزی تجارتوں کی تجارتی خوشحالی دیکھی۔ اسپر انہوں نے کہا کہ: ”یہ لوگ دوسرے ممالک کو اشیاء روانہ کرتے وقت ان کی ٹھڈکی اور مقدار کا بھی خیال رکھتے ہیں“۔

کیا اب بھی وہ یہی کہہ سکتے تھے؟ کیا آج سے عدالتوں میں اپنے شماروں کی دھوکا دہی نہیں مٹنی۔ کہ کپڑے کو چھٹی مٹی۔ چربی۔ اور جیت سے بھر دیا؟ ہم نے یہ دیکھا ہے اور جانتے ہیں کہ کیا ہے کپڑے، کو بھونڈی ٹانگ جاتی ہے۔ بدرنگ ہو جاتا ہے۔ اور پھر ناقابل فروخت۔ پھپھونڈی ایسی چھیرے کہ غم پر پہنچنے سے چہرہ پر پیدا ہو جاتی ہے۔ چین انگریزی کپڑے کی ایک بڑی بھاری منڈی تھی یہ کپڑے پوری کا کالہ ہو جاتا تھا کہ تجارت نابود ہو گئی +

ایک چینی شیل ہے جس کا مطلب ہے کہ: ”جس برتن میں کھانے کو ملے اُس میں سوراخ نہ کرنا چاہیے“ مگر چینی بھی ہماری ہی طرح بڑے بھاری دھوکے باز ہیں۔ یہ چائے میں لوہے کے ریزے اور شرمیل پانی ڈال دیتے ہیں۔ اور اس واسطے یہ دوسروں کی دھوکہ بازی سے خبردار رہتے ہیں۔ انگریزی سفیر تعینہ چی فونگ کہتا ہے کہ: ”نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک کا بیٹا ہو اگر بڑا بنام ہو رہا ہے۔ اور امریکہ کے تجارتی بجائے دخل پار ہے ہیں۔ امریکہ کے برے گوالیس فی صدی منگے ہیں۔ انگریزی ہرمن کی حکم منڈی میں نظر پڑتے ہیں“ اب ہمارا کچھ اعتبار نہیں رہا۔ کبھی انگریزی نشان دیانت داری کی دھوکہ داری ہوتی تھی مگر اب نہیں +

برجیال ہندوستان کا ہے۔ انگریزی کپڑا جو بھی ہو یا جاتا ہو جب مٹی اور چربی نکل جاتی ہے یہ جیٹھرا رہ جاتا ہے۔ ہندوستانی رمل کی کاشت کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ بڑے ہوشیار و محنتی ہنرمند اور چالاک

میں۔ یہ اس قدر باریک دھاگا کات سکتے ہیں جس قدر انچڑ کی عورتیں۔ چنانچہ ہندوستان میں روپیہ جمع ہوتا ہے۔ کلیں بنائی جاتی ہیں۔ اور اب ہندوستانی اپنے واسطے آپ اپنا بناتے ہیں۔

جس قدر اضلاع صنعت و حرفت کے ہیں ان میں یہ عام طور پر معلوم ہے۔ عام مجلسوں میں اس کا تذکرہ ہوتا ہے۔ حجم بڑھانا۔ چربی لگانا۔ اور کپڑے کو چینی ٹی سے بھاری کرنا جو بڑھاپہ ہے۔ مسٹر میلر ممبر پارلیمنٹ نے تجاویز میں اس دھوکا دہی کی خوب مٹی اڑائی۔ ان لوگوں کے دماغ میں یہ سمایا ہوا ہے کہ طبقہ ارض کے باشندے ایک سرے سے دوسرے سرے تک باشندے ان کے آسمانی ہیں۔ مذہب ممبر پارلیمنٹ نے ایک انچڑ کا حال بیان کیا جو بھونڈ کو عبور کر رہا تھا۔ اور سر پر مل کی پٹری تھی جس وقت اس سے پوچھا گیا کہ کیا یہ انگریزی مل ہے؟ تو جواب ملا: "نہیں یہ سوئٹزرلینڈ کی ہے۔ انگریزی مل لیسار ہوتی ہے۔ اس میں گوند لگا ہوتا ہے۔ غرض یہ حال ہے جس طرح ہم تجارتی منزل کے گرد اب میں پیٹے ہوئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے جس سے گردشِ ایام بھوکا نکھیں کھلا رہی ہے۔

آمریکا کا کتلی اسباب انچڑ۔ لندن۔ اور آؤ مقامات میں اچھے خاصے مناظر فروخت ہوتا ہے۔ ہندوستانی روٹی کا مال چپن اور اسٹریلیا میں فروخت ہوتا ہے۔ حالانکہ مینی کے بنے ہوئے دھاگے نسبت انگریزی دھاگوں کے گراں فروخت ہوتے ہیں۔ فی زمانہ ہندوستانی روٹی کا مال تمام انچڑ ختے کر انگلستان کی تجارت کے برابر ہے۔ کیا یہ امر حیرت انگیز نہیں ہے؟ ہلوگوں کو صنعت و حرفت کی تعلیم دیتے ہیں مگر صنعت و حرفت کی تعلیم وہی اور دغا بازی۔ جھوٹ اور دھوکے کے مقابل میں کیا مفید ہوگی؟ کوئی عورت بیجاری ایک ریتل دھاگے کی ہول بیتی ہے جس پر نگہا ہوتا ہے اور موٹے حرفوں میں ۵۰ گز۔ مگر جب یہ اپنی عورتی اور جانفشانی سے اسے کھول کر کام میں لاتی ہے تو کل کائنات دھماگہ اگرتھکتی ہے۔ بھلا آپ یہ ہلوگوں کی صداقت کا کیا اندازہ کریں؟ +

عام لوگوں کی حالت کا تنقیر۔ اخلاق کی پستی۔ ملکی اصول کی تخریب لاکلام ہے۔ کوئی ساٹھ سال گذرے جب جیرن ڈیوپین انگلستان میں تشریف لائے تو انہوں نے یہاں کے سوداگروں کی

لے۔ خداوندی مصنف کے کلام کو پورا کرے۔ کہ ہم اپنے ملک کے بنے ہوئے کپڑے پہنیں۔ مگر شکل تو یہ ہے کہ انکس نے مادیا اور نا امانی نے دین دنیا کہیں کا بھی نہ رکھا۔ اور پھر اس فرقہ یہ کہ جو صاحبِ ثروت ہیں ان کا حال یہ ہے۔

دنات ہے امیروں کو آرام سے غرض + شادی سے دغا ہے ویاہام سے غرض

ہمت۔ ذرا متنبہ۔ اور ہوشیاری کی خوب تعریف کی۔ یہ صرف دلییری ہمت۔ ذرا متنبہ اور ہوشیاری ہی
تجارتوں اور دستکاریوں کی نہیں ہے۔ جو ان کو اپنے ملک میں فوقیت اور ترجیح دیتی ہے بلکہ بہت کچھ یہ
ان کی دانائی۔ ان کی کفایت شعاری اور سب سے بڑھ کر ان کی نیک بینی اور صدق دلی ہے۔ اگر کبھی ہزار ہا
میں یہاں کے باشندے ان نیکیوں کو خیر باد کہیں۔ تو ہر کام کا یقین رکھنا چاہیے کہ انگلستان اور
خواہ کوئی اور ملک ہو۔ باوجود اپنی خوفناک اور سخت محکوم جبری۔ باوجود اپنی سفارت کی لیاقت اور پیش بندی۔
اور باوجود اپنی ملکی حکمت عملی اور ہوشیاری کے یہ دیکھ لے گا کہ اس کے نکتے مل کی کشتیاں ہر ایک ساحل پر
دھکے کھا کر ان سمندروں کی سطح سے مفقود ہو جائیں گی۔ جن کو یہ اپنے غزروں۔ اپنے مال اور محنت اور
شقت کے ثمروں سے ڈھانپ رہی ہیں۔

اب عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ گورنمنٹ نے دستکاری اور پیداوار کی آزادی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا
کی ہوئی ہیں۔ تاہم یہ سچا ہے کہ تھوڑے اور پتھر قانونی زنجیریں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس پر شک نہیں کہ کبھی
سچ ہے۔ شکستہ شکار کو لے کے کالوں میں ستورات کی کام کرنی ممانعت اور قانوناً مزدوری کی واسطے گھنٹوں
کی تعداد کا تقدر۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تجارت اور مناعی کے بارے میں جو قوانین ہیں وہ حد سے
بڑھ گئے ہیں۔ یہ ٹیکسٹس نے کچھ عرصہ گزرا لیڈز میں بیان کیا کہ قوانین دربارہ صناعی نے ملک کی
بہت سی صنعت و حرفت کو چراغ مل کر دی ہے۔ بلکہ سے چھوٹی چھوٹی آہنی اور فولادی سلاحیں ملک میں
آئی تھیں کیونکہ ان کے اس شقت پر کام میں لائے جاسکتے تھے۔ نام چھوٹے چھوٹے اجن کیسٹیں
انگریزی تجارت کے قوت بازو تھے اب فرانس اور جرمن بننے ہیں۔ یہ ٹیکسٹس نے بیان کیا کہ ان مسائل سے
پالیٹکسٹ ملک کی چھوٹی چھوٹی مختلف دستکاریوں اور تجارتوں کا ستیاناس کر رہی تھی۔ اور پھر اسپرٹ
یہ تھا کہ ان کی بربادی کا نقصان بھی ملک کو ہی برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اسی مجلس میں ایک اور مقرر نے
بیان کیا کہ اس کے کارخانے میں اس کے ڈھلی ہوئی چیزیں بلجم سے منگوائی جاتی تھیں۔ کیونکہ بہت
انگلستان کے یہاں ان اقسام پر دستیاب ہو سکتی تھیں۔

سوداگر بیچارہ قانون سے ہی نہیں کتا بلکہ بہت کچھ ملک میں جو ہر تال ہو جاتی ہے اس سے حب تجارت
کی قدر ترقی کے زینے پر چڑھتی معلوم ہوتی ہے تو لوگ کام کر دیتے ہیں اور فردوسی زیادہ مانگتے ہیں۔
کارخانے بند ہو جاتے ہیں۔ آہنی بھٹیاں سرد ہو جاتی ہیں۔ کاروبار ختم ہو جاتا ہے۔ اور غرض ہر ایک چیز
گویا ساکن ہو جاتی ہے۔ ہمارے وسائل اور مفید مطلب موقع ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور پھر پریشی ہمارے
غفلت اور لاپرواہی پر چڑھائی کرتے ہیں۔ یہ بدقسمتی ہے کچھ بڑھ کر ہے۔ یہ تباہی ہے کہ مزدور اور لوگ اپنا

جانی دشمن تصور کریں +

مزدور کام کیا کرتے ہیں؟ ایک زمانہ تھا کہ انسان لے جان سے کام کرتے تھے جب یہ اپنے کام کی
 عمدگی پر نازاں ہوتے تھے۔ مگر اب کیا حال ہے؟ کام ہوتا ہے جیسے بیکار۔ بلا منہر۔ بلا خیال اور کاشت
 اور آب اسکا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ سڑنگیں ٹھچھ جاتی ہیں۔ پل ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور مکان خاک بسر ہو جاتے
 ہیں۔ عمارتیں ادھوری چھوڑ دی جاتی ہیں۔ نالیاں خراب رہ جاتی ہیں۔ اور بیماری پناہ مل کر لیتی ہے
 اسے لا پرواہ۔ بے غرض مزدور اتنے کتنی جانیں لیں؟ کتنے خاندان برباد اور تباہ کر دیے؟ بس تیرا
 کام ختم ہو گیا۔ اور تجھ کو کچھ سروکار نہیں کہ کس طرح ہوا۔ تو نے نہ تو اسکو دل لگا کر کیا نہ محنت اسیچہ کہ
 غرض کام تو نے اپنا پورا کر لیا اور مزدوری تیرے ہاتھ میں آگئی۔ یہ تمام بددیانتی اور سبب نہیں ہے۔ مزدور۔ یہ
 تیرا ہی سراسر تصور نہیں ہے! تجھ کو حائل کھا گیا ہے۔ تجھ کو حلیم دی گئی ہے مگر بغیر ہمدردی کے +
 جس قدر دنیا میں بدکاری ہے۔ وہ دروغگوئی ہے۔ یہ سراسر بددیانتی ہے۔ ہم ایک کام کے ہو جائے پر
 مزدوری دیتے ہیں۔ مگر یہ کام بھی طرح کیا گیا ہے اور بددیانتی سے۔ اسکی ظاہری نمائش تو اچھوں کو
 چکا چوندھ کر دیتی ہے۔ مگر جب اسکی قلعی کھل جاتی ہے تو وقت اچھے سے گزر جاتا ہے۔ جب تک ملک کی
 یہ حال ہے۔ یہ بالکل فضول ہے کہ ہم محنت کی تعریف کریں۔ یا اس طرح کے محنتی آدمیوں کی سوشل
 قدر دانی کے معروف بنیں۔ ہرگز محنت کی توقیر نہیں ہو سکتی جب تک کام میں صداقت کا دخل نہ ہوگا
 "توقیر بے ثباتی اور ناپائنداری میں نہیں رہتی بلکہ پائنداری اور طاقت میں۔ اگر فی زمانہ ہمارے کئے میں یہ
 ہمارے آبا و اجداد کے کاموں کی نہایت ناپائنداری اور بے ثباتی ہے حالانکہ ظاہری نمائش اور خوبصورتی
 اعلیٰ درجہ کی تو کہاں ہے اسکا وجود ہوا؟ جلد بازی۔ نا اہستگی اور متحمل بننے کی ناپاتی حرص ہے +
 اور غضب تو یہ۔ جہ کہ پائیداریا کے دشمنوں نے بھی ہماری بددیانتی کا پٹلی۔ جب پادری سمیلسن
 جوائےز جنوبی کے مشن پر سفر کر رہا تھا تو باشندوں نے ہمارا سباب خریدنے سے انکار کیا۔ اس نے
 کہا کہ: "ایک نکمرا اور خراب کپڑا جو بدن پر ڈونڈ بھی نہ ٹھہرے" نکلی نظمیں نہیں جھنپا۔ ان کو کچھ دیا
 جائے۔ خواہ ارزناں ہو یا گراں۔ اور خواہ اسکی قیمت ایک شتاگ کیوں نہ ہو مگر یہ عذر ہو۔ شتا ایک پھل کا
 چاقو جس کا دستہ خواہ کیسا خراب ہو۔ اوچھا ہے ایک شتاگ کر لے۔ یہ ایک بہت قدر کرتے ہیں۔ مگر
 خواہ ایک درجن پھل ہوں یہ اسے پھینک دیتے ہیں۔ "اور یہی ڈاکٹر لوگ مشن کو معلوم ہوا کہ
 افریقی انگریزی نا خریدنے سے انکار کرتے تھے۔ کیونکہ یہ کچا تھا +

مستطرات نے اسکی توضیح کر دی کہ یہ امر کیسا مفید اور عمدہ تھا کہ اگر ایک شخص یہ ارادہ کر لے کہ وہ

اپنے پیشہ یا کام کو تکمیل کو پہنچا دینا۔ اگر وہ نجار ہے تو کامل نجار ہوگا۔ اور اگر مدبر ہے تو ایک قیقہ بھی فرو گذاشت نہ کرے گا۔ اور یہی وسائل ہیں جن سے سچی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر اظہار کا قول تھا کہ ایسا نجار دنیا میں وہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے جس کا ہر خیال بھی نہ ہو۔

اچھا اب وجہ وود کا حال اور ہمیں سچے محنتی ہونے کا مادہ تھا۔ حالانکہ یہ اعلیٰ درجہ پر پہنچ گیا۔ مگر اسکو صبر ہوا جب تک اس نے جسے اوسع بدلہ جان اپنی کوشش صرف نہ کر لی۔ یہ خصوصاً اپنے کام کی عمدگی کا خیال رکھتا تھا۔ کہ کہاں تک یہ کام دینگا۔ اور دوسرے کس قدر اسکی قدر افزائی کریں گے۔ اور یہی اسکی قدرت اور کامیابی کا منبع تھا۔ اس نے کبھی کوئی ناکام نہ کیا۔ اگر کوئی کام اسکی نیت اور خیال کے مطابق نہ بنتا۔ تو یہ اپنی چھڑی ہاتھ میں لیتا۔ برتن توڑ کر پھینک دیتا اور یہ کہتا: ”یہ کام وجہ وود کے کارآمد نہیں!“

اسیں شک نہیں کہ یہ اپنے کام کی عمدگی سے بڑھ کر خیال کھتا۔ اسکا رنگ بھابھو اسکی شکل سٹال پر اور خوشامیروں بٹھے پر بٹھے توڑنے سے صرف خیال ہے کہ کوئی ضروری ترقی کیجائے۔ اور اصل یہ ہے کہ تواترنا کامیوں ہی سے اُس نے تکمیل کی۔ جب قدر اور اُس کے کارآمد تھے اُن میں سے قریباً ہر ایک اس نے ایجاد کیا اور اس میں یادتی کی۔ یہ اپنا وقت اس طرح بسر کرتا کہ اپنے نوکروں کے پاس بیٹھ جاتا اور اُن کو ہدایتیں کیا کرتا۔ اور جس طرح یہ کامیاب ہوا وہ اسکے کام سے ظاہر ہے۔

ایک اور مثال سچی دیانت داری اور بہت کی ایک بڑے بھاری ٹھیکہ دار ٹامسن کے لیے کے حال سے مل سکتی ہے۔ یہ شخص اُس وقت بھی جب دغا بازی اور فریبٹا لگ گیا تھا اپنے اقوال اور افعال میں سچا رہا۔ بیزنٹن کا نام محراب کا پل قریباً مکمل ہو چکا تھا کہ موسلا دھار بارش سے نمی پا کر تمام کامیابی گریڑا۔ اس حادثے سے تین ہزار پونڈ کا نقصان ہوا۔ اب ٹھیکہ دار اسکا نہ تو قانوناً جواب دہ تھا نہ عملاً۔ اس نے علی التواتر اسکی تروید کی کہ مصلحت جو متعل ہوا کسی طرح خراب نہ تھا۔ اور فریبی دکھانے سے لیکر لیا کہ اسکی تروید اسکو ذمہ داری سے بری کرتی تھی۔ مگر مسٹر بریسے کی رائے کچھ اور تھی۔ بقول اس کے اس نے ٹھیکہ لیا تھا اور اقرار کیا تھا کہ پل یہ بنا دینگا اور وہ بھی پائدار اور اس لحاظ سے کوئی قانون اس امر کا مانع نہ تھا کہ اس کے قول و فعل میں تطبیق ہو۔ چنانچہ پل دوبارہ مسٹر بریسے کے رویہ سے تعمیر ہوا۔ اور حقیقت اسکی زندگی اعلیٰ درجہ کی مثال ہے جو ہم آجکل کی نسل کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

اسیں تو کچھ شک نہیں کہ زمانہ ہلکا اچھا بھی ملا ہے۔ اور بڑا بھی۔ مگر نتیجہ ہمیشہ ایک ہی ہے۔ ہم سب کا

تو کچھ خیال ہی نہیں کرتے۔ ہم کفایت شعاری اس وقت کرتے ہیں جب ہماری اپنی عرصوں کے پورا ہونے کے واسطے ہماری گرہ میں روپیہ نہیں ہوتا۔ اور ہم تہہ سست ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے ابھی حال میں بریلز ٹور میں کہا کہ اسے کوئی پانچ چھ سال گزرے ہمارے تجارت خوب رونق پر تھی اور خیال تھا کہ تجارت سے لگے ہوئے تھے۔ لوگ اس قدر جلد و تمہد ہوتے جاتے تھے اور ہند روپیہ کاموں پر لگا رہے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اسکے واسطے کچھ انتہا ہی نہیں۔ ایچ فرور تھے وہ بھی خوشحالی اور سودگی پر متفق ہو گئے۔ اور انہوں نے کام بند کر دیا کہ مزدوری زیادہ ملے۔ چنانچہ کچھ عرصے تک جو انہوں نے کہا وہی کیا گیا۔ انہوں نے کام کو محدود کر دیا۔ اور ذیل میں کی کہ جس قدر ٹھوڑی دیر یہ کام کریں گے اور مزدوری زیادہ لینگے اس قدر متحمل ہوں گے۔ مگر اتنے میں تنزل نے آگھرا اور نہ اپنا ان کے کام بند کرنے سے کچھ ہو سکتا تھا نہ متفق ہونے سے۔ اس شخص نے ان کو تحریک کی کہ اگر یہ چاہتے تھے کہ ان کو خوشحالی نصیب ہو تو ان کو چاہیے تھا کہ دیانت داری سے ایمانداری سے کام کریں۔ اپنا فرض بجالائیں۔ اور روپیہ کی خاطر موجودہ طریق اور روادار ٹھوڑا کام کرنے کا چھوڑ دیں۔

اڈنبرا میں مزدوروں کی ایک مجلس میں ایک مقرر نے کام بند کرنے کے فوائد بیان کیے۔ کہ اگر اسے سید مسئلہ تو یہ ہے کہ حتی الوسع ٹھوڑا کام کرو۔ اور حتی الوسع زیادہ مزدوری لو۔ اب اگر اس مسئلہ پر بخوبی غور کراد ہو تو کیا ہوگا؟ محنت عالمگیر تنزل کے گرداب میں پڑ جائیگی۔ لوگ کاہل ہو جائیں گے۔ لا پرواہ اور غور سے ایک اور مقرر نے اس کے برعکس پہلو لیا۔ اس نے بیان کیا کہ:-
 ”کام بند کرنے کے واسطے متفق ہونا حد درجہ کی بد اخلاقی ہے۔ ابھی کل کا ذکر ہے کہ میں اڈنبرا میں ایک شکر پر جا رہا تھا۔ کہ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ آہستہ آہستہ اوڑبے آرام سے جا رہا ہے۔ ایک لڑکا پاس سے گزرا اور اس نے کہا: ”اچھے بڑے عرصے سے ٹھٹھٹے جاب ہے ہیں۔“ شخص نے کوئی جواب دیا۔ ”میں تو اپنا قمار کام کو جا رہا ہوں۔“ اب اس شخص کو غصے میں ضبط کیا ہوا تھا کہ قمار کھانا سے کھانا نہ ہو اور سنبیل کے شر کا لیا ہے۔ یہ تھا کہ اگر کوئی کام اتنی طرح دل جان سے کیا جائے تو وہ حامل ہونا محال ہے۔ یہ بہت اچھا ہلو محنتی آدمیوں کو ان کی یہ حالت دکھائی جائے جس میں یہ اس وقت ہیں جس قدر غیر مالک کے لوگ ہیں وہ ہمیشہ ہر طرح توقیت رکھتے ہیں۔ یہ آہستہ خود اپنے واسطے کلیں بناتے ہیں۔ انہوں نے سیکھ لیا ہے کہ کس طرح انگریزوں سے بڑھ کر جلدی کام کریں۔ یہ قہر اور تلو اور کو ایک سا کام کہتے ہیں فرانس میں مزدور دس گھنٹے فی ہفتہ کام کرتے ہیں۔ حالانکہ انگلستان میں کل ۶۶ گھنٹے۔ اور غیر حلالک کے

دستکاروں کی اجرت انگریزوں سے ۲۵ فی صدی کم ہے۔ اور پھر غولبی یہ کہ انگریزی کام ایسا عمدہ نہیں شہرت ہوتا جیسا فرانسیسی۔ اب ہم ان امور کو مد نظر رکھ کر کس طرح ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ فریبی اور جرمنی روٹی کا اسباب تولد روک ٹوک ہمارے ملک میں آجاتا ہے اور ہمارا اسباب فرانس یا جرمنی میں بیچ کر اس محصول اور وقت کے نہیں جاسکتا۔ ہم نے اس تجارتی مقناطیس کو ہاتھ سے کھو دیا جو کبھی ہمارے قبضے میں تھا۔ اور یہ بھی آسان نہیں کہ ہم پھر اسپر قابو پاسکیں۔ آئینہ تہیہ یہ ہوگا کہ ہمارا روٹی کا اسباب صرف ہمارے ہی ملک میں خرچ ہوا کرے گا۔ اور اگر کپڑا سستا اور عمدہ بنے گا تو فرانسیسی اور لیکن ان کولات مارکر ملک بدر کر دیں گے۔ اور یہی حال آؤ خیروں کا بھی ہوگا۔

مسٹر ہولی یوک کا بیان ہے کہ: چودہ سال کے تجربے کے بعد مجھے قندرائی ہے کہ کس طرح دیانت داری اور ایاداری سے کام کرنے میں فائدہ ہوتا ہے۔ میری زندگی کا دار مدار۔ چال چلن کی عمدگی۔ نیکی کی بنیاد اور تمام انسانی صفات کی بڑھاپی ہے۔ اب مجھ کو معلوم ہو گیا کہ جہاں تک مل لگا کر میں کام کروں گا۔ جہاں تک محنت اور شفقت سے میں کسی دستکاری میں غرق نہ ہوں گا۔ اور جہاں تک جانفشانی میں کسی کی خدمت میں صرف کروں گا۔ اس سے میرے دل کو تسلی ہوگی کہ میں اپنا فرض ادا کیا۔ دیانت داری پہل کیا اور اپنی حالت کو درست کیا۔ اور اس بارے میں جس قدر مادے مجھ میں ہیں سب پر ترجیح دیتا ہوں۔ میں اب اپنے آقا کا دوست بنوں گا۔ اسکی شہرت میری شہرت ہوگی اور اسکا نام میرا نام ہوگا۔ اسکو اپنی ٹان تک فکر ہوگی اور منافع ہوگا جہاں تک اسکا حق ہے اور مجھ کو فرصت ہوگی اور ایک گونہ اطمینان ہوگا کہ اپنا وقت مطالعہ اور تہنیتی میں نہ کروں گا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس قوم میں سب سے بڑھ کر وسائل موجود ہیں ہم ہیں وہ آدمی موجود ہیں جو کام کرنے پر راضی ہیں اور جو کام کرنے کے قابل ہیں۔ مگر ہکو ضرورت ہے عمدہ کام کی۔ نہ کہ اس کام کی جس کا نتیجہ ناس مارا ہوا ہو۔ ہکو ضرورت ہے کہ اچھا کام ہو خواہ مزدوروں کو کتنا ہی وقت اُن کی مرضی سے دیا جائے۔ یہ بددیانتی اور ریاکاری کی محنت ہے جو انگلستان کو تمام دنیا کے پردے پر بدنام اور بے اعتبار کر رہی ہے۔ مسٹر ہولی یوک کا بیان ہے کہ: کام میں خوشی بہت کم ہے کیونکہ اس میں ناز کو بہت کم ہمار ہے۔ ایسی تدبیر ہونا چاہیے کہ لوگوں کو اسطے یا ممکن ہو جائے کہ ان کو ایسے آدمی ملیں جو بھلا کام کریں۔ خراب کام کرنا محنت کی توقیر کے مقابلہ میں جرم ہے۔ اور خریدار کی نظر میں جو سازی ہو سکتی ہے اس سے زیادہ صفائی سے دستکاری میں دقت کی حالت ظاہر نہیں ہو سکتی جیسے کہ اسیر کے تمام کاموں کی تخریب اور بھد سے پن کو گوارا کر لیں مزدوروں کے زیادہ اجرت کے مقابلے میں۔

اور اس شخص کی کچھ پرواہ نہ کریں جو خواہ زیادہ دام لے مگر کام دیانت داری اور جانفشانی سے
عہدہ کرے یا کاش یہ دنیا انگلستان میں پھیلی رہی تو تمام دنیا میں ایک تپج بھی ایسا نہ ملے گا جو
انگلستان کا تپج اتنی ملک کے لحاظ سے نام نہان پر لائے۔

یہی صد امریکہ سے ہمارے کان میں آ رہی ہے۔ اس شکل کا مصداق کہ: "ہر پائے سوری کے
مغرب میں کوئی خدا نہیں" ہر جگہ بن رہی ہے "زر علیہ السلام ہی خدائیں اور انھیں کی پرستش
عالمگیر ہے۔ ایک اخبار لکھتا ہے کہ "امریکن روپیہ کے عاشق اور اسکے کمانوالے ہیں۔ ان پر
نہ تو کوئی ملکہ حاکم ہے نہ کوئی بادشاہ۔ بس یہ زر کے زیر حکم ہیں۔ دولت کی چپک تمام خیالات کی طرف
سے ان کو نابینا کر رہی ہے۔ اور تجارت میں دھوکا دہی تو عام قاعدہ ہے۔ اور یہاں تک کہ
ہم سستی چیزوں سے اپنی دواؤں کو زہر سمیٹا دیتے ہیں۔ ہم ان کی بجائے پرنے اونی
کپڑے بیچتے ہیں اور چیزیں ایسی کرطاسری نمائش بہت کچھ اور لذت سے کھوکھلی۔ ہم باہم ایک دوسرے
کو دھوکا دیتے ہیں اور فریب بازی کرتے ہیں۔ اور ہر قسم کی تجارت اور کاروبار میں ہم روپیہ جمع
کرنے میں ایسے محو ہیں کہ اگر ہر کوئی شخص دھوکا دے تو بھائے اسکو کپڑے اور اس سے شاکل ہونیکے
ہم کہیں آؤں جا کر کسی دوسرے بندہ خدا کو اپنے فریب اور دغا کا شکار کرتے ہیں۔ ہم اپنی فوجی مائتداری
اور شرافت کا مادہ نہایت سرعت سے برباد اور تباہ کر رہے ہیں۔ ان ملکوں میں جو ایک طرح کی
غلامی اور وحشی پن میں مبتلا ہیں اور خود مختار حاکم ان پر فرمان روا ہیں۔ وہاں کے باشندے نہایت
آرام و آسائش اور ہم سے بڑھ کر عمدہ حالت میں حیات بسر کر رہے ہیں۔ ان ممالک میں کھوکھا
جرم سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر دھوکا باز پکڑا جائے تو اسے نہایت سخت سزا جھگڑتی پڑتی ہے۔
مگر یہ ملک پرنے خراٹ کم عقل ہیں اور آزادی کی ان کو خیر تک نہیں۔ نہ ان میں کوئی نمائندگی
تمول ہے۔ نہ زمانہ سازی ہے اور نہ بناؤں عالی مافی۔ ان کے دماغ میں یہ خیال کبھی بھی نہیں پیدا
ہوتا کہ جات بسر کی حق۔ آزادی اور خوشی کی پیروی (جس سے مراد ہے زر) انسان کو یہ حق
دیتی ہیں کہ یہ اپنے ہمسایہ کو فریب دے۔ اس سے دغا بازی کرے اور قانون کو بالائے طاقت
رکھ دے۔

اور کیفیت تو یہ ہے کہ امریکن کے دماغوں میں یہ سوچا سامنے لگا ہے کہ کام میں خرابی۔ اچھا
کام کرنے پر طبیعت کا مانگ نہ ہوتا۔ ایک حد تک عام سکولوں کے طریق سے جو پذیر ہوتے ہیں۔
ہر شخص کو اس قدر تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ محنت نہیں کرنا چاہتا۔ اس ملک میں تو کوئی امریکن

ذکر میں ضرور۔ اور ہم یہاں اپنے دل سے نہیں بیان کرتے۔ ایک مختصر ایک اخبار "سکرٹریز مٹھلی" میں لکھنا ہے کہ :- اہل امریکہ اپنے عام سکولوں کے طریق کو دیوتا مان رہے ہیں۔ اسکے برخلاف کچھ کہنا بغاوت ہے۔ کوئی شخص ہو اور وہ تعلیم کی پیش قدمی کے بارے میں کچھ شک ظاہر کرے اس پر دھمکا جاتی دشمن سمجھا جاتا ہے۔ مگر حکومت اس کی توفیق ہے کہ چشم بصیرت کھول کر دیکھیں کہ انسان کو زندگی کے کاروبار کی واسطے تیار کرنے میں خصوصاً اس کام کی واسطے جس کا دار مدار ہر روز صنعت پر ہے۔ پٹر کاوٹ اور نا کامی ہے۔ اور اگر ہے تو جعل سازی۔ دھوکہ دہی اور فریب ہے۔ "اس کے برعکس کانگھنے والا کہتا ہے کہ پرانا طریقہ تعلیم تو بالکل معقول ہو رہا ہے۔ لڑکے سکول میں پڑھتے ہیں اور تجارت، کیواسطے تیار نہیں ہو سکتے۔ اس واسطے بہت کچھ صنعت و حرفت کا کام بر دینا پڑتا ہے۔ تب لڑکے نے ذہن اور دماغ کی عمدہ تربیت پائی ہے اس کو کبھی یہ گوارا نہیں ہو تا کہ زندگی کے عام کاروبار میں اپنے وقت یا زور اور تھکاپ کی محنت سے روزی کمائے۔ اس کی جسمانی محنت کا ثواب بھی نہیں۔ یا تو یہ کرٹی چھوٹی ہوئی ذکر ہی لکھنے پڑھنے کی کر لیتا ہے۔ یا یہ کوشش کرتا ہے کہ چالاکانہ صنعتی سے حیات پاسری کرے۔ لائیک فیلو (شاعر) نے ایک بار ایک موضع میں اوباکا حال بیان کرتے وقت لکھا ہے :-

دیکھو لو مارخانے میں وہ گائوں کے قریب

بیٹھا ہوا لوہار۔ یہ کیسا ہے خوش نصیب

محنت سے اپنی روزی کماتا ہے نیک مرد

محنت سے جو کمائے بس انسان وہ ہے خود

آج امریکہ میں کہیں لوہار خانے کا پتہ بھی نہیں۔ جب ہمپٹن کالج کے جنرل آرم سٹرانگ شمال کھیلنے لوہار کی تلاش میں گئے تو ان کو کوئی امریکہ کا باشندہ لوہار نہ ملا۔ تمام لوہار آئرش تھے۔ اور دوسری نسل میں ہر ایک آئرش لڑکا ایسی اچھی تعلیم پائیگا کہ وہ جسمانی محنت کے نام سے کوسوں گیکھا ایک نیا رنگ۔ کسے پادری نے جس کا ایک بڑا گنبد تھا حال میں ممبر پر کھڑے ہو کر یہ بیان کیا کہ :- میں چاہتا ہوں کہ میرے خاندان میں ہر ایک لڑکا کچھ محنت کا کام سیکھے تاکہ کسی مصیبت کے وقت وہ اپنا پیٹ پال سکے۔ "امیروں اور غریبوں کو یکساں محنت کرنا سیکھنا چاہیئے۔ اور اگر ممکن ہو تو کوئی دندکاری۔ کیونکہ یہ ممکن کیا بلکہ اغلب ہے کہ کوئی امیر کبھی غریب بن جائے اور غریب امیر۔ اور یہ تعلیم کا بنی قص ہے جو نا کام ہو تا ہے انسان کو اس امر کی واسطے تیار کرنے میں کہ وہ اپنی عمر میں اپنے

اہل و عیال کی اور خود اپنی خبر گیری کر سکے۔

ہم میں بہت سے تجارت کی خرابی کے شاک ہیں۔ مگر کیا بہت کچھ خرابی ایسی ہماری ہی بدولت پیدا نہیں ہوئی؟ دفتر کے حساب کتاب میں ہمیشہ دو اور دو چار ہی نہیں ہوتے۔ کس قدر حال اکیلا اور عیال کی جاتی ہیں۔ جنہیں دوسروں سے جلدی روپیہ کمانے کی نیت پر دیانت داری عیال پر کو بار بھی نہیں ملتا۔ بجائے حلیہ و شکل سے کام کرنے کے اور دیانت داری سے روزی کمانے کے بہت سے نفوس قدسی بھیا لگی اور دفعتاً امیر ہونا چاہتے ہیں۔ زمانے کا حال تجارت کی طرح نہیں ہے بلکہ قارباز کی طرح۔ اسکی رفتار ایسی تیز ہے کہ کشتی شخص کو استعداد ٹھہر کر پوچھنے کی فرصت بھی نہیں ملتی کہ کس قدر راہ سے بہک کر شوق میں جا پڑے ہیں۔ لوگ آگے بڑھ جاتے ہیں اور دولت کی دوڑ حد حد تیز تر ہے۔ لوگوں کا ایمان بس زریں ہے۔ کسی منہمک کی اس میں غور و تامل نہیں کہ وہ یہ بتا کر ہماری مصیبتوں اور تجارتی قاربازی اور فریب دہی میں نمائش اور فضول خرچی کا عالم گیرتا ہی بد بختی میں کیا تعلق ہے۔

ایک لڑکے کا والد کہتا ہے: ”برخوردار تم آج دنیا میں قدم رکھنے لگے ہو۔ نکو لوگ دھوکا دینگے لیکن اگر کبھی ایسا موقع آئے تو دھوکا کھانے سے پہلے دوسرے کو دھوکا دیدینا۔“ ایک دوسرا شخص کہتا ہے: ”برخوردار روپیہ لگا کر کما سکتے ہو تو دیانت داری سے کماؤ اور اگر نہیں کما سکتے تو بغیر دیانت داری کے نہ سہی۔“ ایک تیسرا کہتا ہے: ”دیانت بددیانتی سے اچھی ہے۔ کیونکہ بیٹے دونوں کا تجربہ کر لیا ہے۔“ اس میں شک نہیں کہ ہم نے یہ تینوں اقوال صداقت اور دیانت کے امتحان ازلے و کھلانے کی واسطے نقل کیے ہیں۔ مگر ابھی اس میں شک ہے کہ آیا چال چلن کے اصول مکمل تجارتی زندگی میں بھی عمل رکھتے ہیں یا نہیں۔ مثلاً ایک نوجوان اپنی زندگی شروع کرتا ہے۔ یہ جاتا ہے دنیا میں آہستہ آہستہ مگر سلامتی سے۔ اور گواہ کے منافع چھوڑے ہوں مگر یہ دیانت داری سے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک رہباندار آدمی بابرکت ہوتا ہے۔ مگر وہ شخص جو مکمل پر جلدی سے پہنچنا چاہتا ہے کسی طرح بے گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ اُس کی نظر میں ہدی سے گھر کھیا ہوا ہے اور یہ مطلق نہیں سمجھتا کہ کبھی غلٹی بھی اُس پر قابو پاسکیگی۔

بڑے بڑے تجارتی شہروں میں نوجوان آدمی تجارت کی باقبال حیات بسر کی کو دیکھ کر رنگ رہ جاتے ہیں یہ لوگ بکثرت امیر سمجھے جاتے ہیں۔ ہر ایک دماغ اُن کی واسطے کھلا ہوا ہے۔ اور سوسائٹی میں اُن کی بڑی توقیر ہوتی ہے۔ یہ گہرائی صداقت کرتے ہیں عیش و عشرت کی مجلس مہیا

کرتے ہیں۔ اور قصہ مسرود کا لطف اٹھاتے ہیں۔ ان کے مکان ٹہرے ٹہرے ثانی ہزار اور ہسپارانی
مصوروں کی دستکاریوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ ان کے کوٹھے تجارتی اشیاء اور شراب اور تانہ ملنے
کی اس قسم کی اشیاء سے بھرے ہوئے ہیں۔ غرض ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایک انتہا خوش حالی کی
نایاب دکان پر بجز ہر ایک جہاز میں بیٹھے ہوئے سفر کر رہے ہیں۔

نوجوان آدمی اکثر ایسی مثالوں سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ اگر ان میں تہمت اور ثابت قدمی نہیں
ہے تو یہ بھی ان کے قدم بقدم ہو جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اول اول یہ اگر کسی کاروبار میں روپیہ لگائیں
تو ممکن ہے کہ اس میں منافع بہت کچھ ہو۔ اور کر رہو۔ اور پھر یہ دولت کی روشنی میں مجبوراً قبول کی جس کا
شکار بن جائیں۔ اب نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بد دیانت اور بے وسواس ہو جاتے ہیں۔ تمام زمانے سے یہ قرض
لیکر روپیہ لگاتے ہیں۔ اور اپنا اعتبار جانے بھولنے لگتے ہیں۔ دل کھول کر اپنے مکان وغیرہ کی ظاہری نمائش کرتے
ہیں۔ اور خیرات میں بھی کسی طرح دست کشی نہیں کرتے۔ اگلے زمانے میں جس میں اور نا انصاف لوگ دوسروں کا
مال منہ بھر زبردستی غصب کر لیا کرتے تھے۔ اور آج کل یہ لوگ جبل سازی اور دھوکے بازی سے دیوالیہ بن چکے
اس قدر عدسے پر عمل کرتے ہیں۔ زمانہ سابق میں یہ کام علانیہ کیے جاتے تھے۔ فی زمانہ انھیں بطور ہر ایک کام
اس قسم کا کیا جاتا ہے۔ اور یہاں تک کہ انجام کار ایسا حادثہ پیش آتا ہے کہ سب قلعی کھل جاتی ہے۔ انسان نام کام
ہوتا ہے۔ تمسک اور متاویزیں بیکار پڑتی رہتی ہیں۔ تصویریں اور تمام سامان زیبائش نیلا ہوتا ہے۔ اور
بالآخر ”یکے نقصان“ یہ دیگر شامت ہمسایہ ”کا مصلوق“ بننا پڑتا ہے۔

ایک بار ایک دیوار نے ۳۹۰۰۰ پونڈ کا دیوالہ نکالا اور پھر تڑپنے اور تھکے خواجہات کا بہانہ کر کے
قرض خواہوں کی ایک مجلس میں ایک تقریر سے بیان کیا کہ میں اس کارخانہ کی قیمت کی تصدیق کر چکا ہوں
کہ چار پانچ سال سے یہ سوداگر کثرت مال و اسباب خریدتا رہا ہے۔ اور اس قدر پورا ہی سے اندھا دھند روپیہ
لگا کر پناہ خدا! مشرقی ممالک میں صرف اپنے منافع کے لحاظ سے یہ کوشش کی کہ چیزوں کا بھاد بڑھ جائے
اور ان امور کو دیکھ کر مجھ کو ایک ہش پکا قول یاد آتا ہے کہ ہمیں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو معبد صرف
بہشت میں محل بننے کا بہانہ کر کے تعمیر کرتے ہیں مگر دراصل اس ٹیٹی کی ٹٹیں وہ ہنگام خدا کا شکار کرنا
چاہتے ہیں۔

مشکر کا قول ہے کہ ”یہ بہت قابل تعریف ہے کہ کروڑوں شخصوں کو ہکا بکا کر دیا جائے۔ مگر یہ حد سے
ہرے کہ ایک کوڑی بھی چڑی جائے۔ اور اس طور پر جس قدر جرم زیادہ ہوتا ہے گناہ کم ہوتا جاتا ہے۔ مگر
اہم کروڑوں شخصوں کو ہکا بکا کر دینا زمانہ حال کے لحاظ سے کچھ عجیب نہیں سمجھا گیا ہے۔ جو روپیہ بنک میں

تجربہ سے کہ ایک تریل کے حصے خرید کر کھو اسٹے کی گئی یا کسی اور دروازوں آبادی میں زمین خریدنے
 کھو اسٹے اور بجائے منافع کے ناکامی نصیب ہوئی۔ آپ بیک ٹوٹ گیا۔ مختل سے دنیا علی کیا اور ہزاروں
 خاندانوں کو لاکھوں امیدوں پر پانی بھونگیا۔ اور تباہی اور بربادی کا سکہ بٹھیر گیا۔ انسان کو اسے ہونے
 ان کے جو اس حالت میں رہے اور اب خوش بچاؤ ان کی صحت اور زندگی اور زندگی کو کھو اسٹے خرابی
 میں بوجھ مانگتے اور کہتے ہیں۔

تو بیک یوں پر کر اب اپنا رحم یا رحمان	کہ ہم غریب ہیں بھرتی دم کے اب حمان
جو پاس اپنے تھا مال مستاع کھو بیٹھے	اور اب تو جان سے بھی اپنی ہاتھ دھو بیٹھے
یہ نقشے تھے سے مصوم اور یہ موجود غریب	کہ جس کا تن کوئی نوٹے ان نوٹے کے غریب
آٹھ گھنٹے کا کس طرح ان سے غریب کا یاد	اتنی کیسے ہوئے ان کے سخت ہم لاچار
رہا تو کچھ بھی نہیں باقی اپنے آہستہ باقی	اگر رہا ہے تو کس تیرا نام رہا باقی
پھر انا گھر تو بزرگوں کی وہ امانت ہے	اسے جو جیسے امانت میں ہو ضیاع ہے
جو اب صاف ہے اب ہر کوئی دانت ہے	اتنی ہموکھا غریب خالص ہے
کہ اس سے چھین بدل گور کا ہے ہموکھا	قبول ہموکھا ہے وہ خود کہہ اپنے گور کا

جو شخص کہ منور درجہ کے امیر میں مگر اور بھی امیر ہونا چاہتے ہیں وہ اس نیت پر ہر روز رکھ کر
 نسبت بہ پیشتر کے زیادہ جلد روپیہ کمالیں خوب دل کھول کر بڑی بڑی رقبہ کار و بار میں لگتے ہیں مگر
 ان کو کہلاتے ہیں کہ صرف ان لوگوں کا پاس اور نامی سیدی کی حالت میں دیوالیہ بن جانا بہت شرمناک
 اور دکھناک ہے۔ ان کو اس کے موجود ہیں۔ شہر بڑی بڑی ایک مقول چلاک اور حیا۔ جب ان دوبارہ پانچوٹ
 میں آئے ہیں۔ وہ کچھ عرصے میں اپنی حق کی شکایت کی کھو اسٹے یہ لارڈ آف شہر پڑی (وزیر عدلیہ
 اور) کیا گیا۔ اب اس کی انگوٹھ کے سامنے ایک نہ کا تھا پارہ۔ یہ تھا کہ اس میں اس کو ایسی نصیب
 ہوئی۔ اس نے اپنی۔ ام کو اور اس میں کی ریور میں رہی۔ ان کا اور بہشت اور جہنم کا ان کا تھا۔ اب
 اس نے جلی دستاویزیں اور قسب بنانے شروع کیے اور گروٹوں پر پڑوں کے اسٹام جلی بنائے۔
 مگر اس کی اس کی پڑی اور لی گریا راندنا بڑا کام ہیں۔ اس کے قسب بیکار گئے۔ اور اب تباہی میں
 ہمارے وطن سے بیکار گیا۔ آخر کار بہت رت گئے یہ اپنے منہ کے کمرے میں یا نہر کی ایک شبی
 نکالی اور اسٹام پر جا کر اسے پیا اور اپنا کام اپنے ہاتھوں کام کر لیا۔

ہائے جوانانہ کی دست پر تھم کر اور سپراری میں تھا اُسے یاد کر کے رو گئے کھڑے ہوتے ہیں !
 ضعیف آدمی ہو رہے تھے اور اپنے نقصانوں پر پیٹ رہے تھے۔ یہ وہ عورتیں خدا کی درگاہ میں سر
 بسجود تھیں کہ ”یا رب العالمین یہ بھوٹ ہو کہ ہم ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج ہو گئے“ یہ مگر یہ سچ تھا۔ صراف
 اور لارڈ آف ٹریژری کے حبيب میں ایک کوٹری بھی باقی نہ بچی تھی۔ اس نے اپنی جعل سازی اور
 دھوکا دہی سے بڑھ کر ایک آخری بیچ ایسا لکھ لیا کہ بجائے اس کے نقصان اور بد حالی کے دُور
 ہونیکے ہزاروں ہندوگان خدا تباہی اور بربادی مفلسی اور گدگاری کے درمیان چھین گئے ! ایک خرمی
 جو اس نے لکھا وہ اسکے عزائم بھائی کے نام تھا۔ اس نے لکھا کہ ”تیس کہیسی بدنامی اور گشت نامی
 پر درجہ بدرجہ پہنچا ہوں۔ اور جرم پر جرم کے انبار لگا دیے ہیں۔ ہزاروں کی بربادی اور تباہی اور مصیبت کا
 تیس بانی مبنی بنا۔“ جھکو ان مصیبت زدوں کا کیسا خیال آتا ہے جن پر اس تباہی کا پڑ جائیگا
 میں تمام زمانے کی سخت سے سخت سزا بھگت سکتا ہوں مگر تبادل کہاں سے لاؤں کہ انکی مصیبت
 اور تکلیف دیکھنا اور ارا کروں ؟ اچھا ہے کہ تیس دنیا ہی میں نہ ہوں۔“ ہائے کیسا اچھا ہوتا کہیں آئند
 سے نہ جلتا ! افسوس کیا اچھا ہوتا کہ تیس روپیہ لگانے کی اپنی پہلی خواہش کی تردید کرنا ! اُس حالت
 میں جس میں تھا اُس میں پتہ تھی تہذیب اور استیلاز اور مذاق اور قرین رو مانہوں اور زار زار دمانوں مگر
 اب گریہ و زاری سے کیا حاصل ؟ قومیں اور سلطنتیں بھی ایسی ہی بددیانت ہیں جیسے افرادی انسان
 ان کی حالت کا اندازہ انکے ۳۱ صدی قرض کے سود سے ہو سکتا ہے۔ اسپین۔ یونان اور روم
 تجارتی دنیا میں بے توقیر ہیں۔ اور اسپین کا استیلاز اسکی دولت نے کیا۔ جنوبی امریکہ میں اسپین کی
 بستیاں تھیں۔ وہاں سے جولا آتا ہوتا آتا اُس نے یہاں کے باشندوں کو بچا کر دیا۔ یہ کامل اور
 مست ہو گئے۔ اب بالکل بحال ہے ایک اسپین کا باشندہ کلام کرنے سے شرماتا ہے مگر ٹکڑے مانگنے
 سے نہیں شرماتا۔ یونان نے بہت سال گذرے کہ اپنے قرض کے ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ روم طرح
 اب کسی کی ایک کوٹری بھی اسکے ذمے نہیں۔ مگر ان ملک میں حقد و محنت اور شقت کے کام نہیں سب
 غیر مالک کے باشندے پر دینی کرتے ہیں :

ہکونڈیٹیلینا اور روم کی جنوبی ریاستوں سے بہت کچھ توقع تھی جنہوں نے بہت غرصہ گزار کر اپنا
 قرض ایک ایک کوٹری ادا کرنے سے انحراف کر لیا۔ یہ بڑی زرخیز ریاستیں ہیں۔ اور جو روپیہ انہوں نے
 باہر سے عوام الناس کے فائدے کی واسطے سر کس کھولنے اور بڑی کھولنے کیواسطے قرض لیا اس سے
 یہ اور بھی متمول بن گئیں۔ پادری سڈنی سمٹھ نے اپنا روپیہ قرض دیا اور وہ روپیہ جو بچا رہے نے

”تمام عمر کی کفایت شمار سی سے مصیبت اور شکل میں چھٹک اور گوشہ نشینی اختیار کر کے کہا تھا اب اس کے نقصان کا حال سنئے۔ اس نے ٹائوس آف کانگریس راجس شوری امریکی کواپٹیکائیت لکھ کر بھیجی جسکو بعد میں اس نے شائع کر دیا۔ اس نے لکھا کہ: ”اہل امریکہ نے جو یہ فوکر تے ہیں کہ جسے پرانی دنیا کی علمی عمارتوں میں ترقی کی ہے کم از کم اسکے جرائم میں درجہ برادرت حاصل کر لیا ہے۔ ایک عظیم الشان قوم جب تمام دنیاوی ظلم کے پیروں کے نیچے کچل چکی۔ تو ایک ایسی جل ساری کے جرم کی تہ تک ہوئی جس نے شاید کسی بھی یورپ کی بدترین قوم کے کسی بدترین بادشاہ کو بدنام اور بے عزت کیا ہو“ مگر ریاست آئیوٹس نے گویہ غریب تھی مگر ترقی یافتہ کام کیا۔ اس نے مفید خلافت کا دبا سکی ترقی کیوٹا فلیڈیفیا کی طرح روپیہ قرض لیا تھا۔ جو قوت ابر ریاست فلیڈیفیا نے اپنے قرض سے انکار کرنے کی سطور کی مثال پیش کی تو بہت سی غریب ریاستوں نے اسکی تقلید کرنے کی خواہش کی۔ چوکی ہر ایک شخص کو قرض (پرچہ رسے) کے دینے کا حق حاصل تھا۔ لہذا گریہ بددیانت ہونے تو اس طرح اپنے قرض سے منکر ہو جاتے۔ سپرٹینڈنٹ ڈائریاست میں ایک مجلس جمع ہوئی اور انکار قرض کا مسئلہ پیش ہوا یہ منظور ہونے ہی لگا تھا کہ ایک تین تین شخص نے کھڑے ہو کر اسکی تردید کی شیفٹن ایسے ڈاؤنگاس (خدا کرے اس کا نام صفحہ ہستی پر چمکتا رہے!) ایک ہول میں تبرض پر پڑا تھا کہ اس نے مجلس میں پہنچنے کی خواہش ظاہر کی یہ سواری میں مجلس میں پہنچا گیا۔ کیونکہ یہ اسقدر خف ہو رہا تھا اور بیمار تھا کہ اپنے پیروں چل بھی نہ سکتا تھا۔ اپنی سواری پر لیٹے لیٹے اس نے ذیل کی تجویز لکھ کر پیش کی جو قرض سے منکر ہونیکا نعم البدل تھی۔ ”یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ الیناؤس سندن ریگی خواہ ایک کوڑی بھی ادا کرے“

اس دیانت بھری تجویز نے حاضرین میں سے ہر ایک کے خیال دیانت داری کو جنبش دی اور نہایت سرگرمی اور جوش و خروش سے یہ منظور ہو گئی۔ نہر کا محصول فی الفور بڑھا دیا گیا۔ لوگ چاروں طرف سے آکر آباد ہوئے اور روپیہ برسے لگا۔ اور انجام یہ ہوا کہ الیناؤس فی زمانہ امریکہ کی نہایت باقبال اور خوشحال ریاست ہے۔ اس میں میل کی شکر تمام ریاستوں سے بڑھ کر ہے۔ اسکے بڑے بڑے وسیع جنگل سبز لہرتے ہوئے عذ کے کھیت ہیں۔ اور ارد گرد دان کے ہزاروں اور لاکھوں لوگ آرام سے خوشی اور سرت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور یہ کام ہے جو دیانت داری سے سر انجام ہوتا ہے +

اصل اور سچ یہ ہے کہ ہم خود غرض پرے درجہ کے ہو گئے ہیں۔ ہم دوسروں سے بڑھ کر بہت کچھ اپنا خیال کرتے ہیں جس قدر زیادہ ہم عیش و عشرت کے بندے بنتے ہیں اسقدر ہم اپنے جہنم سے نبی آدم بھائیوں سے غافل ہو جاتے ہیں۔ خود غرض ان خاص دوسروں کی ضروریات کی طرف سے بالکل بے خبر اور لاپرواہ ہیں۔

یہ ایک طوکِ فولادی زرہ پہنے ہوئے ہیں۔ اور کوئی ہتھیار عوارہ مصیبت کا منویا احتیاج کا ہوا ہتھیار
نہیں کر سکتا۔ ان کے حواسِ انھیں کیواسطے درست ہیں جو انکی حرص کی شکم سیری کر سکتے ہیں سیٹ
کر لیا سٹم کا قول ہے کہ دنیا میں ایسے لوگ ہیں جو بظاہر معلوم ہوتے ہیں کہ یہاں صرف عیش و عشرت کی خاطر
آئے ہیں۔ اور اس واسطے کہ اس بدن کو مونا تازہ بنا سکیں۔ ان کے پُر تکلف اور پُر عیش و سرخوان سے
فرشتے کنارہ کرتے ہیں۔ خدا ناراض ہوتا ہے شیطان خوش ہوتا ہے۔ نیک بخت دھل جاتے ہیں۔ اور
یہاں تک کہ بعض عوام الناس بھی نہیں اڑاتے ہیں اور نگاہِ سحر اور جھارت سے اُسے دیکھتے ہیں۔ وہ
منصف مزاج شخص جو اگلے زمانے میں گذر گئے۔ ظالموں کی واسطے بڑی بڑی لطیف اور پُر تکلف غذا
چھوڑ گئے۔ اور ظالموں کے ہی واسطے نہیں بلکہ ان لوگوں کی واسطے بھی جو دولت جرم سے مالا مال ہیں اور
تمام دنیاوی بدیوں اور عیوب کا خزانہ ہیں۔

آج ہم بالکل نہیں معلوم کر تھوڑے پرکس طرح گزارہ کرتے ہیں۔ بس انسان کو عیش و عشرت ضرور چاہیے۔
اور پھر بھی کسی انسان کی زندگی میں جو چیز اس کے تصرف میں ہوں ان کی کثرت کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ
اسے خواہ نفس اور غریب ہی کیوں نہ دیانت سے رہنا چاہیے۔ ناکاری کی تخفیف۔ اور نیز نسبتاً ضرورت
کی اجتناب۔ ایشا کی واسطے شل عام ہے۔ اور چال چلن کو ابدی طاقت بخشی ہے۔ اب ہمارے زمانے میں
جس چیز کی بہت کچھ ضرورت ہے۔ اس سے ایک شخص اس قابل ہے کہ وہ اپنی تمام مصفاہ خواہش کی
شکم گیری کر لے۔ اور پھر بھی قہر پر قانع رہے۔ لکھوڑا اترکتے ہیں کہ ایک چھوٹے سے تنگ
مکان میں بڑے وسیع دال کا ہونا جو متعدد چیزیں یہاں ہیں اور جن سے مجھ کو کبھی مس ہوئی ہے۔ ان سب
نیچا ہے۔ خوش تو وہ شخص ہے جو نیکی اور صداقت کی تخم ریزی کرتا ہے۔ اور فصل کاٹنے سے کبھی سکون کا کوئی
سامنا نہیں ہو سکتا!

ذیل میں ایک غریب جرمِ بھتان کی دیانت داری اور صداقت کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔
برنڈون ڈی سنٹ پیری ایک حال بیان کرتا ہے۔ یہ سنٹا کے موکرہ نہیں ہیں کاؤنٹ
ڈی سنٹ چمرن کے ماتحت انجینئر تھا۔ اور یہ پھلایا ہی موقوف تھا کہ اسکو جنگ کی دہشت اور خوف
کی خیر ہوئی۔ اپنی زندگی کے دن مجبوراً محصور و مضبوط اور تباہ اور برباد کھیتوں اور زمینوں پر بسر کرتا۔
مردہ خونیں اور نیچے گرد زاری کرتے ہوئے اپنی چھوٹی پٹیوں سے بھاگتے تھے۔ اور تلخ سپاہی ان
بیچارے غریبوں کی محنت کے ثمر برباد کرتے تھے اور اسے اپنی خوشی کا ایک حق سمجھتے تھے۔ مگر ان سب
ظالمانہ اور بے رحمیوں میں سنٹ پیری کے دل کو ایک گوند کرلم حاصل ہوا۔ ایک غریب اور بے گناہ شخص کے

جال صحن کے ایک اعلیٰ درجہ کی غوبی سے جسکی جھونپڑی اور کھیت اُس راستہ میں آنے کو تھے جسپر فوج دھاوا کیئے جاسکتی تھی +

فوج کے ایک دستے کے کپتان کو حکم ملا کہ گھوڑوں کی واسطے جا کر چار سے کا بندوبست کرے۔ یہ پناہ دستہ لیکر ایک چار سے غریب کی جھونپڑی پر پہنچا اور دروازے پر دستک دی۔ ایک ضعیف شخص سفید ریش باہر نکل آیا۔ کپتان نے اس سے کہا: ”مجھ کو کسی کھیت پر پہنچو جہاں فوج کے گھوڑوں کی واسطے چارہ مل سکے“ ضعیف شخص نے جواب دیا: ”ابھی لیجئے جہاں میں“ یہ اُن کے آگے بولیا اور گھاٹی کے نیچے اُترا۔ کوئی آدمہ گھنٹہ چل کر یہ ایک نہایت سرسبز اور شاداب کھیت پر پہنچے۔ سکو دیکھ کر کپتان نے کہا: ”یہ خوب کام دیکھا“ اس پر اس ضعیف سفید ریش نے کہا: ”میں نہیں جانتا۔ آپ ایک لحظہ تامل کیجئے اور آپ کے حکم کی تعمیل ہو جائیگی“ اس پر آگے بڑھے اور ایک اور کھیت پر پہنچے۔ یہاں اس ضعیف کے کہنے پر تمام سپاہی اپنے اپنے گھوڑوں سے اُتر پڑے اور گھوڑوں کے چارے سے کیواستے کھیت کاٹ کر گٹھ باندھ لیئے اور گھوڑوں پر رکھ لیئے۔ جب یہ چلنے لگے تو اس کپتان نے پوچھا: ”مشفق من۔ آپ یہ کواستہ در در کیوں لائے؟“ یہاں کھیت جو ہم نے دیکھا وہ بھی ایسا ہی عمدہ تھا“ اس پر وہ حقان نے کہا: ”مہربان من۔ آپ سچ فرماتے ہیں۔ مگر وہ کھیت میرا نہ تھا!“

باب چہارم

راشی

اول تو دنیا میں راشی ہیں۔ یہاں بکثرت بدعاش ہیں جو اپنے بدن اور روح کو زہر پانے کے واسطے بیچنے کو تیار ہیں۔ پارلیمنٹ کے ممبروں کا انتخاب رشوت ستانی اور مژدروں کے ذریعہ سے ہوتا تو اظہار من الشمس ہے۔ مگر یہ طریقہ نہیں ہے کہ ہم اس سے آزادی حاصل کریں یا اس سے بفرار کیجیں۔ جو شخص رشوت خور ہے وہ دوسرے الفاظ میں خود کو فروخت کر دیتے ہیں غلام ہیں۔ اور جو ان کے خدایت نہیں وہ بدعاشی اور بے اصول ہیں۔ آزادی کی کچھنی اگر اور دھوکے ہیں۔ ایک فقرہ نے ایک مجلس میں کہا: ”میں آزادی کی سڑ میں پرکھتا ہوں“ اس پر جامعین میں سے ایک فقرہ نہایت بوٹ سا نہ فرماتے ہیں: ”میں نہیں جانتا۔ آپ ایک بوٹ نہایت میں کھڑے ہیں جسکی قیمت اتنا کہ آپ نے مجھ کو

نہیں ہی“

عام میلان طبل ثلث کثرت رائے اور زبان خلق پر ہے کہ مع زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو! مگر شکر کا مقولہ ہے کثرت۔ اسکے کیا سنی؟ فہم بہت تھوڑے ہی اشخاص میں اکثر جمع ہو سکتا ہے۔ رائے کی قدر کرنی چاہیے نہ کہ اسے شمار کرنا چاہیے۔ اسطوری حالت وہاں کبھی نہ کبھی تباہی پھیلا دیگی جہاں کثرت تعداد کی حکومت ہے اور نادانی کا فیصلہ ہے۔

جب چرچ آف سکاٹ لینڈ میں اتفاق اور اخلاف کا مرض پھیلا تو بقول نارمن من کلپیوڈ کے یہ انسان کے بدن کی واسطے ایک عظیم آزمائش تھی کہ اسے ناراض پہلو سے بچایا جائے۔ اور جو مرض کے راہ چیمبر میرزہ حکم دے اسکی تعمیل کی جائے۔ من کلپیوڈ کا یہ حال تھا کہ قدم قدم اسپر طعہ تشیع اور تمسخر اور حقارت کی بوچھاڑ تھی۔ یہ اپنے ایک خط میں لکھتا ہے: ”میں نے کج ایک قبو کبھی جیسر دیل کی عبادت کنہ تھی: یہاں ایک متدین شخص منوں ہے ایسے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اسطور پر زندگی سبر کروں کہ یہی کتبہ میری قبر کی ملکیت ٹھہرے۔“

نادان اور لا پرواہ چارے بے اصول شخصوں کے رحم پر منحصر ہیں۔ اور نادانوں ہی کی کثرت ہے۔ جس وقت ایک فرانسیسی نیم حکیم پیرس کی عدالت میں ایک جج کے سامنے پوٹ نیوف کے مددور کرپے لایا گیا تو جج نے اس سے پوچھا: ”کیوں صاحب من! کس طرح آپ اسقدر بزدل اور لاچار شخص اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں اور اپنی کجی ادویات فروخت کر کے ان کے جیب سے روپیہ جھانڈ لیتے ہیں؟“ ”نیم حکیم نے کہا: ”ماٹی لارڈ۔ آپکے خیال میں پوٹ نیوف سے کسقدر آدمی ایک گھنٹے میں گزرتے ہیں؟“ ”جج نے کہا: ”مجھکو نہیں معلوم۔“ ”میں آپکو بتاتا ہوں کہ کوئی دس ہزار۔ اور ان میں سے کسقدر آپ کے خیال میں دانا ہوتے ہیں؟“ ”جج کوئی ایک سو۔“ ”نیم حکیم: ”یہ تو تعداد بہت ہے۔ مگر نیزہ سو شخص جو دانا ہیں وہ آپ لیجئے۔ اور باقی ۹ ہزار ۹ سو میرے خریدار ہیں! ان لوگوں کو ہر طرف سے رشوت دی جاتی ہے۔ نہ تو ان میں کچھ خود اعتمادی کا مادہ ہے نہ پاس عزت ہے۔ اور نہ جوانمردی ہے۔ کاش اگر ان میں یہ چیزیں ہوں تو یہ رشوت کو خواہ کیسی صورت میں ہولناک ماردیں۔ سرکاری ملازموں کو رشوت دی جاتی ہے کہ یہ اس اسباب کو پر فائدہ رابدار ہی دیں جو خواہ قابل استعمال ہو یا نہ ہو۔ اور ایسی وجہ سے فوج کے سپاہیوں کے بوٹ گروچ کے وقت پھٹ جاتے ہیں۔ ان کے کتے کوٹ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی خوراک برتنوں میں ستر گل جاتی ہے۔ کپتان تارسی ایک نہایت غنا کا جوا اپنے جہاز رانوں کی خوراک کا بیان کیا تھا۔ جب یہ پوچھا کہ پارسفر سپر گئے تھے۔ مگر یہ سب اسی رشوت ستانی کا نتیجہ ہے جو گریٹ بلیز میں

وہائے عالمگیر کی طرح پھیلی ہوئی ہے ۔

بہت کچھ رشوت و ستوری کے بہانہ سے لی جاتی ہے۔ کسی فئیس ایک چمکتا ہے اور پھر وہ سب ایک پہنچتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے اشخاص قلیل تنخواہ سے بھی امیر بن جاتے ہیں۔ ایک کپنی کے ملازموں نے جب بہت رشوتیں لیں تو لاچار دفتر کے دروازے پر ایک نوٹس لٹھکوں کا لٹھک لگا دیا :- ”کپنی کے ملازموں کو رشوت لینے کی ممانعت ہے۔“ نوٹس ابھرے دستور سے لیتا ہے۔ اور ناماں کا دوکاندار سے الگ بن چکا ہے ۔

اخبار ٹائمز لکھتا ہے :- ”اس دستور سے تعلقات کاروبار میں بہت کچھ زہر لایا اثر پیدا ہو جاتا ہے لیکن اگر برطانوی نوکروں کے طبقے یا بازار سے اٹھے اور کسی مافوق پرچہ اور جو تو پھر اس روز عوام الناس کے اعتماد کو اختتام کا درجہ طے لگے گا۔ یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ سرکاری خدمت عامہ میں صفائی اور نیک نیتی کا خیال رکھا جائے۔ اور کسی شخص پر بھی جو کسی عہدہ سے پرستار ہو کسی قوم کا شک عاید ہو سکے وہ دن نہایت ہی بد نصیب ہوگا جس روز عام لوگوں پر جو سرکاری ملازم ہوں بخشش یا نذر کا شہید ہوگا ۔“

ایکے جد نے ایک باریہ رائے پیش کی کہ جتنے لوگ ایک گاڑی یا کسی کام پر معین ہوں ان کی تعداد درج ہو کر لکھی جائے اور پھر اس طرح کسی تدبیر سے رشوت ستانی کا انسداد ہو سکتا ہے۔ مگر مگر ٹری اس کام کے ناقابل تھا۔ اس لئے کہا :- ہمارے واسطے لاپتال ہے۔ جس کل کی ہر ضرورت ہے یہ ہے کہ ہمارے آدمی اس سے متدین نہیں۔ اور بھوکو خوف ہے کہ یہ تمنا پوری ہوگی :- ”ہمک متدین آدمی چاہیے اس ہی حد اور طرف سے آرہی ہے۔ پولس کی عادتیں بارائوں لوگوں کی دغا بازی اور رذالت کی قلعی کھولتی ہیں جن پر لانا ہمارا درجہ کا اعتماد تھا۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اعتبار اور اعتماد سے کھینچ کر تباہی کے فاریں سرنگوں پھینک دیئے جاتے ہیں۔ یہ نتیجہ چاہیں آدمی جن کی از حد ضرورت ہے۔ چالیں ہی اکیلی ہی چیز ہے جو اعتماد کے قابل ہے۔ اور اسی سے ہم دوسروں کو متیقن کر سکتے ہیں کہ ان پر اعتبار ہو سکتا ہے ۔“

اور انگلستان کے علاوہ دوسرے ملک کا بھی یہی حال ہے۔ اور روس و مصر اور اسپین میں تو چال ہے کہ خدائی پناہ۔ روس میں عام ملازمین اور غیر بڑے بڑے معزز عہدہ داروں کی رشوت ستانی علانیہ طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور ان ملک میں تم جو چیز چاہو زور سے خرید سکتے ہو۔ بس سچ زور برسر فرواد نہی موم شود ! اور اسکا عذر یہ ہے کہ عام سرکاری ملازمین کو تنخواہ بڑی خرابی سے

دیجاتی ہے۔ ماسکو اور پٹیرسبرگ کی ریل پر بہت روپیہ خرچ ہوا۔ بڑی بڑی یقین انجینئروں (میں نے ان
 اور کارکنندوں کو دی گئیں۔ اور ڈاکٹروں اور آؤرٹھروں (منظم و مہتمم) نے خوب ان پر نقد
 صاف کیے۔ دارالسلطنت میں ایرانی سفیر کو ایک بار سیر کراتے وقت پرسنل متشکیکات بھی
 شاہنشاہ روس کے ہمراہ گئے۔ ایرانی نے سہری گنبد سنگ محل کے مینار اور جنگلاتی ہوئی دکنائیں
 اپنی حسب عادت جیسا کہ مشرقی لوگوں کا نہایت عمدہ دستور ہے معمولی نگاہ سے دیکھیں۔ آخر کار
 شاہنشاہ آگے جھکے اور کینقد آزدہ ہو کر اپنے مصاحب کے کان میں چپکے سے کہا: "کیا کوئی چیز
 بھی ہو ایسی نہیں مل سکتی جو اس شخص کو حیرت میں ڈال دے؟" پرسنل نے جواب دیا: "ہاں پناہ
 کیوں نہیں۔ اسکو ماسکو اور پٹیرسبرگ کی ریل کے اخراجات کا حساب دکھلائے" "مقرر کے شہر
 سکندر میں نقصان ایک عام بات ہے جب تک زر کی بھینٹ چڑھا کر اس سے نہ بچا جائے۔ پسین
 میں چال ہے کہ ہر ایک جہاز محکمہ جنگی کے افسروں کو رشوت دیکر لنگر اٹھائے پاتا ہے۔ اور یہاں بھی
 وہی عذر ہے جو روس میں اپنی سرکاری ملازم غیر رشوت ستانی کے گزارہ نہیں کر سکتے؟

اور طرفہ تو یہ ہے کہ جمہوری سلطنتوں میں بھی لوگ رشوت ستانی کی واسطے تیار اور رضا مند ہیں۔
 زور سے ہزاروں شکلوں کے مرحلے ہوتے ہیں۔ اس سے ہزاروں عہدے حل ہوتے ہیں۔
 امریکہ میں جو جمہوری سلطنت کا جوہر ہے۔ رشوت ستانی عام طور پر حکمران ہے کسی افسر کی سرکاری خواہ
 کافی نہیں بڑے۔ بڑے عہدے داروں کو بھی گھوڑے گاڑیاں بطور نذرانے دی جاتی ہیں اور
 یہاں تک کہ نقدی بھی۔ امریکہ کے نہایت دور اندیش اور متدین مدیران سلطنت اس عیب اور بدی
 کو دیکھتے ہیں کہ نہایت سرعت سے حکومت کی نیکی نیتی کی بچہ کنی کر رہی ہے۔ اور عوام الناس
 کی نیکی کو منتقل کر رہی جاتی ہے؟

اور تمام دنیا میں یہی حال ہے۔ کچھ ضرورت نہیں کہ سلطنت کٹھنی اپنی کی ہو۔ خواہ غرضی ہو۔ شخصہ غرضی ہو۔
 یا جمہوری۔ یہ طریق سلطنت نہیں ہے جسکی بدولت بد غرض پھیلا ہوا ہے۔ بلکہ یہ لوگ ہیں۔ اگر کئی طاقت
 کو خود غرضی سے متحمل کیا جائے تو یہ ایک ہی غرض ہے۔ اور اگر بے لاگ اور غفلت مند ہے۔ سے یہ کام میں لائی
 جائے تو یہ لوگوں کی واسطے ایک کٹ عظمیٰ ہے۔ اگر حکمران غرضی کا مرض پھیلا ہوا ہے تو وہ
 ملک جو اسکے زیر حکم ہے نہایت قابل رحم اور ناسف ہے۔ کیونکہ یہ بدی اور ہر سے نیچے کو عود کرتی ہے اور
 یہاں تک کہ غریب بطور بھی اس کا سہم بٹھیر جاتا ہے۔ اور زندگی کا دور بڑی خودی اور نفاست جاتا
 ہے۔ یہی حال اسے فراق رکھ دیا جاتا ہے۔ دیانت داری اور خوشنماںی جاتی ہے۔ ایمان مودہ ہو جاتا ہے

اور سوسائٹی بھی مرتب اور زر کا آثار چڑھاؤ بن جاتی ہے۔
مگر تاہم دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جو خواہ کوئی زمانہ اور خواہ کوئی وقت رشوت نہیں لیتے۔ غریب سے
غریب لوگوں نے بھی جن کے دل میں فرض شعلہ زن پہنچے آپ کو زر کے عوض فروخت کرنے سے انکار
کر دیا۔ جزائر غرب المند کے لوگوں میں بہادر کہو واسطے دولت کی خواہش نا لائق سمجھی جاتی ہے۔ پناہ
اکثر ایک قوم کا سر دار اپنی قوم میں سب سے بڑھ کر مفلس اور غریب ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل یونانی
اور رومیوں میں محسن و جبار ہوتے ہیں وہ غریب آدمی تھے۔ سقراط اور اپائینڈالس یونان کے
سب سے بڑھ کر غریب آدمی تھے۔ اور اسی طرح وہ جلیل کے چھوٹے تھے جو عیسائی مذہب کے
بانی سبلی سمجھے جاتے ہیں۔

آرسطو کو اسکی اس دیانت کے باعث "عادل" کہا کرتے تھے۔ اسکا عدل کا وہ بے داغ تھا
اسکا ارشاد اکلام۔ اس نے سلام میں مراقتن کی بنیاد رکھی۔ اور جنگ بندی میں فوج چمکرائی کی۔
گو سلطنت میں اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے ملے مگر ایک غریب شخص کی طرح مرا۔ کوئی چیز اسکو
نہ خریدی۔ اور کوئی چیز اس قابل ہو سکی جو فرض سے اسکو پھیر سکتی۔ کہتے ہیں کہ بانش گان آتھینس
اسکی دفیناں مثال پر غور و خوض کرنے سے بہت متقی اور بخت بن گئے۔ ایک تماشہ گاہ میں سپلیس کا
تماشہ ہوا تھا۔ اور اس میں اخلاقی نیکی کی تردید پر ایک نہر کا حکم دیا گیا۔ اس پر جبار سامعین تھے سبکی
نظر بے اختیار جاسکے اکیٹر تماشہ کرنے والا کے آرسطو کی طرف پھر گئی۔

فدیناں خورش ساکن تھینس جو کہ نہایت دور اندیش اور بہادر اور جواد و شخص تھا "نیک" کہلاتا
تھا۔ کھنڈر اعظم نے جب یونان کو تاخت و تاراج کیا تو اسکو ہلکی نمک حلائی کے باعث مطیع کرنا چاہا۔ اسنے
دولت اسکے سامنے پیش کی اور ایشیا کے شہروں کی عمدہ عمدہ منتخب اشیاء دکھلا دیں۔ اب جو بانی فیناں خورش
نے اس پر دیا۔ اس سے صاف صاف انسان کلبے داغ چال چلن ظاہر ہوتا ہے۔ اس نے کہا: "اگر
سکندر اعظم حقیقت میں قدر کرتا ہے تو وہ میری شرافت اور دیانت میرے پاس رہنے دے"۔

"تاہم پچاس تھینس فصیح خریدیا جاسکتا تھا۔ جو وقت مارپاس سکندر کا ایک سردار آتھینس میں آیا
تمام مفردوں کی نظر اسکی دولت پر لگی ہوئی تھی۔ اور دیکھا تھینس بھی ان میں سے ایک تھا۔ بغیر دیانت کے
فصاحت کیا چیز ہے؟ جو وقت مارپاس سے اسکی ملاقات ہوئی تو اس سردار کو معلوم ہوا کہ فصیح باؤشا
کے ایک نہایت عمدہ جڑاؤ جام کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ سردار نے اس سے کہا: "اب اسکو ہاتھ میں لیجئے
تا کہ اس کا وزن آپکو معلوم ہو۔ اس پر دیکھا تھینس نے پوچھا: "اسکی کیا قیمت ہوگی اگر فروخت ہو؟"

مارپالس نے جواب دیا: "میں ٹیلیٹس (ایک سنگم)" اسی شب کو یہ جام مع اسکی قیمت کے پتھرس کے پاس بھیج دیا گیا۔ اور فیصلح نے یہ تحفہ سرور چشم قبول کر لیا۔ اس امر سے متفرکی بڑی سخت معذرتی ہوئی۔ اور بہت جلد اس نے زہر کھا کر اپنا کام تمام کر لیا۔

سائرو نے اسکے برعکس اپنے ملک کے تمام ہی خواہوں اور نیز دشمنوں کے تحفہ خواہوں سے انکار کیا۔ اسکے قتل کے کچھ عرصہ بعد قبضہ آگسٹس نے اسکے نو اس کو سائرو کے ایک کتاب تھیں لیے ہوئے دیکھا۔ اس لڑکے نے اس کتاب کے چھانے کی کوشش کی مگر قہر نے اسے لے لیا۔ اور جب اسے پڑھ چکا اس نے کتاب لڑکے کو دیکر کہا: "بے زور درختیں جس نہایت فصیح تھا اور اپنے ملک کا عاشق تھا۔"

میاں سب جب پوچھا گیا کہ کیوں نہیں اپنے اوائل ملک کی طرح اپنا مال سبب ایک بھاگ گیا تو اس نے جواب دیا: "تمہارا تعجب بجا ہے۔ میرے تمام خزانے میرے ساتھ ہیں۔"

جب ڈاؤنگلشٹن نے کچھ عرصے کے لیے شاہی خدمت سے کنارہ کشی اختیار کی تو مکملہ میں نے اسے دوبارہ اپنے عہدے پر آنے کو کہا۔ اسپرڈاؤنگلشٹن نے جواب دیا: "اگر میں آپ کو وہ پورے دکھلا سکوں جو میں نے اپنے ہاتھوں سے سکونائیں لگائے ہیں۔ وہ عہدہ ایسوں جن پر میں نے اپنی محنت صرف کی ہے۔ اور وہ باعینہ جو میں نے تیار کیا ہے۔ تو پھر کچھ کبھی نہ تحریک کیلئے کرنا دہانی کے عوض میں طاقت حکومت حاصل کروں۔" جو اس نے کام کیا تھا وہ اسکی اپنی سرکاری اور غریبی کا ثمر تھا۔ اس نے اپنی محنت کا مادہ جذب کر لیا تھا جو جفاکش کو استقلال۔ جنگجو کو محرکہ آراہی کی بہت اور مدد کرنا بہت قدیمی تھا۔ محنت بددیانتی کا پہلا دروازہ بند کر دیتی ہے۔ اور یہ ہر ایک منہ کی نمائش اور اظہار کیواسطے ایک وسیع میدان کھول دیتی ہے۔ اور دلوں میں ہر ایک سوشل اور مذہبی غرض کی جباوری کی قدرت بھونک دیتی ہے۔ اور اسیدوجہ سے اہل رومانے ڈاؤنگلشٹن کو دوبارہ اسکی ملکی خدمات پر مقرر کرنا چاہا۔

قناعت عیش و عشرت یا طاقت سے بھی بڑھ کر عہدہ ہے۔ اور فی الحقیقت یہ ایک قدرتی دولت ہے۔ الزبتھ کی ہمشیرہ مریم کی اکثر یہ خواہش تھی کہ یہ بجائے ملک کے ایک دودھ بیچنے والی سپیداہوتی اور اسطو پر یہ لا حاصل الفتی تکلیف اور اپنے دریا کے ہاتھوں طاقت کے متزل سبج باقی۔ اور ہزاروں شہید لگ کاشکار بننے سبج جاتے۔

بہادر اور متین شخص زہر کی خاطر کام نہیں کرتے۔ یہ کام کرتے ہیں الفت کیواسطے۔ سخت کیواسطے۔

چال چلن کیواسطے۔ جب شرائط نے بجائے اپنی نیک اخلاق کے خیالات سے دست کش ہوئی مورت قبول کی۔ جب لاس کا ساس نے بچار سے جزائر پر ہند کے باشندوں کی تکلیف کے دور کرنے کی کوشش کی تو اس کو زور پیکار خیال تھا نہ ملک کا۔ انھوں نے ہندگان خدا کی فضیلت اور ترقی کی خاطر اور صیبت زدوں کی بڑائی کیواسطے کام کیا۔

جب میکائیل انجیل کو پوپ نے سنٹ پیٹر کی تصانیف کی نگرانی کا حکم دیا تو اس نے اُسے صرف اس شرط پر قبول کیا کہ اس کو کچھ تنخواہ ملے۔ بلکہ یہ حرف خدا سے ذوالجہاں کی محبت کی خاطر کام کرے۔ ایک شخص نے جب وائٹ ٹر مساکن جیل کی ایک تصویر خریدنا چاہی تو اس نے کہا: آپ اپنا روپیہ جیسا رکھیے۔ صنعت کیواسطے زرسم قائل ہے۔ مگر ساتھ ہی کہو یہ بھی افرار کرنا چاہتا ہے کہ وہ بڑے ایک خطا مہری چلیں اور جی تھا۔

ملکی زندگی میں عہدہ اور روپیہ کی بہت کچھ حرص مرقی ہے۔ اور عہدہ جب خدمت کے نیا صلتے نہ حاصل کیا جائے تو اکثر اخلاق کا ستیاناس کرنیوالا ثابت ہوتا ہے۔ یہ دراصل حب الوطنی کے خیال کا ایک ترمو وضع ہے۔ اور جہاں کہیں یہ ذاتی نفع کے لحاظ سے پھینکا ہے۔ مہری کو متزلزل کر دیتا ہے اور چال چلن کو کمینہ بنا دیتا ہے۔

انڈیو مارول اپنی سلطنت روم کا ایک محب وطن تھا۔ یہ تمام جیل میں چارلس اول کی ابتداء سے سلطنت میں پیدا ہوا تھا۔ جب یہ جوان ہوا تو چارلس اس نے کیمبرج کے ٹرینی کالج میں صرف کیے۔ بعد ازاں اس نے یورپ میں سیاحت کی۔ اٹلی میں اس کی ملٹن سے ملاقات ہوئی اور تاہم زندگی یہاں کا دوست رہا۔ جب یونگستان میں واپس آیا تو خانہ جنگی پھیلی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اٹلی میں مطلق نہ شریک ہوا۔ گو اس نے ہمیشہ نازی کی بہت حمایت کی اور اسپر زور لگایا۔ مگر اس نے اپنے شہر کی طرف سے پارلیمنٹ کا ممبر منتخب ہوا۔ اور اپنی مہری کے دوران میں اپنے شہر کے حاکم کو پارلیمنٹ کا تمام حال بلا نفع لکھتارہا۔

مارول نے ملٹن کی سلطنت شخصی کے مخالفانہ خیال سے کبھی موافقت نہ کی۔ مگر شخص نے اس کی سوانح عمری لکھی ہے وہ اسے لکھتے ہیں۔ آزادی اور عوامر ملٹن کا روم کا دوست کے خطاب سے متاثر کرتا ہے۔ شاہی سلطنت کے ہونے میں اس کو کچھ غم نہ تھا۔ اور اسلئے یہ دوبارہ بادشاہ کے تحت سلطنت پر بیٹھنے کا خواہاں تھا۔ لوگ اپنے دل میں یہ امیدیں لیے بیٹھے تھے کہ جب چارلس فی تخت پر بیٹھے گا۔ تو ساتھ ہی ملکی جرموں میں اس کو غلامی کا نفل بھی ہوگا۔ مگر اس میں انھوں نے بہت کچھ وہ بیکار کیا۔ مارول

لارڈ کارلائل کے ہمراہ روس میں سفارت پر بھیجا گیا اور اسکی ہر اسی سے پیشا رفتھا کہ یہ دربار کے مخالفوں میں سے نہ تھا۔ اسکی عدم موجودگی بہت کچھ اتہری ملک میں پھیل گئی۔ نئے بادشاہ کو دوسرا روپیہ کی ضرورت نہ تھی۔ اس نے اپنی دائمی ضرورت کی سیری کیواسلے سب طرح سے کوششیں کیں۔ اپنے ایک مہمل کو ایک خط میں لکھنے لکھا، بادشاہ ہمدردی کی عیاشی اور عیاشی میں مستغرق ہے۔ اور لوگوں میں بے صبری اور بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔

بادشاہ بے وسواس روپیہ وصول کیئے گیا۔ اور اپنے درباریوں اور تالاق ہی خوانان ملک کے وسیلہ سے اس نے خوب نقد صفات کیئے۔ اس نے درباریوں کو ہزاروں پونڈوں کی رشوتیں دیکر اپنے قابو میں کیا۔ مگر مارول پر قابو پاسکا۔ مارول نے جو دربار اور بادشاہ کے خائے اڑائے وہ شائع ہو گئے۔ اور ان کو بلانین بادشاہ سے سودا گروں تک سے پڑھا۔ بادشاہ نے اسے قابو میں لانے کا ارادہ کیا۔ اسکو خوف دلایا گیا اسکی خوشامد کی گئی۔ اسکی مزاحمت کی گئی۔ اسکو آزرہ کیا گیا۔ اسکے پیچھے خبر لگائے گئے۔ اسکی گھات میں بددعاش اور ٹیڑھے لگائے گئے۔ اور حسین اور دلفریب عورتیں اسکے دام میں پھنسانے کو تعینات کی گئیں۔ مگر کوئی تنفس کی تدبیر اور کوئی وسیلہ اسکی قوت کا بھید نہ پاسکا۔ اسکی دیانت داری خوف اور خانی دونوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہی۔ خوف اور رشوت اس کے مقابلہ میں ٹکرا اصول کا معاون ہے۔ ایک ایسے دربار میں جس میں کوئی بددعاش نہ تھا۔ کوئی قوت باعصت نہ تھی۔ یہ کارگر چادو کمال کیا گیا۔ مگر مارول اپنی کجیختی اور توہیر کی خاطر اس تمام سحر کے مقابلہ پر اڑا رہا۔

کہتے ہیں کہ لارڈ ڈیڑڈیڈیڈی اس خیال پر کہ یہ اپنے پرانے ہم جاعت کو قابو میں لے آئے گا مارول کے مکان پر اسکی ملاقات کو گیا۔ ملاقات کر کے نصیحت ہوتے وقت لارڈ ڈیڑڈیڈی ۱۰۰ پونڈ کا ایک چمک چمکے سے اسکے ماتھے میں دیدیا اور گاڑی پر سوار ہونے چلا۔ مارول نے چمک کو چمک پکارا۔ مائی لارڈ۔ براہ نوازش ایک لحظہ اور تامل کیئے۔ لارڈ ڈیڑڈیڈی اسکے پاس واپس گیا اور مارول نے ایک لڑکے جیک کو جو اسکا نوکر تھا بلایا۔ جیک کل میں سے کیا لکھا یا تھا؟ ”بجواب آپ کو یاد نہیں؟ کل اپنے مجھ کو کبری کی دست بازار سے لائے کو کہا تھا اور وہی میں نے پکائی تھی۔“ ٹھیک کہتے ہو۔ اور آج میرے کھانے کے لیے کیا ہے؟ ”آپ کو صدمہ نہیں کہ اپنے آج بھی گوشت پکوا رہا ہے؟“ تم سچ کہتے ہو۔ جاؤ۔ اب مارول نے لارڈ ڈیڑڈیڈی کو خط پھر کر کہا ”مائی لارڈ۔ آپ نے سنا؟ انڈریو مارول کے گھر کھانا موجود ہے۔ اور یہ کچھ چمک چمک ہے۔“

بھگاؤ کی ضرورت نہیں۔ جو آپ مجھ پر عنایت مبذول فرمانے لگے تھے مجھ کو معلوم ہے میں تو یہاں اپنے اہل ملک کی خدمت کرنے کو ہوں۔ دربار اپنے مفید طلب اور شخص کش کر سکتا ہے۔ میں ان میں سے نہیں ہوں۔

تارول نے انجام تک شرافت کو ماتھے سے نہ دیا۔ اسکا چال چلن بے راع رہا۔ گویہ غریب نہ تھا۔ مگر اسکی طرز زندگی سے سادگی اور کفایت شعاری برتی تھی۔ جولائی ۱۸۷۷ء میں یہ اپنے شہ کو گیا اور جب لندن ٹاؤن آیا تو ملکسی ظاہری مرض یا صدمے کے ثبوت ہو گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ اُسے زہر دیا گیا۔ ممکن ہے کہ یہ سچ نہ ہو۔ مگر اس میں مطلق شک نہیں کہ یہ مرتے دم تک شریف اور متین رہا۔ اور ہمیشہ اُس نے اپنی نیکی ختمی برقرار رکھی۔ اور ہمیشہ حق کی حمایت کی۔ "نیکو کار اسکے شیدائے تھے۔ بدکار اس سے ڈرتے تھے۔ معدودے چند نے شاؤنار، اسکی تقلید کی۔ اور شاید یہی کوئی اُس کا ثانی اسکے وقت میں ہو گیا۔ الفاظ میں جو اہل میں اسکی قدر کنندہ ہیں۔

بن جانسن بھی تارول کی طرح راست باز اور صاف گو آدمی تھا۔ اسکے غلشی اور باری کے کام میں جب چارلس اقل نے اسے بہادر شاعر کو کچھ روپیہ بھیجا تو بن نے فی الفور اسے واپس کر دیا۔ اور کہلا بھیجا "میرے خیال میں مجھ کو بادشاہ نے اس واسطے روپیہ بھیجا ہے کہ میں تنگ گلی میں رہتا ہوں۔ تو بادشاہ کو واضح رہے کہ اسکی روح ایک تنگ گلی میں رہتی ہے۔"

گولڈ سمتھ بھی ایسا شخص تھا جسے قابو پانا محال تھا۔ اس بچارے نے اچھی طرح مفلسی کی چاشنی چمکی۔ اس نے اپنی بانسری بچا کر ایاہ ادا کیا اور تمام یورپیہ میں ڈھونڈ کیا۔ اور کھیتوں اور کھلے آسمانوں کے نیچے سونا نصیب ہوا۔ اس نے تماشہ گاہ میں ملازمت کی۔ ڈاکٹری کا پیشہ کیا اور عام نوکری بھی کی مگر سب میں فائدہ کشی نے اسکا ساتھ دیا۔ لاچار اس نے کتابوں کی تصنیف فرمائی۔ اور اس سے یہ آئب جٹلمین بن گیا۔ مگر غلشی نے اچھی طرح کبھی اسکا ساتھ نہ چھوڑا۔ یہ اپنا حال لکھتا ہے کہ "میں بڑی کی خاطر کتاب لکھ رہا ہوں۔ اور دودھ والے کے تعاضے کا خوف ہے۔" ایک روز جانسن کو گولڈ سمتھ کا ایک قومیہ پوچھا جس میں اُس نے لکھا تھا کہ میں بہت سخت مصیبت میں پھنسا ہوں۔ جانسن اسکے پاس پہونچا اور دیکھا کہ مکان کی مالک اُس کو ایک کچھ واسطے پکڑے بیٹھی اور گولڈ سمتھ کے پاس جو کچھ مال منہا قابل فروخت تھا وہ ایک قلمی کتاب اسکی تصنیف تھی جانسن نے اُسے اٹھا کر دیکھا تو یہ "وکار آف ویکفیلڈ" تھی۔ اسکی غوی کو جانچکر جانسن اُسے ایک کتب فروش کے پاس بیگیا اور ساٹھ پونڈ کو فروخت کر دیا۔

گو یہ مرتے دم تک غریب رہا کیونکہ یہ قرضدار مر رہا مگر کبھی کسی نے اس پر قابو نہ پایا۔ اس نے غلیظ پولیٹیکل کام کرنے سے انکار کیا۔ اس وقت کوئی ۵۰۰۰۰ پونڈ کے قریب خفیہ طور پر سرکاری پلٹ والی پول خراج کیا کرتے تھے۔ روزمرہ لوگ اجرت پر رکھے جاتے تھے کہ ان کے مخالفوں کو دندان شکن جواب تحریری لکھیں۔ اور انکی حکومت کی کارگزاریوں پر قطعی پڑھا کر اور رنگ آمیزیں کر کے عوام الناس میں شائع کریں۔ اور ارادہ ہوا کہ گولڈ سمیٹھ بھی اس نالائق کام میں شریک کیا جائے۔ ڈاکٹر سکاٹ لارڈ سنٹرل راج کا پارسی گولڈ سمیٹھ سے اس بارے میں بات چیت کرنا نہ چاہتا تھا۔ چنانچہ یہ ڈاکٹر کہتا ہے: ”میں نے گولڈ سمیٹھ کو نہایت ہی شکستہ اور خراب کمرے میں بٹھایا ہوا پایا میں نے پہلے اپنا عمدہ اسکو تیلایا پھر اس سے حال بیان کیا کس طرح میں اسے اسکی مصیبت اور غصہ سے بانی دینے آیا تھا۔ مگر آپ یقین کریں گے؟ اس نے ایسی گستاخی کی کہ کہا: میں بخوشی شخص کی چالبوسی یا کسی فریق کی طرف داری کے بارے میں کچھ لکھنے کے استعداد رکھتا ہوں جس سے بخوبی میرا اندازہ ہو سکے۔ لہذا جو آپ مجھ کو دینا چاہتے ہیں اسکی کچھ ضرورت نہیں۔ لہذا میں اسے اس کے اسی خراب اور شکستہ مکان میں چھوڑ کر چلا آیا۔“

غرض اس طرح اس مفلس اور شریف گولڈ سمیٹھ نے بددیانتی اور نالائقی کو لات ماری! اس نے سچوں کے دل پھیلائے کی خاطر ”گو دمی انگلش روز“ کی کمائی لکھنے کو اپنا قلم اٹھایا مگر کسی پولیٹیکل خبیث کی طرف داری کا ارادہ نہ کیا۔

پلیٹینی نے جو ملکی معاملات میں ناؤس آف کانس (محلیوں کے واسطے رعایا) میں پولیٹیکل فیئق کے مخالفوں میں سے تھا۔ ایک بار ایک تقریر کی جس کے دوران میں اس نے لاطینی کا ایک فقرہ بولا۔ والپول نے اسکی غلطی نکالی اور اسکی سخت پر ایک گنی کی شرط لگائی۔ شرط منظور ہو گئی۔ اور تصدیق پر پلیٹینی جیت گیا۔ والپول نے گنی نکال کر مزید پھینک دی۔ اور پلیٹینی نے اسے اٹھا کر ناؤس آف کانس کو شاہرہ بنایا کہ یہ پہلا ہی موقع تھا کہ بلا واسطہ کسی شخص کی ایک گنی اسکی جیب میں پڑی تھی! یہی گنی جو ایک نے اسی اور ایک نے جیتی۔ اسٹاک بڑھش عجیب گاہ میں بھی ہوئی ہے۔ اور پلیٹینی گنی ”کھلائی تھر“ جب پلٹ آرل آف چیمبر فوج کا پتے ماسٹر مقرر ہوا تو اس نے اپنی تنخواہ کے علاوہ ایک کوڑی تک لینے سے انکار کیا۔ اس کے زمانے میں بے ماسٹر کے پاس ایک تم گتھ رچ رہی تھی۔ اور یہ رقم قریباً کروڑ دو کروڑ کے برابر ہوتی تھی۔ اور یا اسکے سود سے ذاتی طور پر فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ مگر آرل آف چیمبر نے اس سے صاف انکار کیا۔ اور یہی نہیں بلکہ ملاک غیر کے شاہزادوں نے جو اسے

رشتوں بطور نذر کے دینا چاہی سکو بھی اس نے قبول نہ کیا حالانکہ یہ رقم بھی سالانہ ایک سو قول آمدنی تھی۔ غرض جس طرح اس کے کاروبار میں سطح اسکا چال چلن شریفانہ اور بے لاک تھا۔

اور بیٹا ال ولیم سٹ کا تھا۔ اس نے روپیہ کو پیسہ کا میل سمجھا۔ اس کے اچھے صاف تھے جس زمانہ میں اس کے مخالفوں میں سبقت نہ رہا تھا۔ تو کلرک شپ آف رول کی جگہ خالی تھی لیکن وہ خیال تھا کہ ولیم اس سامی کی درخواست کریگا۔ اور یہ اس پر مور بھی ہو جاتا مگر اس نے آپ پر کڑی باز کرنا شروع دی جو اسکا نابینا دوست تھا۔ اور اس طرح اپنے فائدے پر خاک ڈال کر دوسرے کا بھلا کیا۔ ہر ایک فرد بشر کو پٹ کی بے لاگی معلوم تھی۔ اسکی تضحیک کی گئی۔ اسپر وائز کے گئے اور گالیاں دی گئیں گو نہ رول اور لاکھوں کی رقمیں اس کے اچھے سے نکلتی تھیں۔ مگر اسکا صفت سے سخت خون کا میا سا بھی اتنی جرأت نہ کر سکا کہ اسپر ایک کوڑی کے عین کا بھی الزام لگا سکتا۔ جسوقت بڑے بڑے امیر کبیر اسکو معزز خطابوں کی تحریک کر رہے تھے اس نے مطلقاً ان پر خیال کیا۔ اس میں کچھ عجیب طوکر کی طرف سے حقارت بھری ہوئی تھی۔ سٹ ایک نہایت کشادہ دل اور عالی حوصلہ شخص تھا۔ اور کوئی چیز بجز اسکی شریفانہ نفسی کے اس کے چال چلن کو اعلیٰ نہ بنا سکی۔

شمیل ڈ ایک بڑے فنانسی کیل کا ذکر ہے کہ اس نے ایک مقدمہ کی پیروی کی جس میں بڑا کام رہا اور ناکامی صرف اسوجہ سے ہوئی کہ یہ اپنے موکل کے عذر میں ایک کاغذ جو نہایت ضروری تھا پیش نہ کر سکا۔ جج کا فیصلہ پائینٹ میں بھیجا گیا۔ اور چونکہ منظور ہو گیا لہذا اپیل نہ ہو سکتی تھی۔ اسکا موکل اس کے پاس آیا اور اس نے شمیل ڈ کو کاغذ پیش کرنے کا خطا وار بتلایا کیونکہ موکل نے وہ کاغذ اسکو آؤر کاغذوں میں دیدیا تھا مگر شمیل ڈ نے انکار کیا کہ اسنے کاغذ آنکھ سے بھی نہ دیکھا تھا۔ لیکن بہت کچھ رد و کد کے بعد جب شمیل ڈ نے تماش کی تو وہ کاغذ اس کے آؤر کاغذوں میں کل آیا۔ اور اسکو معلوم ہوا کہ اگر یہ کاغذ پیش کیا جاتا تو مقدمہ اسکو مل جیت جاتا۔ مگر آپ اپیل نہ ہو سکتی تھی۔ وکیل نے اپنے موکل کو صبح کو مکان پر آئے کو کہا۔ رات کو اسنے اپنا تمام روپیہ پیسہ حتیٰ کہ ایک ایک کوڑی تک جمع کی۔ اور صبح کو اپنے موکل کے حوالے کی۔ اور گواہ اس سے اسکا نقصان جی ہوا۔ مگر اس نے اپنی عزت اور

عزت پر راض نہ آنے دیا۔ اور اپنا فرض بجالایا۔
سمر آرقم ولزلی جو بنیڈ ڈیوک آف ولنگٹن کے خطاب سے ممتاز ہوا۔ وزیر اعظم
 حیدر آباد نے ایک تم کثیر اس واسطے دینا چاہی کہ یہ اسکو تبادر سے نہ مکرر کسی کی فتح سے تو اب حیدر آباد کو کیا ملے گا۔ سمر آرقم نے اسکی طرف دیکھا اور پوچھا: یہ تو معلوم ہو چکا کہ آپ کو اگر کچھ بتلایا جائے تو اسے آپ

کسی سے بیان کر گئے۔ ”بیشک“ اسپر انگریزی جنرل نے جواب دیا: ”تو بس یہ حال میرا ہے۔“ راجہ جیٹوٹ نے اس کے بعد اپنے وزیر کی معرفت اسے ۱۰۰۰ روپیہ کی رشوت کسی دوسرے دینی چاہی۔ جنرل نے نہایت ناراضگی سے اس کے لینے سے انکار کیا اور کہا: ”راجہ سے کہہ دو کہ تمام انگریزی افسر اس قسم کی نذروں کو خواہ وہ کتنی دسے گستاخی اور بے ادبی سمجھتے ہیں۔“

اس کے ایک عزیز مارکوئس آف ولزل نے بھی اسی طرح ۱۰۰۰۰ پونڈ کی رقم لینے سے انکار کیا جو تھمان سیٹ انڈیا کمپنی نے اسے دینا چاہی۔ کوئی چیز بھی ایسی ثابت ہوئی جس سے یہ رقم قبول کر لیتا۔ اس نے کہا: ”یہ ضروری نہیں کہ اپنے چال چلن کی آزادی اور اپنے عہدے کے اختتام کی گردن پر چھری پھیر دوں۔ مجھ کو بجز اپنی فوج کے کسی چیز کا خیال نہیں۔ مجھ کو بہت بڑھ ہوگا اگر میں بچا رہے سپاہیوں کی قتل فرماؤں۔“ سر چارلس اسٹینس نے بھی اسی طرح کی خود انکاری کا اظہار کیا۔ جو وقت یہ ہندوستان میں تھا یہ کہتا ہے: ”میں فی الحقیقت نہیں جب سے سندھ میں آیا ہوں میں ۳۰۰۰ پونڈ جمع کر لیتا۔ مگر میرے ہاتھ اسکو چھونا نہیں چاہتے۔ ہمارے باپ دادا کی تلوار بے فائدہ ہے۔“

سر چارلس اور ہم بھی ایک حد تک فیاض اور بے غرض تھا۔ جو وقت یہ ہندوستان میں آئے درجہ کاپیتان تھا اسکو ماہی کاٹا کے سر میں فوج کی کمان دی گئی۔ مگر اس نے یہ عہدہ خود نہ قبول کیا بلکہ ایک دوست کو جو اس سے اعلیٰ عہدہ پر تھا دیدیا۔ اس نے کہا: ”اُس افسر کی صفات مجھ سے بہت کچھ بڑھکر ہیں۔ میں اس کے چال چلن پر اپنی عزت و حرمت اتارتا ہوں۔ جس قدر مجھکو اس سے ربط مضبوط ہے میں اس سے سمجھتا ہوں کہ وہ کامیاب ہوگا حالانکہ اس کام میں مجھ کو ناکامی کا خیال ہے۔“ لیکن کمانڈر انچیف نے یہ نہ منظور کیا۔ اور آخر کار اسکو یہ عہدہ قبول کرنا پڑا۔

جب سندھ کے انعام کاروپیہ سپاہیوں اور افسروں میں تقسیم ہوا۔ اور ہم کو بھی چوتھو یہ بچہ تھا ۳۰۰ پونڈ دیئے گئے۔ مگر اس نے ان کے لینے سے انکار کیا۔ بقول اس کے اس نے اس پالسی کے نفع میں سے ایک کوڑی بھی نہ لینا چاہی جس کا یہ مخالف تھا۔ اس نے تمام رقم خیراتی کاموں میں صرف کر دی۔ چنانچہ اس نے ڈاکٹر ٹوٹ مشنری کو بھی کچھ دیا اور ۸۰۰ پونڈ اہل سکول اسٹاکس کو سولی کو دیئے۔

یہ ذاتی نفع تھا جس کا تھریس اور ہم نے کبھی خیال کیا۔ اور روپیہ اسکے سامنے کچھ حقیقت نہ رکھتا تھا اگر یہ دوسروں کی مدد میں صرف نہ ہو۔ کوئی شخص بھی ایسا سادہ اور خود غرضی سے متبر نہ تھا۔ جس قدر زیادہ تفصیل ہے اسکی سوانح عمری پڑھی جائے اُس قدر زیادہ یہ ذہن نشین ہوتا ہے کہ اسے دوسروں کی اپنے سے

بڑھکر پرواہ کی۔ اپنی چیز کا کم خیال کیا مگر دوسروں کی چیز کا زیادہ۔ اور حقیقت اسکے دم کی بھی کچھ نہ تھی۔
اس میں یہ دم تھا۔ یہ دوسروں کا خیال تھا۔ دوسروں کی خاطر تھی۔ اور یہ ہمدردی تھی جس نے اوپر دم
کو ہرقسم کی نا انصافی کا پکا دشمن بنا دیا تھا۔

لارڈ لارنس کا ذکر ہے کہ ایک بار کسی حیران مند وستانی راجہ نے اپنے مقدمے کے واسطے اسکی
میز کے نیچے روپیوں کی ایک فیصلی رکھ دی۔ لارنس نے کہا، اے شہنشاہ۔ یہ ایک انگریز کی نظر میں نہایت
سخت گستاخی ہے۔ اس میں تیرہ تھارنی ٹالی کے باعث درگزر کرتا ہوں۔ مگر خیال رکھنا کہ آئندہ
بھر کبھی کسی انگریز پہلے مانس سے ایسی بے ایمانی نہ کرنا۔

یہ اس قسم کے آدمیوں کی دیانت داری اور شرافت ہے کہ ہندوستان میں پہلی سلطنت قرار
ہے۔ انہوں نے اپنی جان کا بھی خیال نہ کیا مگر فرض کی بجا آوری میں حاضر رہے۔ غدر میں بہت آدمیوں
کی شرافت اور دیانت کا اظہار ہوا۔ لارنس دونوں بھائی فرض کے حذر جہ کے پابند تھے۔ پہلا شخص
جان جسکو فولادی جان کہتے تھے۔ اور دوسرا شہری دونوں میں شرافت کا استدر مادہ تھا کہ جو انکے
ارد گرد دیکھتے وہ بھی ایک حد تک متدین بن گئے۔ اول الذکر کے بارے میں کہتے ہیں کہ صرف شہری شخص کا
چال چلن ایسا تھا کہ تمام فوج کی اس سے عزت تھی۔

کرمل ایڈورڈ ورنن دونوں بھائیوں کا اس طرح ذکر کرتا ہے کہ: "انہوں نے ایک نہایت راج
کیا اور ایک مدد سے قائم کیا۔ جو اس ناک موجود ہیں جس نے انے میں ہندوستان میں غدر پھیلا جان
پنجاب کا چیف کسٹرن تھا۔ جس ملک کا یہ حاکم تھا۔ انگریزوں کا تازہ فتح کیا ہوا تھا۔ اس نے اس نے
صوبے پر نہایت عمدگی اور دانائی سے حکومت کی۔ اس نے جو لوگ اسکے ارد گرد تھے ان پر اعتماد کیا
اور ان کو اپنا دوست بنالیا۔ اور پھر اس نے وہ کام کیا جسکی شاید تمام تواریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس نے
تمام پنجاب کی فوج وہلی میں ملک پر بھیج دی اور اپنی حفاظت کو ایک۔ سپاہی تک نہ رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
اسکی دانائی اور دراندیشی ثابت ہو گئی۔ سکھ اور پنجابی وفادار ثابت ہوئے۔ راجی فتح ہو گئی اور ہندوستان
بچ گیا۔ اس کام کا جان لارنس کے ذاتی چال چلن پر دار مدار تھا۔ جو الفاظ اسکے بھائی سرتھری نے اپنی
قبر پر کندہ کرانے کیواسطے خوبز کیے ان سے نہایت سادگی اور صفائی سے اسکی تمام جو چال چلن بیان
ہے اور وہ الفاظ یہ تھے: "یہاں ہنری لارنس مدفون ہے جس نے اپنے فرض کی بجا آوری
کی کوشش کی!"

عالم آدمیوں نے بھی اسی طرح کا اظہار ظاہر کیا ہے۔ حیوت سمر مہر فی لوی نے ان کان کنوں کی

جان بچات کیواسطے جو خوفناک گیس میں کام کرتے تھے نہایت محنت اور مشقت کے بعد اس پر ایجا دیکھا تو اس نے اسکی رجسٹری نہ کرائی بلکہ عوام الناس کے فائدہ سے کا خیال مدنظر رکھا۔ ایک دست نے اس سے کہا: ”آپ بہتر تھا کہ اسکا حق محفوظ رکھتے اور اس طرح اپنی ایجا دستے چار پانچ ہزار سالانہ منافع کیجو ہوتا تو یومی نے جواب دیا: ”نہیں میرا بیوہ ایجا بھی نہ تھا۔ جو کچھ میرے دل میں مدعا تھا تو نفع خلائق کا تھا۔ میرے پاس اپنی ضرورت اور احتیاج کیواسطے کافی مٹر ہے۔ زیادہ دولت ممکن ہے کہ مجھکو میرے دلخواہ مثل سے باز رکھے۔ دولت کی کثرت نہ تو میری شہرت بڑھا سکتی ہے نہ میری خوشی کو زیادہ کر سکتی ہے اس پر شک نہیں کہ میں دولت سے جو آسپہ گچھی میں سوزہ ہو سکتا ہوں مگر میرے سر پر کام آئیگا کہ لوگ کہیں ہرگز میری اپنی جو آسپہ گاڑی میں سوار نہ ہاں ہے۔“

یہ حال اس کے مقلد فاراڈے کا تھا۔ اس نے صرف سائنس کیواسطے مشقت اٹھائی۔ یہ شخص نہایت پڑخیال اور عالم تھا۔ یہ ہرگز معتقد مادہ اور منکر روح نہ تھا۔ اسکے فلسفے نے علمی خود بینی اور مذہبی تعزین کی نہایت سخت مخالفت کی۔ اس نے اپنے علم میں اکسار کو ماتحت سے نہ دیا۔ جو قدرت کے کوشمے اس نے اپنی چشم بصیرت سے دیکھے ان پر اسے تجوں کی طرح حیرانگی ظاہر کی۔ اسنے کہا: ”یہ ایک جن۔ یہ آوزون جو دنیا کے تمام وزن کے نصف کے برابر ہیں کسی حیرت خیز نہیں۔ اور تاہم میرے خیال میں ہم سب قدرت کے طبقہ حیرت کے بھی پہلے زمین پر ہیں!“

فاراڈے اپنی مولیٰ غلطی پر ہی قانع رہا۔ اسنے زر کی خاطر مطلق کام نہ کیا۔ اگر یہ دیکھتا تو بہت روپیہ جمع کر لیتا۔ اس نے اپنی ایجا یا اختراع کی رجسٹری نہ کرائی اسکا حق محفوظ کیا بلکہ عام طور پر عوام الناس کو اس کے بنانے کی اجازت دیدی۔ اس نے نہایت شرافت سے زر کی طرح کی سخت مخالفت کی۔ حالانکہ اس شخص کا حال مدنظر رکھ کر یہ طبع نہیں کہلا سکتی تھی۔ اور علم کی پیروی کو ترجیح دی۔ اسنے بہت کچھ اپنا دنیا معلوم کیئے اور ان کے معلوم ہونے پر یہ بہت متحیر ہوا۔ اسکا قول تھا: ”یہ چیزیں ہر وقت لانا تھا ہیں۔ یہ ہمو وکھلاتی ہیں کہ باوجود اپنے تمام علم کے ہم قدر انکی واقعیت میں عاجز ہیں۔“ اور ان الفاظ سے ہم کو سراسر ازالہ نمونوں کے آخری الفاظ یاد آتے ہیں:

آئیم ایک ارضیہ ہوں کہ جیتے ہیں یعنی روپیہ کمانے کو خاندان اور شخص شہید کی دولت کی بنیاد اس خاندان کے بانی میسیر النسل کی دیانت پر مبنی۔ اسکے والدین یہودی تھے۔ انسلم کے والدین جرتو اسکے عمر گیارہ سال کی تھی فوت ہو گئے۔ اور یہ دنیا میں اکبار لگیا۔ کچھ تعلیم پا کر خوش قسمتی سے اسکو ایک طرف تھا میں نوکری مل گئی۔ یہ فرسٹیکو رٹ کو شہرہ میں ملاں آیا۔ اور ولانی اور شودی روپیہ دینے کا ہوا پارسا

شروع کیا۔ اس نے پرنس نے زمانے کے کچھ بکتے جمع کیے۔ اسکی دوکان پر لینڈ گریو ولیم کی بہت آمد و رفت تھی اور شیخ فضل الکلٹر آف سمیں تھا۔

جب ہولین نے یورپ پر چڑھائی کی۔ ولیم آف سمیں کو بھی اپنی حکومت چھوڑ دینا پڑا۔ اور اس نے اپنا تمام نقد روپیہ جو اسکے پاس تھا اپنے گماشتہ اسلم کو سپرد کیا۔ یہ رقم ۳۰۰۰۰ پونڈ تھی۔ اسلم کا بیٹا بڑھکیر یہ دعویٰ تھا کہ اس روپیہ کو حفاظت اور احتیاط سے رکھے۔ روپیہ ان دنوں میں بہت مشکل سے دستیاب ہوتا تھا۔ جنگ شروع ہوئی۔ ہولین نے روس پر حملہ کیا۔ اور اسکی تمام فوج برف کا تقریبی اسکے بعد گر کر یونیک شروع ہوا اور ہولین اور اسکی فوج دریائے رائن کے پار تک بھگا دی گئی۔ اب لینڈ گریو اپنی حکومت پر واپس آیا۔ چند روز بعد تیسرے اسلم کا بڑا بیٹا دربار میں آیا۔ اور لینڈ گریو کو ۳ ملین فلورنس جو اسکے باپ کی زیر نگرانی رکھے گئے تھے دئے۔ لینڈ گریو تو غشی سے بھولا نہ سہا۔ اس نے اس رقم کو ایک نعمت عظمیٰ سمجھا۔ اپنے جوش مسرت میں اس نے رات کو لینڈ گریو کو ایک تمنا پیش کرنا پڑا۔ اور کہا: یہی دیانت داری دنیا میں بے مثال ہے۔ کچھ عرصہ بعد یہ تمنا سچی ہو گئی۔ اور میاں بار بار اس نے بے اختیار جو بڑا تخت سیلڈ کی دیانت کے آؤ کسی چیز کا ذکر کیا۔ اسلم کا خاندان بہت بڑا تھا۔ سب سے اسکی تقلید کی۔ اور اس طرح خاندان راتھ سیلڈ دنیا میں سب سے بڑھ کر صحتی کی واسطے مشہور ہوا۔

موجودہ لارڈ مکالے بھی نہایت متدین اور شریف شخص تھا جن شخصوں میں اس نے تربیت پائی تھی یعنی۔ ولیم فورس۔ ہنری تھامپٹن اور زکارس میکلے۔ وہ ایسے شخص تھے جن کی صحبت میں بکر محنت تھا کہ جو بطن اور بے غرض شخص بنے۔ جب یہ سرفرازی قلم کے زور پر سولہ لاکھ لاکھ پاری سڈنی سمیتھ نے جو کہ ایک منصف مزاج آدمی تھا اسکے بارے میں کہا: ”بکر یقین کرتا ہوں کہ مکالے بالکل بے لاگ اور بے غرض ہے۔ تم دولت نعمت۔ خطاب عزت روپیہ پیسہ خواہ کچھ اسکے سامنے رکھو مگر لا حاصل۔ اسکے دل میں اپنے کام کی صادق محبت ہے اور تمام دنیا اسکو رشوت دیکر اسکے فائدے کو اس سے نظر انداز نہیں کر سکتی۔“

مکالے نے اپنے کاروبار کا ایسا بندوبست کیا کہ اس کا انتظام اسکے لیے بجائے آزدگی اور رنج کے ایک شغل تھا۔ اسکی کفایت شعاری کے مسائل نہایت ہی سادہ تھے۔ یعنی منافع کو اصل مٹر سمجھو اور تمام قرض ۴۴ گھنٹے کے اندر اندر ادا کر دو۔ اسکا مقولہ تھا: ”میرے خیال میں قرض کافی الفور ادا کرنا ایک اخلاقی فرض ہے۔ اگر میری طرح یہ خیال منظر رکھا جائے کہ میں سہل کرنا کیسا رنج آور تکلیف دہ ہے۔“ اس نے ابتدائی سے اپنے اخراجات میں نہایت سخت مناسبت رکھی۔

اور یہی ایک ایسی سرزمین تھی جس پر اس نے اپنی تمام شہرت اور دیانت کی بنیاد رکھی اور باتوقیر آزادی
برقرار رکھی۔

اور تاہم یہ کم مائیٹ شخص تھا۔ لارڈ لٹسٹرون کو جس نے اسے ہندوستانی کونسل میں جگہ دینی چاہی
ذیل کا جواب لکھا: "اپنی عمر میں میں بدن چھکو دولت کی کثرت کی خواہش کم ہوتی جاتی ہے مگر میں
چھکو کفایت شعاری کا خیال زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اور بغیر کفایت شعاری کے انسان کی واسطے
ستدین ہونا قریباً ناممکن ہے۔ بلکہ ایسا خیال بھی اُس کے دل میں ناقرباً محال ہے۔ میری حالت کچھ ایسی
واقع ہوئی ہے کہ میں صرف دو طرح سے دنیا میں گزارہ کر سکتا ہوں۔ اول تو نوکری سے دوم فلم سے
ایک کتب فروش کا کارکن بننے کا خیال۔ کتابت تصنیف کرنا۔ دل کو نیکی اور شرافت سے بھرنے کے
واسطے نہیں بلکہ زر سے حبیب بھرنے کے واسطے۔ حرص پُری کی کوشش کرنا۔ نیکی باتوں سے غافل
سیاہ کرنے۔ یہ باتیں چھکو ہولناک و خطرناک معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر میں نوکری چھوڑ دوں تو یہی
حال ہوگا۔ لیکن دنیا میں روپیہ کی خاطر نوکری کرنا میرے واسطے اور بھی خوفناک ہوگا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ مکملے کو ہندوستان میں ایک معزز عہدہ مل گیا۔ اور پھر یہ استقدر اسودہ حال آپس
گیا کہ اس نے اپنی شہرت و تاریخ انگلستان لکھی۔

باب پنجم

دلیری۔ تحمل

کہین کام کرنے سے جوڑ جائے ہمارے بنی آدم کی خاطر جان ہے وہ بے ہمارے ہے

(بن جانسن)

یہی ضرور نہیں ہے کہ بعد مرنے کے صداقت اور ہو قدرت کا اس جگر اٹھار

مگر حجب آتی ہے سر پر پناہنت کی گھڑی امید کے ہیں قلعے جتنے ہوتے ہیں مسار

اور اس بدن سے توانائی ہوتی ہے نصرت عزیز کرتے ہیں بیٹھے ہوئے دلوں کا شکا

صداقت آتی ہے لشکر ہاتھ میں ایسی کہ جس کی رات کو ہوتی نہیں سحر زہار

(مراسٹ براؤننگ)

دلیری ایک ایسی صفت ہے جس سے متنازعہ ہونے میں ہر ایک شخص غوش ہوتا ہے۔ یہ وہ تربت ہے جو انسان کو زندگی کے تمام مصائب پر حاکم بنا دیتی ہے۔ یہ وہ مکمل ارادہ ہے جسکو کوئی خوف جنبش نہیں سے سکتا۔ یہ وہ چیز ہے جو انسان کو اگر ضرورت پڑے تو فرض کے پورا کرنے کی خاطر مرنے پر آمادہ کر دیتی ہے۔

وہ کون شخص ہے جو بزدل کی تعریف میں ایک لفظ بھی زبان سے نکالتا ہے؟ کیا تمام دنیا اس کو نظر حقاقت سے نہیں دیکھتی؟ بزدل کمینہ اور ناموس ہے۔ اس میں دلیری کا نام بھی نہیں۔ یہ غلامانگ بننے کو تیار ہے۔ یہ وہر کا مقلد ہے۔ ہمارے وہی نیکی غصب ہر جاتی ہے جب کوئی شخص غلام بن جاتا ہے تو وہ بقل اکثر ارٹالڈ ہے۔ اوباقی آدمی اس وقت جاتی رہتی ہے جب غلام بھاگ جاتا ہے۔ تاہم بزدل سے اس تو کرنے میں دلیری کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک حق نوجوان جس سر قلاب سٹڈی کے ساتھ جھگڑا تھا اور اسکو ٹرائی پر برا بھلا کہتا تھا، اسنے یہاں تک کیا کہ سر قلاب کے موٹھے پر تھوک دیا۔ اسپر سر قلاب سٹڈی نے کہا: "نہ زبان۔ اگر تیرا اپنی عمر میرے سر سے تمھارے خون کو بھی اسی طرح صاف کر سکوں جیسے میں نے تمھارا تھوک اپنے چہرے سے صاف کیا تو ابھی میں تمھاری جان لے لوں گا یہ نہایت شریفانہ دلیری تھی۔ یہ ہر ایک شخص کو اسلئے ایک سبق ہے کہ کس طرح محل اور برداشت کرنا چاہیئے۔"

دلیر شخص مردانگی کی ایک مثال ہے۔ اسکا اثر قنطاریسی ہوتا ہے۔ یہ شرافت کا مادہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور انسان مرتے دم تک اسکی پیروی کرتے ہیں۔ شخص جو کبھی کیسیا ہو ہمیشہ قیور انفرادی کے لائق نہیں۔ بلکہ وہ شخص جو ایک بار ناکام رہے اور پھر اپنے پر اپنی نیا نیا رکوشتش کا اثر ڈالتا رہے۔ یا بوسانہ امید کا ہیر ممکن ہے کہ خندق میں گر پڑے مگر اس کا بدن ٹپل کا کام دیتا ہے جیسے سے منصور قلعہ میں داخل ہوتا ہے۔

شہید گو دنیا سے رخصت ہو جائے مگر جس صداقت کی خاطر یہ جان دیتا ہے وہ اسکی قربانی سے چمک کر ایک نئی روشنی پھیلا دیتی ہے اور جھلک دکھلاتی ہے ممکن ہے کہ محب وطن کا سر بلاد کے خنجر کی بھیینٹ پڑھے۔ اور اس سے اس امر میں جلدی کامیابی کی صورت پیدا ہو جسکی خاطر یہ جان دے کہ فیروز باد کہتا ہے۔ ایک اعلیٰ زندگی کی یادگار عمر کے ساتھ ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ لوگوں کے صفحہ دل پر نقش رہتی ہے پیر چش اور سرگرم اپنی زندگی سے ممکن ہے کہ ہاتھ دھو بیٹھیں مگر تھل آدمی ٹپتے رہتے ہیں۔ اور اس سرزمین پر جا کر قافض اور تصرف ہوتے ہیں جسپر ان کے پیشرو اپنی ادبیتیں

مست پڑے ہیں۔ غرض اس طور پر کسی امر میں گوبہت ویر بعد کا مسیابی کا شے و کینا نصیب ہو مگر جب نصیب ہوئی تہے تو یہ جقدر ان لوگوں کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے جو کامیاب ہوئے ہیں۔

ان لوگوں کے سببے جو ناکام رہے۔
دنیا کے تمام پڑے پڑے کام دلیری سے کیل کو پہنچے ہیں۔ ہر ایک نعمت میں کام حفا اٹھا رہا ہے
ہیں ذاتی حفاظت کی شخصیت کی آزادی۔ قانونی موازنہ۔ سب کچھ اس کا محور ہے۔ بطور ایک قوم کے نیاب
رہنے کا حق زمانہ دراز کی جنگوں اور سرکوں کی بدولت کیل کو پہنچا ہے مذہب عیسائی کے قائم
ہونیکے واسطے چار صدی تک لوگوں نے شہادت کا جام پیا۔ اور رقیف امیشن کے پھیلنے کے واسطے
ایک سال کی خانہ جنگی اور کاربونی۔

صرف صداقت پر ثابت قدم رہنا ہے جس سے شہادت کو ابدی قدر حاصل ہوئی ہے۔ خیالات
کی آزادی کی ترقی ہیں۔ کچھ ضرورت نہیں کہ خواہ کسی صداقت پر یہ قائم تھے۔ شہادت برابر ہے۔ ان
لوگوں نے موت کا موٹہ دیکھا ہمارے آزاد ہونے کے واسطے۔ رومن کھٹاک اور پرنسٹن عیسائی
اور بہت پرست۔ سچے اور بیکار۔ سب سب سرکش زانو گذشتہ کی میراث میں جھڑے سکتے ہیں۔
فریبنی کا قول ہے۔ شہادت اور نصرت کے فرشتے آپس میں بھائی ہیں۔ اور دونوں کے پرنسٹن
پھیلے ہوئے ہیں کہ آئندہ زندگی کی حد تک پہنچتے ہیں؟

ہم کو عیسائی مذہب کے اوائل کی ایک فوج الشہدا کی کہانی یاد آتی ہے۔ یہ سپیکر اس کی ہے یہ
شخص قریب میں پیدا ہوا تھا ماہان حضرت پولوس اس وقت گئے تھے جب انھوں نے کلیشیا میں
عیسائی کلیسیا قائم کیا تھا۔ پندرہ مکیس (یا پندرہ اس) کو مشنری کی پرستش سکھائی گئی تھی۔
مگر چونکہ اسکا والد فوت ہو چکا تھا۔ لہذا یہ اپنے چچا ڈیونسیس کی نگرانی میں تھا۔ اسکا چچا شہ
میں رہا کو گیا تا کہ یتیم جو کہ ایک بہت بڑی جائداد کا وارث تھا دوبار کے نزدیک رہ نہ سکے اور
بزرگ مارسیلنس روم کے بشپ کی تابعی اور نگرانی میں یہ عیسائی بنایا گیا۔ اسکے بعد بہت جلد
اسکا چچا بھی دنیا سے کوچ کر گیا اور یہ لڑکا جو کل ۱۴ سال کا تھا اس میں عیسائی اپنی تمام دولت اور مذہب کے
ساتھ بے یار و مددگار رہ گیا۔

ڈیون کلیشین اس وقت عیسائیوں پر آفت نازل کر رہا تھا۔ اسکو خبر پہنچی کہ پندرہ مکیس عیسائی
ہو گیا ہے چنانچہ اسکو فوراً حکم آیا کہ ڈیون کلیشین کے محل میں حاضر ہو۔ اسکو خوف دلایا گیا کہ اگر مشنری کی
پر جانے لگا تو فی الفور جان سے مار دیا جائیگا۔ لڑکے نے جواب دیا میں عیسائی ہوں۔ اور اپنے مذہب

ثابتہ قائم ہیں۔ اور گوئیں کم سن ہوں مگر مذہب کی خاطر مرنے کو تیار ہوں۔ شاہنشاہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ مگر حکم دیا کہ شہر کے باہر لے جا کر تلوار سے اسکا سر جدا کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے تول کی قیدیں اپنے خون سے کر دی۔ یہاں اسکی لاش پور پھوٹے گت پڑی رہی۔ ایک عیسائی عورت آئی۔ اسنے اسکی لاش اٹھا کر عہد کپڑے میں لپیٹی۔ اور اسکو خوشبو بانت سے مسح کر کے آنسو بہائے اور دفن کر دیا اسکا نام ابناک دنیا میں ان گرجوں سے مشہور ہے جو ابھی یادگار میں تعمیر ہوئے ہیں +

ابتداء میں جو عیسائی ہوتے تھے وہ اہل روم کے اکھاڑوں میں جنگی درندوں کا شکار بننے لگے اور پینٹل تیسری صدی تک رائج رہا۔ یہ لوگ اہل روم کے تیواروں کی خاطر حلال کیے جاتے تھے کسی چیز سے اہل روم کا زیادہ شادمانی اور خوشی حاصل ہوتی تھی بجز درندوں کی لڑائیوں کے عیسائیوں کے پھاڑے جانے اور بیماروں کے خونخوار مرکوں کے۔ اور یہ عیاشی کا شغل تمام سلطنت میں پھیلا ہوا تھا۔ شہرزد میں جو آپس کی شمال سلطنت کا دارالخلافہ تھا بہت سی رومی تماشہ گاہوں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ یہاں ایک پہاڑ کے دامن میں ایک اکھاڑ ہے جو تھیرازش کر کے بنایا گیا ہے اور جہاں کئی ہزار تماشہ دیکھنے والے آسکتے تھے۔ ستائیس میں کانستانتائن نے اپنی رعایا کو ایک تماشہ کھلایا۔ اس تماشے میں ہزاروں عیسائی قیدی بے ہتھیار درندوں کے سامنے چھوڑ دیئے گئے جنھوں نے ان کو چیر بھانڈ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اسکے بعد جانور مار ڈالے گئے اور جرم آدمی باقی بچے وہ ایک دوسرے سے لڑنے کو معین کیے گئے مگر بجائے اسکے انھوں نے حاضرین کو مالوس کر دیا کیونکہ انھوں نے ارادہ کیا ایک دوسرے کی تلوار کے نیچے گر نہیں بکھیریں مگر لڑے نہیں۔ اسی آل ہزاروں بیکر ٹھہری نہایت جرمی اور سنگ لے سے لوگوں کے دل بہلانے کی خاطر قتل کیے گئے۔ اس اکھاڑے کے کھنڈر اور جانوروں کے رہنے کے غار اب تک موجود ہیں +

فرانس میں بھی اب تک بہت سے اکھاڑے ٹوٹے پھوٹے موجود ہیں سنمس اور آرس کے سب سے بڑے ہیں۔ اور آخر آؤد کر کا ایک تماشہ گاہ تو اتنا وسیع تھا کہ اہل عرب نے جب فرانسیسیوں سے مقابلہ کر رہے تھے تو اسے قلعہ بنا لیا تھا۔ مگر سب سے بڑا اور عظیم الشان تماشہ گاہ روم میں کلیم نامی تھا جس میں ۸۵۰۰۰ آدمی جا سکتے تھے۔ تواریخ کلیسیا سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ایک ہمار اور شہید کا ڈیٹس نامی نے تعمیر کیا تھا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہزارا ہودی قیدی جو یہ قلعہ لائے گئے تھے اسکی تعمیر پر لگے تھے۔ جب تک رہتے تھے ہر ایک کو ۵۰۰۰ روزے اکھاڑے میں قتل کیے گئے۔ اور ابھی

سال ہی میں دندوں، شبیروں اور چیتوں کی بڑیاں یہاں سے نکالی گئی ہیں :
 جس دن اس عظیم الشان تماشہ گامیں گامیں شہ ہوتا۔ تمام روم اس روز تیوار مناتا۔ مرد و عورتیں اور
 بچے خونخوار شغل دیکھنے کو جمع ہوتے۔ بہادر شاہ شاہ کے آگے جاتے۔ پہلے دندوں کی لڑائی
 ہوتی اور پھر انسانی خونریزی کی نوبت آتی۔ یہ تماشہ رات تک ہوتے رہتے یہاں تک کہ حاضرین
 شراب میں متولے ہو جاتے :

یہ شغل اور تماشہ جب تک جاری رہے جب تک روم برائے نام عیسائی کہلاتا تھا۔ مگر آخر کار
 سنہ ۱۷۰۰ کے قریب ایک ضعیف راہب نے ان خونخوار شغلوں پر تناسف اور تنبیہ ہو کر ان میں
 دخل انداز ہونے کا ارادہ کیا گو اسکو دنیا سے رخصت ہونا پڑا۔ بھلا ان ہولناک جرموں کی سزا کے
 مقابل میں اس بچا پر سکے جان کیا تھی؟ اس شہید کا نام بھی نہیں معلوم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ
 یہ ایک کس تھا اور بعض کا خیال ہے کہ ٹیلی اکس تھا۔ مگر خواہ کوئی ہو۔ اسکی لیری سے اسکی توقیر ثابت
 ہوتی ہے۔ نہ تو کسی کو جانتا تھا اور نہ کوئی اُسے جانتا تھا۔ روم میں انواہ پھیل گئی کہ اٹکھاڑ پھر
 گرم ہوگا۔ بچے سے لیکر بوڑھے تک جمع ہو گئے۔ یہ بھی لوگوں کے جوم میں اندر چلا گیا۔ مگر جو اس کا
 مدعا تھا وہ اسکو ل میں تھا اور یہ اُسے ٹھانے ہوئے تھا۔ اٹکھاڑ سے میں دونوں طرف سے بہادر
 اپنے نیزے نکالے ہوئے بڑھے۔ جس وقت یہ قریب پہنچے اور قریب تھا کہ وار چلے کہ یہ بوڑھا دیو کا
 جت ماکر ان کے پیچھے آکھڑا ہوا۔ اس نے ان سے التجا کی کہ ناتی خونریزی سے باز آئیں چاروں طرف
 غل اور شور پیدا ہو گیا۔ ”چھیچھی ہٹ ہٹ ہٹ۔“ مگر نہیں یہ سچے نہ ہٹا ایک بہادر
 اسے دھکا دیکر ایک طرف کر دیا اور پھر یہ سب آگے بڑھے۔ مگر پھر ضعیف آدمی ان کے پیچھے آکھڑا
 ہوا اور خونریزی سے منع کیا۔ اسیدم چاروں طرف سے صلا آئی ”مار دو!“ مہتم نے اجازت
 دیدی۔ اس بچا پر سے ضعیف راہب کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور بہادر اسکی لاش روندتے
 ہوئے آگے بڑھے :

مگر اسکی موت لاجل ثابت ہوئی۔ لوگ سوچنے لگے کہ انہوں نے کیا کیا تھا۔ انہوں نے ایک
 پاک آدمی کی جان لی تھی جس نے خونریزی سے منع کیا۔ یہ خود اپنی سنگدلی اور یہ جی پر کانپ اٹھے۔
 اسی دن سے جن دن یہ دلیر بوڑھا اس طرح اس جان سے رخصت ہوا پھر کوئی تماشہ ایسا خونخوار
 اور تماشہ گاہ میں نہوا۔ اس راہب کی موت ایک طرح کی فتح تھی۔ اس نے سلسلہ عین ایسی خونریزی کی
 قلعی ممانعت کردی۔ بہت عرصہ نہیں گزر کہ اس نامعلوم راہب بوڑھے کی بڑیاں نہایت قوتی اور

اظہارِ سرت سے نکال کر اور نہایت ادب سے تماشہ گاہ میں پھرائی گئیں اور نہایت مذہبی توقیر اور عزت سے یہ قریب کے گرجا سان کلیمنٹ ٹیرن کی گئیں :

روم اپنی جدی خوشی سے عیاشی، سنگدلی اور برائی کے سبب منہ گون تنزل کے غام میں گرا۔ بااخلاقی کبھی ہر قسم کی سوسائٹی میں اپنا بد اثر پھیلاتے سے نہیں چوکتی۔ اطوار کی اور عیاشی یا بیخجہول کی اور عیاشی ہو کر تھی۔ انسانی نفرت کا کینہ اثر ترقی پذیر ہوتا ہے اور چال چلن کے اخلاق کی جھلکیں کرتا ہے۔ تین دن اور دو م تنزل ہوئے۔ اپنے حکمرانوں کی اخلاقی کمی کی وجہ سے اور لوگوں کی ہوس اور اور عیاشی کے سبب۔ روم جو کہ زمانہ سابق میں تمام دنیا کا حاکم تھا۔ اُن وحشی قوموں کا شکار بنا چھوٹنے وسطیوروپ کے جنگلوں سے سر نکلا۔ اسی عیاشی اور اور عیاشی میں خراب ہو گئے۔ اور غریب و بیکار دھکے کھانے لگے اور کپڑے مانگنے لگے۔ ان کا دل ہی اتنا نہ تھا کہ اپنے ملک کی حمایت کرتے غرض یہی بہتر تھا کہ دنیا کے پردہ پار کا وجود ہی نہ رہا :

سکرات کا استعمال اور باعلاقہ مذہبی قوت سے مغفور ہو گئی جس نے لوگوں کے سوسائٹیاں پر اثر کیا۔ غرض اس طرح بدی کرنے کی خواہش یا تو زائل ہو گئی یا کم ہو گئی۔ مذہب نے انسانوں کی اپنی ضروریات کی طرف سے مطمئن کر دیا۔ لوگ جوق جوق جاتے۔ اور غریب اور اسی سبب برابر عیاشی بچھڑنے لگا۔ عبادت میں شریک ہوتے۔ اور یکساں سبب برابر؟ کیونکہ خدا کی نظمیں سب یکساں ہیں۔ کاش یہی خیال آج تک دنیا میں پھیلا رہتا! کیسا یہ نظارہ گاہ کر بھاتا! :

افسوس! آدم کا نام صفوحستی سے نہیں مٹا! قدرت میں اب حدن کا نشان بھی نہیں۔ پادری کا عہدہ ظلم کا وسیلہ بن گیا۔ چند کے فائدوں کے حامی عوام الناس کے فائدے کے حامیوں کے مقابلے پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور انھیں کی تقدیر میں اُن کو شریک ہونا پڑا جن کی افسوں نے مساوت کی تھی۔ مذہبی مسائل میں اختلاف رائے کا مرض پھیلا۔ جو بت پرستوں نے اوائل عیسائیت میں عیسائیوں سے سلوک کیا تھا وہی عیسائیوں نے اپنے مخالفوں سے کیا۔ مذہبی تعصب کی آگ دوبارہ بجھ کر۔ اور سید شل سابق آگ کا آئینہ بنے۔ پھر اُن لوگوں کی واسطے یاری اور تحمل کی ضرورت پیش آئی جنہوں نے حق کے واسطے جنگ کی تھی۔ اور نہایت شرافت انہیں بارہا شائبہ اٹھایا اور نہایت شرافت سے جان عزیز کو خیر باد کہی !

تعصب کا شعلہ آگ میں بجھ کر۔ اور سپین۔ فرانس اور آئرلینڈ کی ایک پہنچ جبرنی نے اس کا مقابلہ کیا۔ لوگوں کا مقولہ ہے : خدا کی مرضی ہے کہ وہ اولاد اس دنیا میں رہے جو ابداناً بائبل کے خونی

نڈر بیخیم اور فیاض ہو۔ اور وہ جو کسی چیز کا دراصل خوف نہ رکھائے بلکہ اپنے حسب اقتقاد اپنی تمام مخالف چیزوں سے نفرت کرے۔ اور اگر کچھ حق کی نسبت پر سرزنش ملے تو اسکی طلاق پر وہ اندر کرے۔ وہ رب العالمین ناموس سے نفرت کرتا ہے۔ اور وہ ناموس جو ہر چیز سے ڈرتا ہے اور یہاں تک کہ اگر کچھ بھی کھڑے کہ تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدکاری سے گناہ سے بے گناہ نہیں کہے پا دیں نہ سلطنت سے طاقت ہار کر زیر دستی ریخا پیش کو ملک بدر کیا۔ ایک شب وہ پڑھنا شروع کیا کہ خدایا میں بھروسہ کیا کرتے ہوں۔ اور جلاد بیٹھے گئے۔ تمام ٹپ سے بڑے مسپاتیہ کے شہر میں ایک کے شعلے بلند تھے۔ کچھ عرصہ گزرا کہ میٹر ڈکے قریب ایک درو کو خودی لگی۔ یہاں پراسٹنٹ جلائے گئے تھے چنانچہ مزدوروں نے یہاں سے یہاں کو لئے اور رکھ لگالی۔ یہ ان لوگوں کی ٹہریاں اور رکھ تھی جو کلیسیا کے حکم سے جلنے لگے تھے۔

اور اب اسپین کو اس پہلے تک سنگدلی سے کیا حال تھا؟ دولت نے اس سے کنارہ کیا۔ اور تمام ملک تقریباً وہاں پر گیا۔ لگ جامل میں اور بالکل ان کی کوئی پرغاہ نہیں کرتا۔ آٹھ لوگوں میں صرف ایک ایسا ملتا ہے جو پشت و خوات میں رک رکھتا ہو۔ یہ لوگ پادریوں کو اپنا قدرتی دشمن سمجھتے ہیں۔ اور ان میں سے یہ ہیں۔ اور یہاں تک کہ پادری بھی نہیں ہیں غوطے کھا رہے ہیں۔ ڈاکٹر لیس کہتے ہیں۔ بہت عجیب بات ہے کہ اہل اسلام کے زیر حکومت اسپین نے نسبت عیسائی حکومت کے زیادہ حال اور سودہ تھا۔ اہل اسلام کی حکومت زیادہ آزادانہ زیادہ بے تعصب اور زیادہ شایستگی تھی۔ اور یہاں تک کہ ایک ایسی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہاں کے باشندے زیادہ تعلیم یافتہ تھے اور زمین زیادہ کاشت کی جاتی تھی۔ اگرچہ یہ سلطنت اسلام کا آفتاب سپین کے افق پر غروب ہوا یہ ملک قریباً متواتر پس پاموتار مالو فلپائن شایبک بڑھکر مدعا ش تھا جس نے کبھی تخت پر قدم رکھا۔ شہلہ امیر اس نے حکم دیا کہ تدریس نہیں ہر ایک پراسٹنٹ ترجیح کیا جائے۔ اس کے ذریعہ لوانے جو چاہا سیاہ و سفید کیا۔ اپنی خونی مجلس کی امداد سے اور ملاوٹوں اور سنگدل صاحبوں کی معاوضت سے اکثر ایک ہفتے میں اس نے بیگناہ بندگان خدا کو گردن سے مروا دیا۔ پہلا قصور تو فریڈرک پراسٹنٹ کا تھا جو بننا تھا اور دوسرا مالڈا تھا آخر اگر قصور پر تھا لگ اور پراسٹنٹ میں کچھ غیر تھی۔ یہ دونوں خوب لڑے گئے اور برابر کیے گئے کوئی ۱۲ سال بعد اٹوانے اس پر بہت غور ظاہر کیا کہ اس نے پانی میں ڈبو کر۔ جہاں اور تلواریں سے گردن کر اٹھا رہا ہے اپنے جھنڈوں کا کام تمام کیا تھا۔ اسی تعداد ان لاکھوں دیموں کے علاوہ تھی جو اس کی دوران حکومت میں ملاحوں یا معروں میں کام آئے۔ اس وزیر کی چوری بھی اسکے قتالی کی طرح

عزیزیت صورت تھی :

مگر فرانس کا حال بھی اسپین ہی کی طرح تھا جب سے اس نے روم کی سرحدیں اختیار کی یہاں ہزاروں
بزرگان خدا جو مخالف تھے قتل ہو گئے۔ لاکھوں بزدلی پرستوں کے پارہ کھا دیئے گئے۔ جلانے گئے۔
اور عام طور پر ترسے گئے۔ فرانس میں تین صوبہ دار جان ماری کا عمل تھا اور آگ کے شعلہ بلند ہو رہے
تھے۔ کوئی چھ تو تھے مگر مشیر سپین کی خوشنودی علاج کیواسطے پیرس میں طبعی آگیں ٹال دیئے گئے :
مگر اس عالمگیر غریزی اور ظلم کی آتش ابھی تھی۔ چنسلر ویلموٹیل نے اسپریت زور دیا کہ اس
اہل ملک کو نیکی اور شرافت سے آراستہ کر۔ اور اپنے مخالفوں پر نصرت کے بیانیوں۔ دھا اور
خاطر تواضع سے حملہ آور ہوں۔ اس نے کہا : ہکو پٹن آئین الفاؤ چھوڑ دینے چاہیے۔ کہ ہم کسی غریب کو
تو تو بھولے کسی کو تو پی۔ اور کسی کو ہنگوٹائی کے نام سے پکاریں۔ بلکہ اسے بجائے ہم ان کو سیکے لفظ
عیسائی سے یاد کریں : اور اسپر چارہ چنسلر ہی کہلایا :

جب وائکا ونٹ ڈورنٹ بیون کے گورنر کے نام چارلس وٹ ازویم کا حکم پراسٹنٹ
کے قتل عام کے واسطے پہنچا تو اس نے جواب لکھا کہ میں نے جہاں پتاہ کا حکم ملتا اور اہل شہر کو نہ پایا۔
مگر حکم معلوم ہوا کہ یہ ایک تمام بہادر سپاہی اور نکاح لال رہا تھا۔ اور جلد ایک بھی نہ تھا :
اب والٹے اور پارٹھو لو مہو کا قتل عام آیا۔ پہلی تمام فرانس میں ہو چلی گئی۔ سنٹ بارٹھولومیا
قتل عام تک یورپ کے پراسٹنٹ فرقہ کی نظر میں تازہ ہے۔ یہ آدھ فلیپ دوم کا اسپینش
ارڈر سے انگلینڈ پر حملہ کرنا سو طویل صدی کی تاریخ میں بڑے بھاری محرک تھے :

اور لوئی چہارم دانی فرانس نے جو حکم جاری کیا اسپین بھی مطلق رجم کی بوند تھی۔ یہ حکم تھا کہ ہر ایک
پراسٹنٹ یا تو غرض کے ملک سے نکل جائے۔ یا مذہب تبدیل کرے ورنہ قتل قبول کرے۔ پراسٹنٹ امر
شریف۔ تجارت زمیندار۔ اور کارگر بننے سے انکار کیا۔ انھوں نے ہرگز نہ گوارا کیا کہ جبراً ان کا
اعتقاد نہوٹے مانیں۔ زمینداروں اور امیروں نے اپنی جائیدادیں چھوڑ دیں۔ اپنے خطابوں سے اٹھ دھوکے
اور ہر ایک جین اپنے دشمنوں کے حوالے کر دی۔ تجارت کارگروں کے ہلکا بھاگ گئے۔ اور کسی ایسے ملک
میں جا کر بود و باش اختیار کی جہاں ان کو اپنی ضمیر میرزوں کے سب حکم خدائے واصل کی پرستش کی آزادی تھی
اور یہاں اس میں انھوں نے اپنی محنت اور جانفشانی کا ثمر اٹھایا :

یہ موت نہ تھی جس کا ان کو خوف آتا تھا۔ ہزاروں نے تبر سے تیغ سے اور تکلیف سے جان بچا کر
خیر باکھی۔ موت سے ان پر کوئی بھاری نپاسکار۔ انھوں نے فرض پر اپنی جانیں قربان کر کے چڑھا دیں۔ جو

شریفانہ چال چلن اور نیکی بھری زندگی حکومت کو گونا گونا گویا ملتی ہے کبھی وہ فرانس میں دوبارہ نہ نمایاں ہوئی عرض
ایہ سے بیک غریب تک اور وہ جو پرائسٹنٹ کہلاتے تھے ایسا چال چلن اور شریفانہ حیات بسر کی کہ تخیل
چھوڑ گئے ہیں جو فرانس کی تواریخ کو دکھانا شاید اس سے۔ مگر تواریخ میں بہت کچھ یاد شاہوں اور شاہزادوں
کی حکومت کا حال لکھا ہے۔ ان میں ہر کوں اور فتوحات کا تذکرہ ہے۔ مگر مصیبت زدہ بالکل فراموش
کر دیئے گئے ہیں ۛ

کوئی چہار دم اور اس کی نام فوج ضمیر مزہ کی تفصیل کو نہ توڑ سکی۔ اس کی امانت پالنے والی نے فرانس میں ایک
داعی قتل عام پر بار کھا جس کا ساتھ برس سے زائد مدت تک سسکے بیٹھا رہا۔ اور نتیجہ کیا ہوا؟ اس کو ملک ملی اور حکومت
نصیب ہوئی۔ اس نے فرانس کو تباہ کر دیا۔ اور یکس کے بوجھ سے نیم جان چھوڑا۔ اس نے ہسپو گونا گویا کی
جلا وطنی سے تجارت اور زراعت کا ستیا ناس کر دیا۔ اور فرانس کو بیٹلی کا شکار کر دیا۔ جس کی تکمیل انقلاب
۱۸۸۹ء میں ہو گئی ۛ

مرکض اپنی تواریخ فرانس میں لکھتا ہے: ہسپو گونا گویا کی فرائض نہایت شریفانہ نمکھالی اور
نیک بختی تھی۔ یہ خیالی تو قیر غلطی۔ کیونکہ انسانی فطرت کی واسطے یہ نہایت مسترخش ہے کہ شیر القعد اور
لن و مرد صرف حق کی خاطر اپنی ہر ایک چیز سے دست بردار ہو جائیں اور اسے حق پر قربان کر دیں۔ اور زندگی
کو چھوڑ دینے کا دامن پکڑ لیں۔ اور اس قدر اہم اور شکل وقت میں اپنی جان تمیلی پر رکھ کر اپنے ملک اور
گھر بار کو الوداع کہیں۔ بعض کو یہ لوگ خندنی اور بٹ دھرم نظر آتے ہیں مگر مجھ کو شہر نہایت بلند خیال۔
معزز اور عالم جو مسئلہ معلوم ہوتا ہے جو فرانس کے آسمان پر مارے ہو کر چاک رہے ہیں۔ اور جن کا یہ مسئلہ
ہے کہ جان کو حق پر قربان کر دو! ۛ

اس سے قبل تعصب کی آگ انگلستان اور سکاٹ لینڈ میں بھی بھڑک اٹھی تھی۔ لندن کے مقام
سمتہ فیلڈ میں پرائسٹنٹس اور جادوگر جلانے جاتے تھے۔ مگر کھٹاک اور پرائسٹنٹس دونوں کے پاس
علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں جن پر ان کے شہیدوں کے نام درج ہیں۔ فارسٹ جو کہ ایک راجہ تھا
پہنری شہر کی حکومت سے انکار کرنے پر جلا گیا۔ کھٹاک اور پرائسٹنٹس دونوں طرف آگ
سستمل ہوتی تھی۔ حکمرانوں کے زمانے میں مذہبی تعصب بدیش سے بہت کچھ بڑھ گیا۔ جان راجہ اس نے
گرجا کے سامنے جلا دیا گیا۔ جان بریڈ فورڈ نے شہر میں جان دی۔ اور اپنے بھتیجوں کی جو اسی کی طرح کچھ
میں کھینچے ہوئے تھے۔ تسلی و تشفی کرتا رہا۔ اس وقت جان فلیٹ بھی آگ کی جھینٹ چڑھ گیا۔ اور نے ٹر
کرانمر اور دوسرے تو ان کے علاوہ ہیں۔ اس زمانہ کے لوگوں کے جوش اور طوے آبجل کی طرح نہ تھے ہم

کاٹ لٹے ہیں اور ڈنگے جاتے ہیں جیسا کہ تیرے ہر کردار کے بارے میں اپنے نزدیک غلطی کی جاتی تھی
بلکہ ان کو ایک گونہ اسیر شامانی حاصل ہوتی۔ ہر چنانچہ ان کی کلیاٹ کے لئے کہاں کی تیس تیس شکوہ میں بچنے سے
خوف کھاؤں جب تک یہ دیکھ رہا ہوں کہ میرے بھائی کے ہاتھ میرے واسطے سب پر کھینچتا
تبول کیا؟

ضمیر منہ کی خاطر انداز سامانی شاہ چارلس نے ہم کے عند تک باری رہی۔ ولیم کو کہتا ہے: جب سے
بارشام نے عنان سلطنت سنبھالی ہے۔ ۵۰۰۰۰ خاندان تباہ ہو گئے ہیں اور ۵۰۰۰۰ مردوں سے بڑھ کر
صرف خدائے دوا بوال کی پرستش پر توجہ ہوئی۔ چارلس دوم اور اسکے بوجہ سے دوسرے اس انداز کو
سکاٹ لٹلنگ پہونچایا۔ پرانے کھٹاک محمد میر عرف آگ کے ہی وسیلے سے پراٹھنٹ سے صواب کتاب
ہوتا تھا سکاٹونل بٹن نے جناح وشارٹ کو اپنے نیک کے سامنے آگ میں جلایا اور دیکھ سے اس کو راگھ
ہوتے دیکھا۔ چارلس اور جیمس کے پراٹھنٹ محمد میر پراٹھنٹ کو بختلاف افراسے
کے باعث جلایا۔ پرستش پر قتل کیے گئے۔ گولی سے مارے گئے اور پچاسی پر چھپائے گئے۔ مگر کا
نتیجہ صرف یہ ہوا کہ ان کا مذہب ان کے رگ رگ میں پیوست ہو گیا اور یہ دیکھ سے ولیم نے پراٹھنٹ کو بڑھ کر دیا
کو تکلیف اور مصیبت جو کچھ ان چاروں کو اٹھانا پڑتی تھی اس کو نہ کر دینگے کفر سے ہر قسم میں مگر انہوں
نے بہادری اور قہر سے اس کا سامنا کیا۔

راپرٹ کو لیر ساکن نیویارک کہتا ہے: میں یہاں ایک تصویر نگار ہوں اور یہاں یہ ایک
عورت کی تصویر ہے جو ایک ستول کے ساتھ لیٹ ہوئی ہے۔ اندر مضبوط بندھی ہوئی ہے۔ ہندو اسکے
پیروں میں لہریں مار رہا ہے۔ ایک ہماز قریب گذر رہا ہے۔ مگر اس چواری کی کوئی پروا نہیں کہ کاشکاری
پرند سے اسکے سر پر منڈلا رہے ہیں۔ مگر اس کو نہ تو ہماز کی پروا ہے۔ نہ پرندوں کی اور نہ سمندر کی۔
اسکی نگھیں اوپر اٹھی ہوئی ہیں۔ اور یہ اسکے مضبوط ہیں۔ یہ اپنے خالق کی طرف دیکھتی ہے۔ اور روح کو
کہہ رہی ہے کہ اس نے نیائے خالق کی تکلیفیں اس عالم بالا کی شادمانی اور خوشی کے مقابل میں کچھ حقیقت
نہیں کھینیں اسکے نیچے ایک سکاٹ لٹلنگ کے قبرستان میں یہ شعر لکھے ہوئے ہیں:-

اپنے خدا سے کو بھئی دل سے مانسی

اور صدق دل سے نظر جس کو جانتی

بس صرف اس تصویر پر جاں اپنی دہری

زہار پر نہ مجھندی پر کبھی چلی

”میں اسکو واسطے درج کرتا ہوں کہ جس میں اسکی طرف دیکھتا ہوں مجھ کو یہ خیال اور ہر دہائی بہار دیا اور جرات بہت اور دلیری کی زندہ تصویر معلوم ہوتی ہے۔ اور جو کہ اپنی تقدیر پر شاکر ہے اور ہر لمحے ایسی پر ثبات قدم ہے اور دل اس میں پریشانی ہے کہ بہت جلد عالم ارواح میں پہنچے گا۔ ”شاہ باغ“ کا نعرہ اس کے کانوں میں گونج اٹھیکا۔ ”سنوٹی سمیتھ اکتا ہے“ کہ قدرت عرصے تک اہل سکات لٹڈ مجبور کیے گئے کہ اپنا مذہب تبدیل کریں۔ سوار پیدل۔ تو جانے اور مسلح پر ہتھیار پر سٹیپرین کے تلاش میں بھیجے جاتے تھے۔ بہت کچھ خونریزی ہوئی۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ نیا مذہب اہل سکات لٹڈ میں نہ رائج ہو سکا۔ اور نہ کوئی چیز ان کو اپنے دعوہ طریق پر عمل کی عبادت کرنے سے باز رکھ سکی۔ مگر اس کے بعد سچی اور صریح التائید و استعمال ہوئی۔ سکیج اپنے طریق پر ضد کی عبادت کرنے کو واسطے آزاد ہو گئے۔ آسمان سے کوئی بجلی نہ گری۔ ملک بالکل تباہ ہوا۔ قیامت بھی ابھی نہیں آئی۔ اور سکات لٹڈ بن سلطنت برطانیہ کی زبردست طاقت کا نتیجہ ثابت ہوا جا ملے۔“

یہ تعجب کیو حال ہی میں معلوم ہوئی ہے۔ اب ہم انسانوں کو نہیں جلاتے۔ مگر اب انکو غیب دینے کی ضرورت ہے۔ شہادت کا عہد مغرب کے عہد کی طرح ختم ہو گیا۔ اب تو ہاگوگی باری جاتی ہے۔ یہ ہتھیار ہیں کچھ بچے جاتے ہیں۔ مگر تمام ہم نا اتفاقی یہودی تیسخ اور الزام کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ مگر انکو واسطے دلیری نہایت ضروری ہے جو حق پر ثابت قدم رہنا چاہتے ہیں۔ آج کل اس نا اتفاقی اور نفسا نفسی کے زمانے میں یہ بات اشد ضروری ہے کہ قوانین ربانی اور فرمان باری کے مطیع رہیں۔ اور آج کل زمانہ شہادت سے یہ امر بہت بڑھ کر کار ہے۔ ایک شہر مورخ کا مکتور ہے۔ ”علی اندر اسانی اور تکلیف دہی لکھوا سٹے بہت متوفی دوام ہیں۔ مگر صرف فتنہ اور ماندہ اعتقاد حبلی کوئی پرواہ نہیں کرتا کوئی نہیں پرچھتا۔ اس مہیت انسانی کا نام نہیں جو قابل توقیر ہے۔ کوئی فرد بشر ایسا نہیں جس کے دل میں رحم یا تاسف کا گھر ہو۔ یہ باتیں ظلم یا وحشی ہیں۔ بہت بڑھ کر تباہ اور برباد کرنیوالی ہیں۔“

گویا حقیقت ہم نے اندر اسانی کے کچھ بچوں کا خیال اپنے دل سے دور کر دیا ہے؟ آج کل چھاپہ عام ہے اور انسان اس کے ذریعہ سے اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ ہم ذیل کے فقرے کے بارے میں کیا خیال کر سکتے ہیں جو خیال میں لندن کے ایک اخبار میں نکلا تھا؟ ”اسکو مد نظر رکھ کر انسان کبھی اس نیلے کوچ کر لگا اور خوش خالی متوسل کی کا کیا عدا ہے۔ قتل اور سرزد کچھ نہیں سمجھ جاتے۔ اور ادب اشی اور انو لوپ کے اراض کا پھیلنا کچھ حقیقت نہیں کہتا اگر ان کو باہر سے مقابلہ کیا جائے جو تیر اور کیا بون کے عہد میں سرزد ہوتے تھے جب انھوں نے کلیسیا کی مخالفت پر مکرنا نہ دی۔“ یہ فقرہ قتل سنت بارہو کو میو کے

پرتو اپنا فلسفہ لوگوں کو سکھانے پر زندہ روم میں جلا دیا گیا۔ بطریقہ سوسکس منقلد کا قہر سمجھے جاتے تھے۔ جب پہلے پہلے ساکن بنگلہ برگ نے دور میں ایجاد کی۔ تو گلیلیلیو نے بھی اسی بنا پر ایک جیڈاؤر بین بنائی۔ اور اسکو وٹیس کے مینار سنٹ مارک پر یہ لیکر چڑھا تا کہ اجسام فلکی کا مشاہدہ کر سکے۔ اس نے ستاروں اور سیاروں نہایت ہی ناممکن البیان سہرت سے دیکھے۔ اس نے مشتری کے گرد اس کے دور سے دریافت کیے۔ اور آفتاب پر داغ دیکھے۔ اور پھر نہایت ایمانداری سے اسے سب باتیں لوگوں کو بتا دیں جو اسکو براہ راست اپنی دور میں سے معلوم ہوئیں۔ یہ اپنے مشاہدے میں لگایا۔ اور اپنی عمر میں شاید اس نے تمام اگلے علم ہیئت جاننے والوں سے بڑھکر چیزیں دریافت کیں۔ مگر اس نے ان کے خیالات کے باوجود بالکل برعکس تھا۔ گلیلیو روم میں طلب کیا گیا اور جو اس نے اپنے کفر کے مسائل شائع کیے تھے ان کی جواب دہی کا حکم ہوا۔ اسکو مجبور کیا گیا کہ یہ اپنی رائے سے دست بردار ہو۔ اس نے اقرار کیا کہ میں نظام شمسی کے سلسلہ سے انکار کرتا ہوں۔ لوگوں نے گلیلیو کی تصانیف کپتھر اور بٹلیورس کی تصانیف کے ساتھ منوعات میں درج کر لیں۔ گلیلیو نے پھر بدل مضبوط کیا۔ اور نئی کتاب ایک بطور سوال جواب کے اپنے مسائل کی حاشیہ میں شائع کی۔ دوبارہ یہ طالب ہوا۔ اور دوا فرما کر مجبوراً اسے اپنے سترت بخش مسائل سے منکر ہونا پڑا۔ گلیلیو کو اپنی رائے کی دلیری دکا رتھی۔ مگر یہ اسوقت مشرب کا ضعیف تھا۔ جب اس نے اپنے عقائد سے انکار کیا گلیلیو کو ایذا دی جاتی اگر یہ جواب دیتا۔ مگر تاہم حق دنیا میں موجود رہا۔ اور انسان مشاہدے کے سیدھے اور صلی راستہ پر لگا دیئے گئے۔

پاسکل کا بیان ہے: ”یہ لا حاصل ہے کہ تم (جمیٹوسٹ) نے روم سے گلیلیو کی نظام شمسی کے بارے میں رائے کی تردید کے لئے ڈگری حاصل کی۔ یہ یقینی ہے کہ اس سے کبھی زمین ساکن نہ ثابت ہوگی۔ اور اگر کچھ صحیح مشاہدہ ہو جائے کہ یہ گردش کرتی ہے تو تمام بنی آدم باہم ملکر نہ تو اسکو گردش کرنے سے روک سکتے اور نہ خود اسکے ساتھ گردش کرنے سے باز رہ سکتے۔ ممکن ہے کہ حق ایک عرصہ دراز تک دفن رہے۔ مگر لازماً یہ انجام کاوش پر آجائے گا۔ اور جہت درصائب اسکو پیش آئیں اور جس قدر عرصہ دراز تک یہ جدوجہد کرتا رہے اسقدر اس کی فتح اور غلبہ یقینی ہے۔“

کپلر کی زندگی بھی ایسی ہی غناک تھی جیسی گلیلیو کی۔ دراصل یہ ایک غریب لڑکا تھا۔ اور باوجود کم خیراتی سکول میں بھر لی تھا۔ اتفاقاً یہ بہت عالم و فاضل بن گیا۔ اسنے تشریحات گریز کی مسند ہیئت قبول کی اور آب اجسام فلکی کے مطالعہ میں مشغول ہوا۔ بعد ازاں یہ بادشاہ کا شاہی علم یا ضنی

منقرض ہوا۔ مگر اسکی تنخواہ صرف استیقت تھی کہ جس سے اسکا اور اسکے اہل عیال کا بخوبی گزارہ ہو سکے۔
 لکشمی میں روغن تھلک پادریوں نے اسے مذہب سے خارج کر دیا کیونکہ مشائے ربانی کے بار میں
 اسکی رائے مختلف تھی۔ یہ بات میں کو لکھتا ہے: "جہلاتم خود انصاف کرو کہ میں ایسے تمام نہیں ہوں
 کیا سادہ دلت کر سکتا ہوں جہاں تمام پادری اور سکولوں کے ہنرمیںری مخالفت پر تیار ہو گئے۔ اور
 بھیج کر کا فتویٰ لگایا ہوا ہے۔ کیونکہ ہر ہر میں میں وہ پہلو اختیار کرتا ہوں جو رضائے الہی کے
 مطابق ہوتا ہے۔"

بہمذازن کپڑ کو یوگن کی مسند نصیحت ملنے لگی۔ مگر اپنے پہلے کلیسیا کی تکالیف اور مضامین کو بخیر
 اس نے اس مسند سے انکار کیا۔ اس نے کہا: "میں اپنی دولت بوجہا سکتا ہوں۔ مگر بطور ایک ہنرمیں
 ال جرمیں میں رہنے سے مجھ کو اپنے اطوار اور گفتگو کی آزادی کی حاجت ہے۔ اور اسکو اگر میں تنہا
 میں ہی برقرار رکھوں تو اگر خوف نہیں تو انگشت نمائی تو باخبر و صحیح نصیب ہوگی۔ اور اس سے
 شک اور دشمنی کا شکار بن سکتا ہوں۔"

۱۹۱۱ء میں کپڑ نے وہ مشہور قانون قدرت دریافت کیا جو علم کی تواریخ میں باقیامت یا دوکار
 رہیگا۔ "سیاروں کے وقتی تفاوت کے بیچوں کو ایک دوسرے سے وہی نسبت ہے جو ان کے
 اصلی تفاوت کے معکوب کو ایک دوسرے سے۔" اس نے اس مسئلہ کی صداقت کو سب سے قبول
 کر لیا۔ اس نے ۱۱ سال کا طرز قریبی کی تھی۔ اسکا قول ہے: "میں اس کتاب کو لکھی گئی۔ اسکو
 خواہ حال کی نسل پر سے خواہ آئندہ کی۔ مجھ کو اسکی پرواہ نہیں۔ میں اس کتاب کے پڑھنے والے کا
 ایک صدی تک انتظار کر سکتا ہوں جس طرح خدائے قادر مطلق چھ ہزار برس تک ایشیا پر کا منتظر رہا۔"
 دوسری کتاب جو کپڑ نے شائع کی "وہ خلاصۃ المہیت بظلمیوس" تھی جو دم میں بعد
 تردید کے ذیل منوعات کی گئی۔ اور اسی اشار میں اسکے دل کو ایک نہایت سخت متعبدیت سے
 پہنچا۔ "مکی اللہ ایک ۱۱ سال کی فیض تہذیب کی گئی اور بطور جاوگرنی کے گ میں جہانے کی سزا کا
 حکم ہوا۔ کپڑ نے انھوں اسکی مدد کو پہنچا اور عین وقت پر پہنچا کہ اسکو اس سزا سے بچا لیا۔ مگر اور مصیبت
 کا سامنا ہوا۔ ریاست سٹریٹ نے حکم یا ۱۹۱۲ء کی ایک جبری کے تمام نسخے عام طور پر جلا دیے جاتے
 اسکا کتب خانہ حکماً ضبط ہو گیا۔ اور عام کی ناراضگی سے اسکو مجبوراً آئینہ چھوڑنا پڑا۔ یہ سب الپ سٹ
 ویلٹائن ڈیوک آف فیرڈیننڈ کی حمایت میں ساکن نہیں اور یہاں کچھ عرصہ بعد بخوبی جاری
 سے جو کثرت مطالعہ سے لائق ہوئی تھی فوت ہو گیا۔"

کو کمیس کو بھی ہم شہید سمجھتے ہیں۔ اس نے نئی دنیا کے دریافت کرنے میں اپنی جان قربان کر دی۔ اس بھائی سے کہ بہت عرصہ تک اپنے خیالات کی تکمیل کے واسطے جدوجہد کرتی رہی۔ اسکو چند کافی وجوہات کے باعث یقین تھا کہ اس امر کا جس سے تمام دنیا متفق ہو اور اسکی باتوں کو سنو اور حقائق میں نظر آتی تھی۔ اسکو یقین تھا کہ زمین گول تھی۔ حالانکہ تمام دنیا میں یہ خیال بھلا ہوا تھا کہ یہ ہوا تھی۔ اس کا خیال تھا کہ تمام کرہ ارضی کا وزن تری نہ ہوگا بلکہ خشکی بالضرور ہوگی۔ مہینہ شک نہیں کہ یہ ایک گمان غالب تھا۔ مگر روح کی شرفیاء صفات ایسی ہیں کہ اکثر ان کے وسیع سے بڑے بڑے باوجود کم شخص گمان غالب کو اعلیٰ روشنی میں دکھلا دیتے ہیں۔ اس کے اہل ملک کی نگاہ میں یہ امر بالکل ناممکن تھا کہ کو کمیس اس ناپید اکن زمین سے بچ کر کبھی کسی خشکی کے قطر پر پہنچے گا۔

کو کمیس جیسا کہ ایک علمی بہادر تھا ویسا ہی نہ سنی۔ یہ ایک ریاست سے دوسری ریاست کو گیا۔ بادشاہوں اور شاہنشاہوں کو اپنی معاونت کی تحریک کی کہ یہ نئی دنیا ایک بیحد پھل سے پہلے تو اس نے خود اپنے ہونٹوں پر امل جنوا کو آڑا یا مگر کوئی مقصد بھی ان میں ایسا نہ نکلا جو اسکی مدد کی حامی بنتا۔ پھر پرتگال کو گیا اور جان دیویم کو اپنی تجویز سنائی جس نے اپنی مجلس کے سامنے اسے پیش کیا۔ سب نے اسے ناممکن اور ایک طعناں خیالی بتلایا۔ مگر تاہم بادشاہ نے کو کمیس کے خیال پر عمل کرنے کی کوشش کی۔ اور جس جانب اُس نے کہا اس جانب ایک بیڑا بھیجا گیا مگر جہاز ران ۴۴ روز تک طوفان میں غرابخت ہو کر واپس آئے گئے۔

کو کمیس جیسا کہ واپس آیا اور پھر اس نے عوام کے سامنے اپنی تجویز پیش کی۔ مگر لا حاصل۔ بلکہ کسی امر سے یہ یاروس ہو سکا۔ نئی دنیا کے دریافت کرنے کا خیال اس کے صفحہ دل سے اٹھ ہو گیا تھا۔ یہ اسپین میں پہنچا اور انڈلو سیبا کے شہر یاوس میں اترا۔ اتفاقاً یہ خانقاہ فرانسیسیوں میں پہنچا اور دروازہ پر دست دی۔ یہاں کے مجاور نے نہایت رحمدلی سے اسکی خاطر واقع کی۔ پوراسکی سرگزشت سنی۔ اس نے اسے ہمت دلائی۔ اور دربار اسپین تک کسی صورت سے اسکی رسائی کرا دی۔ بادشاہ فرنانڈ نے اسکی اچھی خاطر مدارات کی مگر اس سے کہا کہ اپنی تجویز ملک کے داناؤں اور عقلمندوں کے سامنے پیش کرے۔ چنانچہ ایک مجلس قرار پائی اور کو کمیس کو علمی اعتراضوں کا یہی جواب دینا پڑا بلکہ پھیل کے مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اسپین کے پادریوں نے بیان کیا کہ زمین ایک چٹائی ہے۔ اور اگر گوندہ رکے پار کوئی قطعہ خشکی کا ہو تو پھر تمام انسان حضرت آدم کی اولاد نہیں۔ لہذا کو کمیس امتی بنا کر نکال دیا گیا۔

مگر اب بھی یہ اپنے ارادے پر ثابت قدم رہا۔ اور شاہ انگلستان اور شاہ فرانس کو اس نے لکھا مگر بے سود۔ آخر کار ۱۴۹۲ء میں لوئی ڈی سنٹ اسٹیس نے کو کمیس کو آزادیلا ملکہ اسپین کے حضور میں پیش کیا۔

اس شجاعت نے استغدر اور دوثق سے بکی سفارش اور تائید کی کہ ملکہ نے اسکی خواہش کو تسلیم کر لیا اور امداد کا وعدہ کیا تین چھوٹے چھوٹے جہازوں کا بیڑہ بنایا گیا۔ اور کتب میں چھوڑا گیا۔ اور کتبیں لے تیسری اگست ۱۲۹۲ء کو پاپاؤس سے نگر اٹھایا۔ یہ ایک عرصہ تک اپنے ہمراہیوں کی جہالت کا مقابلہ کرتا رہا اور اب اسکوان کی ٹال چستی کی تردید کرنی پڑی۔ اسکو بڑے بڑے خطروں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ آن دیکھے سمندر۔ طوفان کا خوف سفادگشی سے مرمت کا ڈر دہشت کا ڈر۔ بھڑکا پیدلکن کی سطح پر پانی کی بجائیاں صورت بعض اوقات انھوں نے بغاوت کی صورت اختیار کی۔ مگر کتبیں کا دل امید سے لبریز ہوا تھا اور سین لیری کوٹ کوٹ کر بھڑی تھی۔ آخر کار شہر ان کے منہ کے بعد زمین کی صورت نظر پڑی اور کتبیں نے سان ساویدور پر اپنا قدم رکھا۔ اسکے بعد کپتانی اور جہاں پانویا دیانت ہوئے۔ اور ان پر بادشاہ اور ملکہ اسپین کے نام سے فیض کیا گیا۔ اور خالاکر خیر سے پر ایک قلعہ بھی تعمیر کیا گیا۔ اسے کچھ آدمی چھوڑ کر کتبیں اپنی سرگذشت سنانے اسپین کو واپس آیا۔

عوام الناس نے نہایت گرج جوشی اور سرگرمی سے اسکا استقبال کیا۔ اور اسکی شہرت اسپین ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا کے پرے پر پھیل گئی۔ مگر اسپین میں بہت عرصہ تک رہ کر پھر امریکہ کو روانہ ہوا۔ اور اس مرتبہ جہاز میں ۱۲۰۰ آدمی تھے اسکی کرائی پر۔ تھے کئی امیر کبیر بھی اس مہم میں شریک ہوئے۔ اس نونوگواڈالوپ اور جیکو دیانت ہوئے۔ اور سان ڈو منگو اور نیو باکامبی کھنچ ملائے ان امیروں کو جس سونے کی خواہش تھی اسکا پتہ لگا۔ ان میں تفرقہ پڑ گیا اور اسکا انجام غوریزی ہوا۔ کتبیں نے بیفائدہ ان کے جوش کو سرد کرنے کی کوشش کی۔ مگر یہ اسکو نفرت اور خفارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور اسکو اپنی مصیبت کا بانی بنائی سمجھنے لگے۔

کتبیں دوبارہ اسپین کو واپس آیا مگر اتنے اسکی وہ خاطر تواضع نہ ہوئی۔ اور گوشاہ اسپین نے بہت کچھ مسرت کا اظہار کیا مگر اسکے سلوک سے صاف صاف مدد نہری ٹپتی تھی۔ اسکو معلوم ہوا کہ دربار میں اسکی طرف سے حد کا مرض پھیلا ہوا تھا۔ مگر دوبارہ پھر۔ امریکہ کو روانہ ہوا۔ چھ بڑے جہاز کتبیں کو مع اسکے ہمراہیوں کے نئی دنیا میں لگئے۔ اس موقع پر براہظ امیر اور دنیا ایک خبر سے کہ اسپین میں مدد دیانت ہوئے۔ اسی اثنا میں سان ڈو منگو کے باشندوں نے اہل اسپین کے ظلم اور بر جی سے براخیچہ ہو کر علم بغاوت بلند کیا۔ اور یہی نہیں بلکہ غرور اہل اسپین ہیں جو یہاں موجود تھے نا انصافی چھوٹ پڑی۔ کتبیں نے ان واقعات سے نہایت آزرہ اور بخیدہ ہو کر شاہ اسپین کو لکھا کہ سنٹ ڈو منگو میں ایک مجسٹریٹ اور ایک جج بھیجا جائے۔ دوبارہ کے کئی ایٹا سوں اور دشمنوں کی تحریک پر بادشاہ نے ڈون فرانسسکو ڈی بے بوڈیو کو

تمام اختیار اور مجاز سے عالم نو کا حکم بنا کر بھیجا۔ میں حج نہ تھا بلکہ جلا دھتا۔ اور کچھ بچکا جو پہلا کام اس نے کیا وہ یہ تھا کہ کوئٹیس کو مع اس کے دو بھائیوں کے حوالت میں قید کر دیا۔ اور پھر ان کو پابا بزرگ کر کے سپین کو روانہ کیا۔ کوئٹیس نے بھیج دیں میں جکڑا ہوا ہمارا پر سوار تھا۔ ہمارے کپتان نے اس پر رحم کھا کر اس کی دیکھیں کھول دینے کا ارادہ کیا۔ مگر کوئٹیس نے کہا: ”تمہیں! میں ان کو بطور اپنی خدمات کے بدلے کے رکھوں گا! اس کے بیٹے فرنیٹ کا قول ہے: ”یہ بھیجیں میں نے والد کے کمرے میں اکثر لٹکی ہوئی کچھیں اور ان کی وصیت تھی کہ ان کو قبر میں میرے ساتھ دفن کرنا!“

جب یہ جہاز اسپین میں پہونچا تو بادشاہ اور ملکہ بے بیڈلو کے اس سلوک پر بہت پشیمان ہوئے اور کوئٹیس کو رہا کر دیا۔ اس سلوک پر کوئٹیس بہت تنگ ہیں تھا۔ اس نے کہا: ”وہاں نے ہزاروں رنگ سے میرا مقابلہ کیا اور کچھ تمکین سے اسے روکا۔ مگر اب نہیں جہازوں سے نر زبان سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہوں۔ بچلا دیکھو تو کیسے وحشیانہ اور ظلم سے یہ مجھ سے پیش آئے!“

مگر اب بھی اس کی اہم امر روح مند پر محو رہی۔ اس نے اپنے چوتھے سفر کے وسائل ہتھ کیے اور خیال کیا کہ اس مرتبہ کے سفر سے اسپین کو بہت کچھ دولت ہاتھ لگے گی۔ آئیے اس نے خبر یہ گوانا جادیاقت کیا۔ اور ہانڈوراس، نیگاراگو، پاناما کا دورہ کیا۔ یہ وراگواس میں اترا اور یہاں سونے کی زرخیز کانیں ابھریں۔ اس نے دیا اُسے تین تین بریکائیٹی کا ٹائم کرنے کی کوشش کی مگر ایک طوفان اُڑا۔ اور ایک جہاز تتر بتر ہو گئی۔ اور مجبوراً اسے سان ڈوونگو کو واپس ہونا پڑا۔ اب یہ ضعیف ہو رہا تھا۔ اور مصیبتوں اور رنج و غم نے اس کو خستہ اور ماند کر دیا تھا۔ یہ بیمار تھا کہ اس کے جہاز دانوں نے بغاوت کی اور اس کی جان لینے کی دھمکی دی۔ یہ بیمار تھا کہ نہ کر سکا کیونکہ کوئی اس کا معاون نہ تھا۔ مگر ایک زمین نظر آئی۔ اور یہ جیموسا سلامت سٹان ڈوونگو میں پہونچ گیا۔ بعد ازاں یہ اسپین کو روانہ ہوا۔ اور یہ اس کا آخری سفر تھا۔ اب اس کی عمر ۷۷ سال کے قریب تھی۔ جس وقت یہ اسپین میں پہونچا اس کو کم از کم استعدرافعام کی امید تھی کہ جس سے اپنی زندگی کے دن آرام سے بسر کر سکے۔ مگر اس کی التجا بے سود ہوئی۔ یہ اپنی دہری کے بعد چند ماہ تک فلسفی تہنائی اور ایک قابل مرض میں تڑپتا رہا۔ بلکہ یہاں تک کہ مرتے وقت بھی یہ قریباً فقیر تھا۔ یہ شاکا تھا کہ اس کی تمہیں اس سے لیکر بچا لائی گئی تھی۔ ایک بالشت زمین بھی اس کے اپنے رہنے کو نہ تھی۔ اور سرسے کا لایہ ادا کرنے کی شش ماہ میں تھا۔ اس وقت اس نے اپنے ہونے کے الفاظ خوف سے نکالے جو اپنی سادگی کے باعث دل میں چھتے ہیں۔ ”میں ایک جتو ا کے باشندہ ہوں۔ دروازہ مغرب میں ہندوستان کی سرزمین اور جزیرے دریافت کیے!“ ولوڈ ولڈ میں ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء کو یہ جاں بحق تسلیم ہوا۔ اور اس کے آخری الفاظ تھے: ”اے اہم الامین میں

اپنی روح تیرے چکر کرنا ہوں۔ تو عرض اس طرح۔ ایک نبردست شہید دنیا سے رخصت ہوا۔ ہم کی ناکامی کا سیلاب بھی کیونکہ اس نے شرافت سے کوشش کی اور ایماندار فوت ہوا۔

بعض لوگ ایسے ہیں کہ کسی امر کی پوری سی وہ بدل جانے کو مخصوص کر دیتے ہیں۔ اگلے نازکے شہید۔ اگلے نازکے مہر جہاں۔ اگلے زمانے کے صنایع۔ اور وہ تمام جہیزوں نے حق کیوں ملے۔ نہایت کے مانستے اور جسے انسانی کے واسطے کار نمایاں کیے۔ انسانیت کی اُمید کے بانی ہیں۔ یہ لوگ زندہ رہتے ہیں۔ اور جنت کرتے ہیں اور دنیا کی فانی نفع کی اُمید کے دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔ ان کیوں ملے یہی کافی ہے کہ اپنا کام یہ جانیں اور اخلاقی طاقت کے عمل سے اس پر عمل نہ ہوں بلکہ یہ کہ ایسے شخص کو رکاوٹ پیش آئے اور یا تو کسی کا سامنا ہو نہ مصیبتیں اسکو چاروں طرف سے گھیریں مگر یہ کوشش دیری کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اور اگر یہ فوت بھی ہو جائے تو اس کے بعد ایسا کام ہو جائے گا جس کی تمام بنی نوع تقدیر کر لینگے۔

کیا مصیبت اور شکل نہیں درکار ہے تاکہ چال چلن کی صورت۔ طاقت اور محنت زندہ کی جائے؟ کوشش اور تحمل علامت اور نظامت۔ دہری اور صبر و جہد درکار ہیں۔ بہداری ایک قسم کی نیکی ہے جو کامیابی کی شادمانی سے بڑھ کر ہے جس شخص میں اس کا وجود ہوتا ہے وہ برداشت کرتا ہے مصیبت اٹھاتا ہے اور دل میں اُمید کو کچھ بھی لئے رہتا ہے۔ یہ شخص مصائب کا جسم سے سامنا کرتا ہے اور بھاری سے بھاری بوجھ کے نیچے سیدھا کھڑا رہتا ہے مصیبت گرجے اور تحمل سے برداشت کیجائے تو انسان کی نہایت ہی اعلیٰ صفات میں سے ہے۔ اس صفت میں ہی کوئی چیز لپی ہے جو انسان کو بہادری کے اعلیٰ ترین درجہ پر پہنچا دیتی ہے۔ ملٹن کا یہ مقولہ تھا: "جو شخص بار مصیبت اچھی طرح اٹھاتا ہے وہی سبک اچھا کام کرتا ہے۔"

یہ سمجھنا غلطی ہے کہ کبھی ایسا زمانہ بھی آتا ہے کہ بہادری کی نیکی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یا شہادت کے زمانے ہی میں یا جاندار کوششوں کے عہد میں ہی یہ نیکی درکار ہوتی ہے۔ ایک ایسی نسل کی خواہشوں کا روزمرہ مقابلہ کرنے میں جس نے عاجی جو صلی کا خیال چھوڑ دیا ہو۔ اور جو کہ عیش و عشرت کے ماتھے فرض کی جگہ کھڑے ہو۔ اسوقت اس نظامانہ طاقت کو واسطے بہادری کی اشد ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

جنگ میں بھی تحمل ایسی ہی اعلیٰ نیکی ہے جیسے دیری۔ اور اب چونکہ جنگ نے علم کی صورت اختیار کی ہے تحمل کا مرتبہ اور بھی اعلیٰ ہو گیا ہے۔ نہایت ہی عمدہ قواعد و ان پاسی کو جس جگہ

کھڑا کیا گیا ہے سستی کھڑا رہنا ضروری ہے۔ مستعد رہو۔ جوانوں! حکم ہے۔ سپاہی بغیر حرکت کرنے کے بہادری سے خطرے کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوتا ہے۔ اور اسکے ارد گرد گولیوں کی بوجھاڑ عوامائیل کا کام کرتی ہے۔ جب یہ آگے بڑھتا ہے اس وقت اسکے واسطے قتل ضروری ہے۔ اور پھر حملہ کا وقت آجاتا ہے۔ مگر جب تک حکم نہ ملے اسکو مطلق اجازت نہیں کہ بندوق اٹھائے مگر صرف حملہ ہی کے وقت قتل عدد درجہ کا ضروری نہیں بلکہ اسوقت بھی جبکہ شکست لکھا کر پیچھے پھڑ ضروری ہوتا ہے۔ اس روشنی میں دیکھنے سے نر تو فٹا کی دستہ ر جوانوں کی مراجعت سکند کی فتح کو چپکا رہی ہے۔ اور سر کر کو تھامیں سر جان موس کی واپسی ہی جی مشہور ہے جیسے دلگش کی فتوحات + دنیا میں کثرت ایسے آدمی گورے میں جنہوں نے اپنے ملک کی خاطر جام شہادت پیایا ہے۔ کالون نے گارڈن کے لہراتے ہوئے سر سبز اور زرخیز کھیتوں کو سامنے دیکھ کر کہا: یہ بڑے شہر کی بات ہے۔ کہ ایسی زمین ان بدعاشوں کے تصرف میں ہو جو ہمارے مذہب میں نہیں آگے بڑھو! اور ان کی زمین پر قبضہ کر لو! آ

جب اہل فارس نے یونان پر حملہ کیا تو لیونیڈ اس اپنے ۳۰۰ جوانوں کو لیکر درہ تھرا پہلی پریشمنوں کے مقابلہ کو پہنچا۔ ایک بڑی خونریز جنگ شروع ہوئی۔ بہت سے حملہ آور موت کا شکار ہوئے۔ لیونیڈ اس اور یہ معدودے چند اسکے ہمراہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ مگر یونان بچا گیا + جو دس مگالیں بھی لیونیڈ اس سے کسی طرح کم بہادر نہ تھا۔ اس نے اپنی اُمید دل میں لیے ہوئے ۸۰۰ نوجوانوں سے ۲۰۰۰۰ سرایہ والوں کا مقابلہ کیا۔ جو دس المیہ پر اپنے قدم جمائے۔ اور اسکے ہمراہیوں نے اسے وہی کی تحریک کی۔ اس نے جواب دیا: خدا کرے کہ میں بھاگوں۔ اگر ہمارا وقت پورا ہو گیا ہے تو ہنگو چاہیے کہ اپنے بھائیوں کی واسطے مرجائیں اور اپنی عزت پر دھبہ نہ آئے دیں۔ جنگ بڑی غضبناک اور خونریز تھی۔ جو دس اس کے ہمراہیوں نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ اور آخر کار ایک ایک کر کے بغیر پیٹھ دکھلانے کے سیکام آئے مگر ان کی موت لا حاصل نہایت ہوئی۔ یہودیوں کے دل مضبوط ہو گئے۔ انہوں نے حملہ آوروں کو مار کر بھگا دیا اور جو بچا بچھڑا مشرق کا نہایت عالی شان شہر بن گیا +

اہل روم کو بھی بہادری اور اپنے ملک کی حمیت کی خبر تھی۔ مگر ہم اس سے قریب تر زمانہ میں آتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ملکوں نے جن کی آبادی مقابلتا کچھ بھی نہیں سجدہ شکنگوں کے سامنے اپنی آزادی برقرار رکھی ہے۔ یہ ملک کی وسعت نہیں ہے بلکہ اس کے باشندوں کا چال چلن ہے جو ہر کو

قابل قدر بنا لے۔ اور شہرت کا تاج اُسکے سر پر لگتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ بچے در بچے آزادی کے واسطے چلاتے ہیں۔ مگر کوئی کام ایسا نہیں کرتے جو اسکے سزاوار ہوں۔ یہ کابل سستہ اور غرض رشتے ہیں۔ اس قسم کی حب الوطنی کی کچھ بھی توفیق نہیں ہو سکتی۔ یہ ایسی ہے جیسے کہ تھیرے چلا رہے ہوں سچی حب الوطنی کچھ اور ہی چیز ہے۔ اسکی بنیاد ہوتی ہے دیانت داری پر۔ صداقت پر۔ فیاضی پر۔ ایثار پر۔ اور آزادی کی سچے عشق پر۔

مثلاً سوئٹزرلینڈ کی چھوٹی سی سلطنت کو دیکھو۔ جو سینکڑوں برس تک ظالمانہ فرمانروائی کے نیچے دبی رہی۔ مگر لوگ یہاں کے کفایت شعار اور بہادر ہیں۔ اور دیانت اور خودمداری اسکی اصل ہے۔ انہیں خواہ کوئی بھی فرمانروا نہ ہو مگر بھی خود اپنے آپ پر حکومت کر لیتے۔ انھوں نے ضمیر مزہ کی آزادی تسلیم کر لی۔ اور سوئٹزرلینڈ بھی انگلستان کی طرح ہمیشہ ان لوگوں کا گناہ ہے جو دوسرے ممالک سے ایذا اور عصبیت اٹھا کر نکلتے ہیں۔

مگر بغیر سخت کوشش کے سوئٹزرلینڈ نے بھی اپنی خود مختاری نہ حاصل کی۔ ان بہادر لوگوں کے رہنا اکثر اپنے ملک کی بھلائی کی خاطر قربان ہو گئے۔ مثلاً آرنلڈ وان ونکلرٹڈ۔ جس نے عین شہر بادلوں نے سوئٹزرلینڈ پر حملہ کیا۔ اور تعالٰیٰ ایک قلیل التعداد جماعت نے ان کے مقابلے کا ارادہ کیا۔ چھوٹے شہر سپاک کے قریب آسٹریا والوں کی فوج نہایت تہمت اور استعمال سے نیزے اٹھائے ہوئے بڑھتی نظر پڑی۔ اہل سوئٹزرلینڈ نے ان کا سامنا کیا۔ اور چونکہ ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی ان کو مجبوراً ہٹایا پڑا۔ یہ دیکھ کر آرنلڈ وان ونکلرٹڈ سے نہ رکا گیا اور اپنے اہل ملک کے پیروشنوں کے مقابلے میں کھڑے ہوئے دیکھ کر ان سے چٹا کر کہنے لگا۔ تم میں آزادی کیو واسطے رشتہ کھوتا ہوں! پس اگر ہم اس پر میرے اہل خیال کی خبر گیری کرنا۔ یہ آگے بھٹا اور فوج کو پھانٹ کر بقدر نیزے اٹھائے تھیں آئے اُسے لیکر اپنے سینے میں مار لیے۔ یہ تہیجاہ گڑا مگر فوج کا پر اچھٹ گیا۔ راستہ کھل گیا اور اہل سوئٹزرلینڈ نہایت دلیری سے اس پر گھس گئے۔ اور نہایت عمدہ طرح غالب آئے۔ آرنلڈ وان ونکلرٹڈ تو مر گیا مگر اپنا ملک بچا گیا۔ اس چھوٹی سی بہادری جمہور نے اپنی آزادی بچا لی تھی۔ یہ لڑائی ۹ جولائی کو ہوئی تھی۔ اور ہر سال بعد اس روز نام ملک کے لوگ اپنے جان باز رہنما کے ذریعہ سے آسٹریا والوں کے پنجے سے رانی پانکی یاد گاریں جمع ہوتے ہیں۔

مگر سوئٹزرلینڈ کی عورتیں بھی ایسی ہی بہادر ہیں جیسے کہ مرد۔ عورتیں اخلاقی اور جانی خطرات کے رخصت ہی طرح ملے کرتی ہیں جس طرح کوئی بہادر سے بہادر آدمی سے کہے۔ یہ مردوں ہی کی طرح

اُس خطرے کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوتی ہیں جو ناگہانی اور دہشت انگ ہوشِ نل ہے کہ بہادر بہادروں کے بیٹے بیٹیاں ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ بہادری میں نشوونما پاتے ہیں اور ان کی تشکیل سے ان کے دل بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

۱۲۲ء میں قریبا جنگِ سپاک کے دو سو برس بعد شاہنشاہِ اُستریا نے گریزن کو طبع کرنا چاہا۔ صرف اس غرض سے کہ پرائسٹنٹ مذہب کے پادریوں کو کاغذ کم کرے۔ اسکی قوج درہ پرائیگ میں پہنچی۔ یہ درہ چاروں طرف سے بڑے بڑے بلند پہاڑوں سے محصور ہے۔ مرد و ستھر تھے وہاں کی چوٹیوں پر اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ اور صرف عورتیں باقی تھیں۔ اور جو بھی ان کو اُستریا والوں کی آمد کی خبر ہوئی۔ انھوں نے اپنے شوہروں کے آلاتِ حرب اٹھائے۔ اور ان کے مقابلے کو دوڑیں۔ سوئٹزرلینڈ میں ایسے درے ہیں جن میں بعض اوقات چند شخص ہی ملکر ہزاروں کا منہ بھر سکتے ہیں۔ پہاڑ کے اوپر سے پتھروں کی بوجھاڑ کرتی ہوئیں عورتیں نیچے اتریں۔ اور اب اُستریا والوں کے کُڑھ کھڑ گئے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بھی عورتوں کی طرح بہادر تھے۔ چنانچہ اس کے ٹھوڑے ہی عرصہ بعد وہاں نے صرف لاکھٹیوں کے بل پر قلعہ کاٹل پر حملہ کیا اور اسے قابض ہو گئے! اس موقع پر عورتوں کی بہادری کی وجہ سے عام دستور ہے کہ اس درے کے میں محب ہیں پہلے عورتیں جاتی ہیں پھر مرد۔

خوش ایسے بہادر مرد اور ایسی بہادر عورتیں ہیں جن کی اہل ہوئیں رنڈ تعذیب کرتے ہیں۔ اور یہ نہ خواہر کہ دو شخص ہیں۔ ایک تو ولیم ٹل تیر باز اور دوسرا ونگلر پائیئیرہ باز۔ گو پہلے شخص کا نام بطور کہانی کے لیا جاتا ہے مگر دوسرا ایک تواریخی بہادر ہے جس کا نام یہ رہتا تھا وہ ایک اسکاٹلینڈی طرح میں مشہور ہے۔ اسکا زہ اب تک نہایت حفاظت سے رکھا ہوا ہے۔ اور اسکی یادگار میں ایک بُت بنایا گیا ہے۔ کوئی پانچ صدیاں گزریں کہ انگریزوں کو شمال میں ایک بادشاہت فاش کھانا پڑی جو میں نہایت مفید ثابت ہوئی۔ اسکاٹلینڈ ایک غریب ملک تھا جس میں پہاڑی اور وحشی اقوام رہتی تھیں۔ لوگ ملک میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ یہ ملک ان گاتستان کے قریب ہی تھا اور حکم کی واسطے راستہ صاف تھا اور یہاں کے لوگ متفق نہ تھے۔ اور نہ ایک سب سے اہل کے تھے۔ لوگوں میں نے دن لڑائی جھگڑنے اور خونریزیاں پہنچائیں۔ ایک ایک کے خون کا پیاسا تھا۔ اور بطن ایک دوسرے کا ضرورت کے وقت معاون نہ بنتا۔

بروس کے مہم و ملیں یہاں کے تخت پر بیٹھا۔ اور ایڈورڈ شاہ انگلستان نے اس کے حمہ زیرین کو فتح کر لیا۔ ویلس نے نام ملک میں قومی ہوش بھڑکانے کی کوشش کی مگر نتیجہ فانی طور پر نہایت

چالاک اور ہوشیار تھا۔ مگر لڑائی ٹھاننا چاہتا تھا۔ اسکو ہرگز نصیب نہ ہوا کہ اس قدر فوج جمع کرے جسکو ایک ایک جان مار لائی لڑے۔ اسکو فالنگ کر پر شکست ملی۔ وہ جیتو تاس شخص کو، کامی نصیب ہوئی تاہم نہاد کی کامیابی کی واسطے جو اس نے لی ہر قومی حقیقت تھی وہ نہ ناکل ہوئی۔ آخر کار جو کہ میں اگر ولس کو لڑا اور انگریزوں کے حوالے کیا گیا۔ لندن پہنچ کر شہر میں سنٹ پارکھو لو میو کے تیار کے ایک روز قبل قلعے سے نکلے فیلڈ میں لایا گیا اور یہاں اسے پھانسی ملی۔ غرض اس طرح شہید آزادی کو موت کا شکار ہونا پڑا۔ مگر اسکی زندگی لا حاصل ثابت ہوئی۔ اس نے اپنے اہل ملک کے دلوں میں حب الوطنی بھونک دی۔ اور وہ زمانہ لایا گیا جب پاس قابل ہو گئے کہ کسی تیل کی تقلید کامیابی سے کر سکے۔

رابرٹ بروکس قوم نارمن سے تھا۔ یہ آدھا انگریز اور آدھا سکلوج تھا۔ اور اپنی مادی قیادت سے اس نے سکاٹ لینڈ کے تخت کا دعویٰ کیا۔ بہت کچھ خطرے اور چند در چند مصائب و زشت کر کے جن کا اس نے نہایت دلیری سے سامنا کیا۔ اس نے میان دھن کی ایک فوج جمع کی۔ اور ۱۳۰۳ء میں تمام بنکیرن پر یہ انگریزوں کے سامنے ہوا۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے تمام فوج نے دوزانو ہو کر نماز کے واسطے سر جھکا لئے۔ ایڈورڈ ثانی شاہ انگلستان یہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے مصاحب کی طرف پھر کر کہا: "ار جیٹا سن۔" یاغی مطیع ہو گئے! یہ معافی کے خواستگار ہیں! اب جواب ملے جہاں پناہ آپ بجا دیتے ہیں۔ مگر وہ آپ سے معافی کے خواستگار نہیں! غرض لڑائی شروع ہوئی اور سکاٹ لینڈ کا ستارہ غالب رہا۔

دوم میں جو انگریزی سفیر تھا اس نے جان دو از دوہم کو تحریک کی کہ رابرٹ بروکس کو لکھا کہ سلطنت سکاٹ لینڈ کو مذہبی طور پر اپنے زیر فرمان کرے۔ اس عرضنے کے آنے پر اور بعد میں شہزادہ میں ایک ٹبرجی مجلس منعقد ہوئی۔ آٹھ اہل اور ۲۱ آؤر مار نے مجلس کی طرف سے ایک خط لکھ کر اپنے دستخط سے لکھا کہ جب تک ہم ہیں یہ ایک مستوفض بھی زندہ ہیں ہم ہرگز انگلستان کے مطیع نہیں گے۔ ہم نہ تو شاہانی کے واسطے لڑتے ہیں نہ دولت یا عزت کے واسطے۔ بلکہ صرف آزادی کی خاطر جسکو ہر ایک جاندار دنیا کے پر دے پر پسند کرتا ہے۔ "گو بخیرت لڑائیاں ہوئیں۔ اور بڑی بڑی زیر دست قوموں نے اس کو زور قوم کو نئے نامی طریقوں کے اختیار کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی مگر نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ تمام تواریخ سکاٹ لینڈ کی ان کوششوں کی ہم تردید ہے۔ اسکا سب سے اول تو شخصی طاقت اور بعد میں نصیب مینزہ کے حقوق۔

انھیں ایام میں ایک اوشکست انگریزوں کو نصیب ہوئی جو بنکیرن کی طرح بعد میں بہت نصیب کا بھونکا۔

اور یہ معاہدہ آرمینیا تھا جس سے بقول ڈاکٹر ارنا لڈ نہ تو ایسے اقوام کی کامیابی ملے گی، انگریزوں نے فرانس کو پامال کر دیا تھا۔ یہ پیرس میں پہنچ گئے تھے اور آرمینیا کا معاہدہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت فرانس کی حالت نہایت مصیبت زدہ اور قابل افسوس تھی۔ بڑے بڑے سربراہ اور اراکین سلطنت نے پارٹا چھوڑ کر سرحد کو چھوڑ دیا تھا۔ اور الگ الگ اپنی اپنی چھوٹی چھوٹی خود مختار سلطنتیں قائم کرنے میں مصروف تھے۔ شہر کے شہر کا مزارعت مٹ چکے تھے۔ لوگوں پر جبراً محصول لگائے گئے تھے۔ اور یہاں تک کہ بادشاہ کی شکم سیری کی واسطے بھی کوڑی روپیہ اور فوج کے اخراجات اور کنسار رہے لوگوں کا اعتماد بادشاہ اور امرا و سب سے اٹھ گیا اور ان کے دل میں یہ بتا تھی کہ خدا تعالیٰ سے کوئی سبب اچھا ملک کی بہتری کا پیدا کر دے۔

سیحان اتھا کہ جسے خفیف سی بات نے ایک نام قوم کی حالت بدل دی۔ ایک عورت۔ ایک ہتھکان لڑکی جو بیچاری سوئی کا کام کرتی تھی اور رویشیوں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی فرانس کی مدد کو نکلی۔ اسکا نام تھا جون آف آرک۔ اور یہ آدین کے قصہ دوم ری میں پیدا ہوئی تھی۔ یہ لڑکی سیھی سادی نیکیبت اور متقی اور دیندار تھی۔ چونکہ اہل فطرت میں سرگرمی اور بوش کوٹ کر بھرا تھا۔ یہ بڑے بڑے پرجوش خواب بکھا کرتی اور کسی کو اپنے کان میں کچھ کہتے ہوئے سنتی۔ اس نے کسی کو کہتے ہوئے سنا کہ شاہ فرانس کی مدد کو جاؤ یقیناً جان کر تیری مدد سے دوبارہ اسکو سلطنت ملے گی۔ کپتان یا ڈیو پکوریٹ کو جب یہ سنی خواہش معلوم ہوئی تو یہ اسکو دیا تو اسے سمجھا۔ مگر آخر کار یہ اسکی صدقہ نبی سے بہت متوجہ ہوا۔ اور ایک شرف فوج کا اسکو دیکر بادشاہ کے پاس بھیجا۔ یہ ۱۵۰۰ میل تک انگریزوں کی غلامی سے گزری اور بالآخر پیرس تک پہنچا۔ سلامت بادشاہ کے دربار میں جا پہنچی۔

بادشاہ تو یہ چاہتا ہی تھا کہ خواہ کسی طرح ہو کوئی ایسی مدد کو نکلے۔ پادریوں اور دینداروں نے اسے جادو گرئی سمجھا اور خیال کیا کہ شیطان کی ورغلائی ہوئی ہے۔ انگریز بھی اسلئے تنہا نہیں غرابی اور بے ترتیبی کا شکار بننے لگے تھے۔ یہ آرمینیا کے سامنے ہاتھ پرجہاں کھڑے ہوئے اور ان کی طاقت دن بدن سرعت تمام کمزور ہونے لگی۔ ارل آف سالسیری کی وفات کے بعد بہت سے سپاہی فوج سے علیحدہ ہو گئے۔ اور برگنڈی جو انگریزوں کے شریک تھے اپنے ڈیوگ کے حکم پر واپس آ گئے۔ اب صرف کوئی ۲۰۰۰۰ تا ۳۰۰۰۰ انگریز رہ گئے اور یہ بھی دوزخ کمزوری اور غرابی میں پڑنے لگے۔ مکملٹ کا قول ہے: "اُن جو اندر اور کشیدہ لڑنے والے کپتانوں کی خدمت پڑھ کر جنوں نے فلو میں گھر کر آرمینیا کو چھڑا اس سے یہ محو کہ بہت عجیب خیر نہیں معلوم ہوتا۔"

جون آف آرک نے انگریزوں پر حملہ کیا اور گویہ دوشیزہ اس حملہ میں بھی ہونگی مگر انگریزوں کا ہر کچھ گھٹے۔ مگر انگریزوں کے معاصر ہی کے اٹھانے پر اسکو اطمینان نہوا۔ اسکو خیال تھا کہ انگریزوں کو ملک بدر کر دے۔ چنانچہ اسکی لکمان میں فوج نے انگریزوں پر پھر مقام پائے پر حملہ کیا اور یہاں پھر انگریزوں کو شکست ملی۔ اور اسکی پیشین گوئی کے مطابق مقام ہینری میں چارلس کو تاج پہنایا گیا۔ اب جس کام کا اس نے ارادہ کیا تھا اسکو اس نے تکمیل کو پہنچا دیا۔ اور اب اس نے چاہا کہ اپنے وطن کو جاکر اپنے والدین سے ملے اور اپنے موبیشیوں اور زراعت کی نگرانی کرے مگر ارادہ اسکی در خواست نامنظور کی۔ اس نے چشم خود دیکھ لیا تھا کہ اس طرح جون آف آرک کی بدولت فرانسیسی فوج فتح اور نصرت کے مرتبے پر پہنچی تھی۔ لہذا اس نے اسکو فوج میں ہی رکھنا چاہا مگر اسوقت وہ بھروسہ اسکو اپنے پر نہ رہا۔ یہ ڈانواں دل اور بے چین ہونے لگی۔ اور گویا اس نے ڈرائی جاری رکھی مگر کوئی فیصلہ نتیجہ اس سے ظہور میں نہ آیا۔

انگریزوں اور برگنڈیوں نے پھر ملکر دیاسے آئز پر کھینکی کا معاہدہ کیا۔ اسی روز جون آف آرک نے حملہ کیا اور قریب تھا کہ یہ غالب آئے۔ مگر انگریزوں اور برگنڈیوں نے اسے شہر کے دروازے تک پہنچے ہٹا دیا اور یہاں یہ گھر گئی۔ چنانچہ برگنڈیوں نے اسے گھوڑے سے کھینچ لیا اور قید کر لیا۔ غرض اسی کے بل وطن نے پکڑ کر اسے روانہ کی عدالت کے حوالے کیا تاکہ اسکا مقدر کیا جائے۔

بڑے بڑے فرانس کے پادری اور شپ اسکے فیصلہ کو واسطے مقرر ہوئے۔

شاہ چارلس صفحہ نے حکم فرمایا کہ بہار دوشیزہ کی بدولت تاج و تخت نصیب ہو اٹھا اسکی رٹائی کی زد بھی کوشش نہ کی۔ غرض بہت طویل طویل بحث کے بعد مذہبی عدالت نے فیصلہ کیا کہ یہ اسکی سر اسر شہان کی مطیع تھی۔ اور اسوقت زندہ جلا دینے کے قابل تھی۔ فرانسیسی برگنڈیوں نے بھی اسکی اس سخت منہ کی کچھ تردید نہ کی۔ اس ناپیس یہ رسم تھی کہ تمام جادوگر اور جادوگریاں اور جوشیلا کے مطیع ہوتے تھے زندہ جلا دیے جاتے تھے۔ چنانچہ جون آف آرک کو بھی یہی سزا ملی۔ غرض اس دوشیزہ نے زندان میں پاپیس ڈی لاپوسیلی پر جام شہادت نوش کیا جہاں اسکی یادگاریں ایک بہت اہم مکتبہ ہے۔

مکتبہ کہتا ہے۔ تو تاریخ ہر جہد شہیدوں کے نام بتلاتی ہے جو زیادہ یا کم غرض ہر طرح نیکیت اور شہادت تھے۔ بہت سے تکریر کے شہید ہیں اور اسی طرح مادہ مخالفت اور نصرت کے۔ کوئی زمانہ بھی شہیدوں سے خالی نہیں۔ شیکسپیر دوشیزہ اپنی آپ ہی نشانی ہے جو سبکی سخاوت اور روح کی فوج

میر ہے۔ اس میں ناز سابق کے شہیدوں کی بشاشی اور شادمانی تھی مگر کچھ فرق تھا۔ جو ان نے سخت سخت مصیبت اور جنگ میں حکم کو نہ چھوڑا۔ یہ بدوں میں نیک تھی۔ خود جنگ میں پر امن تھی۔ اور رٹائی میں یہ خدا کی روح اپنے ساتھ لیجاتی تھی؟

فرانسیسی جان آف آف کو بھولے نہیں بہت سے بہت اُسکی یادگار میں بنائے گئے۔ یہ فرانسیسی سپاہیوں میں نسل بعد نسل تقدیس کی تھی ہی ہے۔ جب کوئی دستہ فوج کا ڈوم ریگی میں سے گذرتا ہے تو سپاہی بلا ناغہ اُسکی مولد کی توقیر اور عزت کے لحاظ سے یہاں سلامی دیتے ہیں۔ یہ امر نہایت ہی مؤثر ہے کہ ایک یہ رسم مروج ہے۔ اور اس دوشیزہ کی یادگار اسکے لاک میں جکی اس نے اپنی وفاداری اور بھائی بھائی خدایت کی انتہا تک تروتازہ ہے۔

پابشتم

انجام تک بردباری۔ سیوونا رولا

شرع کو کرتی ہے مطلوب محبت اور روح
جو بظاہر بھی فراموش یہ کرتی ہے خیال
کہ خدا قادر مطلق بھی جدا جس سے یہ
ذات سے اُس کی ہوا اس کا دوبارہ ہے مال
لیڈ کر گود میں آرام سے اس کی پھر یہ
جاتی ہے سونے عدم ہو کے قناعت سے مال

(کیبل)

زندہ رہتے محض زندگی نہیں اسکا نام اور موت نہیں کہ صرف پالی یا موت کا جام
(دھندل)

اب ہم اٹلی کے چند بڑے بڑے بہادر شہیدوں کا ذکر کرتے ہیں۔ نروال سلطنت روم کے بعد انسان
کی کینی فطرت نے پھر زور پکڑا۔ مذہب کا ان میں کچھ دخل نہ رہا۔ اور فی الحقیقت کلیسیا نے ان کی پیروی کی۔
سینٹ پرنسپل روتنے رویوں پر ان میں شرمین انانامیں ان کی بدلیوں اور عیبوں کا دھبہ لگایا۔ ان کی

فعل انکیش اور کبر سے کون علم ہے؟ یہ وہ قوم ہے جس نے سرکشی اور بغاوت میں نشوونما پایا ہے۔ اور جو کہ مطاعت کی تحقیر کرتی ہے۔ جب تک کہ میں ذرا بھی مزاحمت کی طاقت ہے۔ ضرر رسانی میں چالاک۔ اور نیکی کے علم سے ہی بے بہرہ ہیں۔ زنا اور سرشوری۔ دغا بازی اور بغاوت ان کی فکر میں علی کے دروازہ کے شگوفے ہیں؟

بدہوائی اور بد ذاتی اعلیٰ طبقوں میں سوسائٹی کی حالت پر اپنا اثر بدھیلیانے سے نہیں چوکتیں جب سب لوگ یکساں ہو و عیب میں غوطے کھانے لگتے ہیں تو غریب اور غلغلہ بھی ان کی ہوا سے نہیں بچتے۔ اعلیٰ درجہ کے لوگوں نے اعلیٰ کو عیاشی اور ادباشی سے بھر دیا۔ اور غلغلہ اور غریب لوگوں کی واسطے صفحہ اعلیٰ پر مصیبت اور اور اقسام بدی کے پھیل گئے۔ کلیسیا کے خادم بھی عوام الناس سے کچھ عجیبہ نہ تھے۔ عام متوال تھا: اگر اپنی اولاد کو شیر اور بد ذات بنانا چاہو تو اسے بس پاپر سی ڈو: یہ شخص اس طرح وہ قوم جو کبھی بہادری اور زور و آوری میں شہرہ آفاق تھی اسوقت اعتدالی تباہی کے غار کے کنارے پھرتی تھی۔ بارہویں صدی میں ارنالڈ ساکن برسکیا نے آزادی کا نوس لٹن میں پھونکا۔ یہ کلیسیا کے ارنالڈ دھبے کے خدام میں تھا۔ اور نہایت پرجوش اور نصیح و اعظ تھا۔ اس نے دولت نیکی محبت اور استبداد کا وعظ کیا۔ اور ساتھ ہی آزادی کی تقریر بھی نہ چھوڑی۔ اسکی تمام تعلیم میں ہی آزادی کا وعظ سب سے بڑھ کر خفاک تھا تاہم لوگ اسکی بطور ایک محبت وطن کے تقاضے کرتے تھے۔ مگر پاپ کے گھر بھرنے کیواسطے اسکے دشمنوں کی کچھ ٹھٹھ میں تھی۔ انوسنٹ دوم نے اسکے خیالات کی تردید کی اور جسٹریٹ برسکیا اسکی سرفراز اور سرپرست ہوا۔ مگر ارنالڈ کو پہلے ہی سے خبر پہنچ گئی اور یہ آپس کے پاسوشٹر رٹڈ میں بھاگ گیا جہاں سکون و ریورسج میں پناہ ملی؟

پھر دوبارہ تمام خوف و خطر کو بالائے طاق رکھ کر یہ آپس سے گذر کر دوم میں پہنچا اور آزادی کا علم بلند کیا۔ تمام رعایا اور ائمہ انے اسکی حمایت کی اور دس سال تک اس نے اپنی فصاحت سے تمام ملک میں تمکد الدیہ اس نے لوگوں کو ان کے حقوق کی حفاظت کیواسطے براہ کھنہ کیا اور کلیسیا اور سلطنت کے تعلقات کی علیحدگی کی تحریک کی؟

اسکا عمل دوپروں کی زندگی تک ہائر اڈرین چہارم کی تخت نشینی پر ارنالڈ کی بہت بہادری اور استقامت سے مزاحمت کی گئی۔ پوپ نے تمام رعایا پر اپنا عتاب نازل کیا۔ اور رعایا کی مدعا یہ تھی کہ ارنالڈ قلعی ملک سے نکال دیا گیا اور یہاں سے غرض ارنالڈ پھر اگیا اور موت کا حکم اسکے واسطے صادر ہوا۔ یہ ایک پروہ اور ناشکر گذار قوم کی آنکھوں کے سامنے زندہ جلادیا گیا۔ اور اسکی راکھ دیائے نامیر میں بہا دی گئی تاکہ کسمیر گ

اپنے رہنمائی رکھ اور بیوں کی پرستش نہ کرنے لگیں :

آٹلی میں ایسی بدہوائی، عیاشی اور لود و لعب کا دورہ رہا۔ ایک یاست دوسری کے خون کے پیاسی تھی اور ملک تباہی اور بربادی کی ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ تیرہویں صدی میں ڈیوٹیل کا ظہور ہوا اور اس نے دوبارہ آزادی کا ڈنک بجایا۔ ادبی انصاف پر اس کا اعتقاد تھا۔ صداقت کی نیکی اور محبت سے جو اس کی روح کو سرشار کر رہی تھی اسے تمام آٹلی کے باشندوں کے تشفیات طبع کا مقابلہ کیا۔ تمام ملک آٹلی دیوانگی میں رونق اور بہشت کے عین بیچ میں نڈب ہو رہا تھا۔ اس شخص کی تمام روح اعلیٰ درجہ کے دلائل سے پر ہو گئی۔ اور اس نے اپنے بے نظیر لوگوں سے خدا تک پہنچنے کا راستہ ان لوگوں کو دکھلانا چاہا :

آٹلی کے زوال کے طول طویل زمانے میں اسکے الفاظ نے ملک کی تاریکی میں انقلاب کا کام دے گئے۔ یہ اپنی قوم کی آزادی کا ہمارا تھا جس کے عشق میں اس نے جلا وطنی، ایذا، اور موت کسی سے بھی ہمت نہ ہاری۔ اس نے اپنی کتابیں، ارمیٹا، لاسا، کرسکیا کی طرح مذہبی اور ملکی تعلقات کی علیحدگی پر زور دیا اور پوپ کی مذہبی حکومت کی اس نے بہت کچھ تردید کی۔ یہ کتاب اس کی علانیہ طور پر عوام الناس کے سامنے یوگمانیں جلا دی گئی۔ یہ آٹلی کے تمام قومی شعرا میں سے ایک ایسا شخص تھا جس سے عوام الناس کو سب سے بڑھ کر محبت تھی۔ اور سب سے بڑھ کر اس کی تصنیف پڑھی جاتی تھی۔ یہ فلازنس سے سنترام میں شہر بدر کر دیا گیا۔ اس کا گھر ٹوٹا لیا گیا۔ اور اس کی عدم موجودگی میں اس پر سخت کافتویٰ صادر ہوا کہ یہ زندہ آگ میں جلا دیا جائے۔ اپنے ایام جلا وطنی میں اس نے کئی ایک نہایت ہی عمدہ کتب تصنیف کیں۔ لوگوں کو اس کا خیال تھا۔ ان کے دلوں میں اس کی تقدیس تھی۔ اور اس سے ان کو محبت تھی۔ تب یہ خواہش ہوئی کہ اس کی جلا وطنی کا حکم منسوخ کیا جائے اور یہ پھر فلازنس میں رہا جائے :

زمانہ سابق کی یہ ایک رسم تھی کہ فلازنس میں سینٹ جان کے تہوار کے روز چنچرم صاف کیے جاتے تھے چنانچہ ڈینٹ کو لگا ہوا گیا کہ اس کو بھی صاف ملے گی مگر اس شرط پر کہ یہ بطور مجرم کے حاضر ہو جس وقت یہ مجرم اس کو محاکمہ ہوئی یہ ملہ از اس سے بول اٹھا : کیا ابھی اس انصاف سزا کی تردید ہے جس سے ڈینٹ ابھیری استفادہ مصائب اور جلا وطنی کی تکالیف کے بعد اپنے ملک کو لایا جاتا ہے ؟ کیا جلا وطنی کی یہ فیصلہ ہے ؟ کیا میری لگانا سخت اور بھانڈا کا یہی صلہ ہے ؟ اگر اس طرح فلازنس کو واپس جاسکوں تو فلازنس اس میں رہتا ہے ؟ خود دھو بیٹھے کہ میں اس شہر میں اپنا قدم رکھوں۔ اور پھر ہوا کیا ؟ کیا جس جگہ میں ہوں گا وہاں مجھ کو آگیا اور سارے دیکھنا نصیب نہ ہونگے۔ اور کیا بغیر اسکے کہ میں خوشی اور شادمانی سے تہیہ نہ ہو کر اور قریب ایک طور کی بدنامی میں اپنی کراہی فلازنس کے حوالے کروں میں اس قابل نہ ہوں گا کہ اپنی صداقت کا وعظ

خدا تعالیٰ کی زمین پر کتنی جگہ اس کے بندوں کو سناؤں اور وہی نے ابھی مجھ سے سوئے نہیں پھرا اب اس
ہرگز اہرگز نہ واپس جانوں گا اے غرض اس طرح ڈیٹھنے سے اس معافی سے انکار کیا۔ اور یہ بیس سال
تک جلا وطن رہ کر دنیا میں گزرا۔

کوئی ایک صدی بعد ایک اور آنا دسی پہلوان پیدا ہوا جو کہ ایک نہایت پانکار۔ وفادار۔ سچا۔ نثار
اور شیرخص تھا اور جو کہ تاریخ کے جہر میں سے ہے یعنی جھرولا موسیو و مارولا۔ یہ تو نامیں
مشہور ہیں پیدا ہوا۔ اسکے والدین کو غریب مگر شرف تھے۔ اس کا والد عدالت کا چیراسی تھا اور اس کی
ماں نہایت نیک چلن اور شرف عورت تھی۔ پہلے یہ تجویز ہوئی کہ جو لاما کو عبادت سکھائی جاوے مگر اس کا
میلان طبیعت اس کو کسی اور ہی طرف کھینچ لیا۔

اٹلی انٹیک پنی خرابی۔ بدحوالی اور بدذاتی میں مبتلا تھا۔ غیر سبوں پر ظلم کرتے تھے۔ اور غریب بچوں سے لالچ
بے یار و مددگار مصیبت زدہ تھے اور زمانہ کی ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ اس شخص نے دنیا کو اپنا مخالف پایا
چاروں طرف جو جو عیوب پھیلے ہوئے تھے ان کو دیکھ کر کانپ اٹھا۔ اس نے کہا یہاں کوئی نہیں کہ
لیک بھی نہیں جو اس چیز کا خواہاں ہو جسے نیکی کہتے ہیں۔ ہم بچوں اور دلہنے اور جہاں مستہرات سے کچھ بہتہ
سکھ سکتے ہیں کہ یہ کون میں کہ یہ قدر نیکی اتنی رہ گئی ہے۔ نیکیوں پر ظلم کیا جاتا ہے اور یہ ستائے جلتے ہیں۔
غرض اٹلی ان ہندوؤں کی طرح ہیں جنہوں نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیر میں جکڑا تھا۔

آخر کار جو لاما نے امداد کیا کہیدی کی اس پر نیا کر رک کر کے اپنی کوتاہی سے مذہب کی واسطے وقف کر دے تیس
سال کی عمر میں اس نے پتا تھیر باندھا اور بیٹے والدین سے رخصت ہوئے گھر سے نکلا۔ شہر تو لوگوں میں
پہنچا یہ یہاں خانقاہ تسان۔ دو منگوں گیا اور نوکری کی اجازت مانگی۔ پناہ سپہ فی الغریہاں سکونو کری
مل گئی اور اس نے اپنا کام سیکھا شروع کیا۔

اسکے بعد اس نے اپنے والد کو مکان چھوڑنے کے وجوہات حسب ذیل لکھے: بھگوان غرض نے مجھ کو دنیا
کی زندگی اختیار کر کے تو ایک کی وجہ حسب ذیل میں ہے۔ دنیا کی بڑی بھاری مصیبت۔ لوگوں کی شرارت۔ اٹلی
اوباشی اندھو و لعب۔ ان کا بکرا ورت پرستی اور کفر۔ میں قہری کے اندھے باشندوں کی شرارت
کو زیادہ برداشت کر سکا۔ اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ میں ہر جگہ دیکھا کرتی کی تحقیر کی جاتی تھی اور بدی کی تفریق
اس سے بڑھ کر کوئی غم نہیں اس دنیا میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اور ایسا بڑے بڑے اس پاک پروردگار
سے دعا مانگی کہ وہ مجھ کو اس دنیا کی واسطے صحیح و سلامت نکال لے۔ متواتر یہ دعا میری زبان پر رہتی تھی کہ
خدا مجھ کو وہ راستہ بتا سکے جس کو میں اختیار کروں۔ اب مجھ کے پیش آنے لگے کہ میں اس راستے کو چھوڑ دوں

ہیں میری والدہ کی تسلی و تسخنی کرویں اور میں آپ سے اور اپنی والدہ سے ملتی ہوں کہ آپ دونوں میرے حق میں دُعا کئے خیر کریں؟

اس نے میں کلیسیا کی تخریب بھی قریباً لا علاج ہو گئی تھی۔ پولوس و موم کی امٹ مرص سکسٹس چہارم کی وفات بازی اور بے ایمانی اور سکندر ششم دہر جیا کے ناقابل بیان جرائم ایسے تھے جنہوں نے تمام اٹلی کے نیک بندوں میں ہوا اور سناٹے کا عالم پھیلایا تھا۔ سیونور دلاسنے ایک بار اپنے کمرے میں کہا: ہاں کہاں ہیں زمانہ سابق کے اولیاء۔ زمانہ سابق کے حکماء۔ اور زمانہ سابق کا وہ علم وہ افقت اور وہ نیک بختی؟ تاکہ رہتا حالین۔ اس بدی۔ اس عجیب کے یہ بڑ جو انسان کو صرف طوق لعنت پہناتے ہیں ٹوٹ سکتے! اور انھیں ایم میں آزادی قریباً مفقود ہو رہی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے حاکم جو لوگوں پر ظلم و ستم کرتے تھے ان میں اپنے آبا و اجداد کی فہم و فراست اور طاقت کی حس بھی رہتی۔ ان کی صرف یہ عرصہ تنہا تھی کہ قدرت حاصل ہو بلا کسی مداخلت کے بعض اوقات ان کے اس حیل سے رعایا برا بھلا بھی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس طرح بہت سے علانیہ طور پر دن کو قتل ہو گئے۔ ڈیوک گیلیازو رولاکے گرجا میں تہ تیغ کیا گیا۔ ڈیوک نکاوس فرازا میں اور ڈیوک گیانیو ڈوسی میڈیسی فلازنس کے گرجا میں قتل ہوا۔ غرض ان بد اخلاقیوں میں سیونور و ثور و لانسے نشوونما پایا تھا۔ خانقاہ ڈومنگو کے اعلیٰ افسر نے بہت جلد اسکول کی اعلیٰ صفات معلوم کر لیں۔ بجائے ادنیٰ کام کرنے کے یہ نو آموزوں کا معلم مقرر ہوا۔ مطابقت اسکا فرض تھا چنانچہ یہ بدل جان اپنے کام میں مصروف ہوا۔ پھر یہ اس جگہ سے بدل کر دوا عطا کے عہدے پر مامور ہوا۔ ۳۰ سال کی عمر میں یہ اپنے مولد فرازا میں مغلط کرنے کو بھیجا گیا۔ یہاں اس کے وعظ پر کسی نے بھی کان دیا۔ کیونکہ یہ بھی ان لوگوں میں سے ان کے خیال کے مطابق ایک تھا اور یہ اس سے کیا سُن سکتے تھے جو ان کو پہلے نہ معلوم تھا؟ اسکی کچھ عزت اس کے وطن میں نہ ہوئی۔ اس نے برسکیا۔ آپے دیا اور حیوان میں بھی وعظ کیا۔ جہاں اسکی نصاحت اور غلطی کی زیادہ قدر کی گئی؟

خانقاہ ڈومنگو میں قریباً سات سال تک یہ انجام کار فلازنس میں بھیجا گیا۔ اسکے واسطے نیا شہر تھا۔ اس نے کبھی جذبہ کی طرف اسقدر دور و دراز سفر نہ کیا تھا۔ یہ پیدل روانہ ہوا اور اس طرح اس کو خواہ مخواہ نفاذ سے دیکھنے کا خوب موقع ملا۔ یہ سیدھا لوگاؤ کی پیٹری پر چڑھ گیا۔ اور بولگنا اور اسکے میدانوں کو پھر کر دیکھا جن کا دیکھنا پھر اسکے نصیب میں تھا۔ یہ پہاڑوں اور جنگلوں کو طے کرتا ہوا لافونگا کی

چوٹی پر چڑھ گیا جو سطح بحر سے قریباً تین ہزار فٹ بلند ہے۔ یہ روہتیس میں ہو کر اپنے نازکے پار پہنچا اور یہاں اسکی نظر کے سامنے فلاڈیلس آ رہا تھا جو ایک مالی شان اور نمایاں گروں کا منظر۔ اسکی دلیرانہ زندگی کا میدان اور اسکی شہادت نگاہ بننے کو تھا۔

فلادیس ہو چکا سیو وٹور والائی الفور سنٹ مارک کی خانقاہ میں پہنچا۔ جہاں اسکی خوش خاطر تواضع ہوئی۔ اسوقت کورنیزو اعظم کا عروج تھا۔ اس نے اپنے دشمنوں سے قید رجلا وطنی اور قوت کے وسیلہ سے رائل پالی تھی۔ یہ غریب اگر اپنے شعلوں۔ رقص سرور اور اکھاڑوں سے اپنے قدروں میں رکھتا۔ یہ غریب اور احرار دونوں کے نزدیک ہرلعزیز تھا۔ اسکے عہد کی تمام عیاشی اور اوباشی معلوم ہوتا ہے کہ قدامتوشس ہو گئی تھی۔ کیونکہ چھت و عزت اور اہل تصنیف کا رلی تھا۔ والاری اکتا ہے کہ اسکے عہد میں: صنایع۔ اہل تصنیف۔ مدیر۔ امرا اور عوام کی اس روحانی تخریب میں غوطے کھا رہے تھے۔ نیکی۔ خواہ عزیمت یا خصہ صیت میں۔ ان میں ملتی نہ تھی۔ اور نہ کوئی اخلاقی مادہ ان میں موجود تھا مذہب یا تو بطور حکومت کے ایک اوزار کے یا ادنیٰ درجہ کی ریاکاری کے مروج تھا۔ نہ تو ملکی معاملات میں کسی کی ایمان تھا نہ مذہب میں۔ نہ اخلاق میں۔ اور نہ فلاسوف میں۔ کچھ شک کی یا کفر بھی تو کسی حد صداقت کے پیرائے میں موجود نہ تھا۔ غرض علم ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک سرور لاپرواہی حکمران تھی۔

سیو وٹور والائی اس نام سے نفرت تھی۔ جس وقت پہلی مرتبہ اس نے سنٹ کورنیزو میں غلط کیا اس نے اس نازکی تخریب کی سخت مخالفت کی۔ اس نے بدی کی قوادی چاکوں سے خبر لی۔ اور قاریازی۔ دھوکائی اور فریب ہی کی بہت کچھ آئیل کی آئینوں سے ترویج کی۔ پہلے تو سامعین عجیب ہوئے۔ پھر متنفر اور بالآخر غضبناک ہو گئے۔ یہ کون گندی لباس ملا رہا ہے جو پہاڑیوں میں سے فلاڈیس کی نرالی کی ترویج کو کیا ہے؟ انہوں نے اس پر آواز سے کہے۔ اس سے تنہا کیا اور اسپرٹس میٹر اٹرائی۔ یہ خوبصورت نہیں تھا۔ اسکا رنگ گندمی اور قد دیا نہ تھا۔ اسکے خط و خال بد نما اور کسید قدر ناک آگے جھکی ہوئی تھی۔ یہ کشادہ دہن تھا اور ہنٹھ موٹے تھے۔ اور پنج چوڑی اور گندمی۔ حالانکہ ابھی ۳۳ سال ہی کا تھا۔ مگر اسکی پیشانی پر شکنہ تھی۔ کیا ایسا شخص فلاڈیس میں کچھ توقیر یا مرتبہ پاسکتا تھا؟

خانقاہ سنٹ مارک میں اس نے نو آموزوں کی تعلیم جاری رکھی اور گاہے گاہے چند متعینا معین کے سامنے وعظ بھی کیا کرتا۔ اسکو منبر پر کھڑے ہو کر وعظ کرنے کی توجہ کی گئی۔ یس نے منظر کو دیکھا اور

یک گشت ۲۹ کو اس نے ایک نہایت عجیب اور حیرت انگیز وعظ کیا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۳ سال کی تھی۔ دوسرے سال اس نے ویلومو میں وعظ کیا۔ لوگوں کا اسکے وعظ پر نہایت ہی عجم ہو گیا۔ اس انبوہ کشیدہ میں اس نے اپنے خیالات کا جوش بھیر کا دیا۔ ابھیہا کہ سنٹ لورینز میں اس کا حال ہوا تھا اسکے برعکس یہ معمولی آدمی نہ رہا۔ اس نے حقے الوسع ان ہوتے ہوئے لوگوں کی بدلیوں کی مخالفت کی اور انکو اپنے خواب سے بیدار کر نیکی کو کشش کی۔ اب یہ اسکے کلام کے شائق بن گئے اور دن بدن اسکے واسطے ان کا جوش ترقی پذیر ہوتا گیا۔

ان تمام امور سے لورینز وڈی میڈیسی سخت ناراض ہوا۔ اسنے فلارنس کے پانچ مشہور بائبل پڑھنے والے اسکی پلین بھیجے تاکہ اسے ان تمام خطرات سے آگاہ کریں جن میں یہ اور اسکی خانقاہ پڑھتا ہے۔ اس نے جواب دیا: "میں بخوبی جانتا ہوں کہ آپ اپنی مرضی ہی میں نہیں آئے ہیں بلکہ لورینز وڈی نے آپ کو بھیجا ہے۔ لہذا آپ اس سے کہیں کہ تو یہ کیوں اسطے تیار ہو۔ کیونکہ خدا کسی کو مستثنیٰ نہ کرے گا اور اسکو دنیاوی شہزادوں کا کچھ خوف نہیں ہے۔"

اسی سال یہ خانقاہ سنٹ مارک کا علے افتخرب ہوا۔ اس نے اب بھی اپنی دیانت اور بے لگبی کو برقرار رکھا۔ باوجود اسکے کہ لورینز وڈی نے اسکی خانقاہ کو بڑے بڑے قیمتی تحائف بھیجے مگر یہ اسکے چاہن کی مذمت نہایت شدت سے کرتا رہا دیتا تھا کہ لورینز وڈی نے عوام الناس کے اخلاق کو کیا ضرر پہنچایا تھا۔ یہ اسکو دشمن ہی نہیں بلکہ آزادی کا تباہ کنندہ سمجھتا تھا۔ اور جانتا تھا کہ یہ صرف لوگوں کی بہتری کے راستے میں رکاوٹ نہ تھا بلکہ ان کے ایک تپا اور دیندار عیسائی بننے کے واسطے سخت مزاحمت کا کام دیتا تھا۔ ہمیشہ اپنے وعظ کے دوران میں اس نے قمار بازی کی سخت مذمت کی کہ یہ سلطنت کو برا خواہ کسی ہی غیبت تھی۔ اس نے امرا کی عیاشی اور فضول خرچی کی تردید کی کیونکہ اس سے لوگ بہت کچھ بد اخلاق ہوتے جاتے تھے۔

سیو وٹور وولانے نیک عالمی اور اسکے واسطے انسان کی آزادانہ مرضی پر بہت زور ڈالا۔ اس کا قول تھا: "ہماری مرضی اپنی فطرت ہی سے درہل آزاد ہے۔ اور یہ خود آزادی عجم ہے۔" خدا سے بڑھ کر خداوند ہے مگر اسکو پسند ہے کہ کوئی اسکا مددگار بنے۔ سیو وٹور وولا کہتا ہے: "یہ نمازیں جس قدر فی کا خیال رکھو۔ مگر انسانی مسائل کو نگاہ غفلت سے نہ دیکھو۔ بلکہ ہر طرح پہلے اپنی مدد کرنا چاہیے اور پھر خدا کو تنہا لے کر۔" بھائیو۔ بہت کر۔ اور سب بڑھکر یہ کہ شفق ہو۔ اور پھر یہ کہتا ہے: "خدا سے ہم ایک خاص حالت سمجھتے ہیں جس سے کہ ایک شخص اپنے افعال اور اقوال دونوں میں اپنے کو ظاہر کرتا ہے۔"

جو کچھ یہ ہے نہ کم نہ زیادہ۔ یہ امر کو قانونی نہیں مگر اخلاقی فرض ہے۔ کیونکہ یہ ایک فرض ہے جو ہر ایک شخص پر
دیانیت سے اسکے ہمسایہ کا واجب ہے۔ اور صداقت کا اظہار انصاف کا سب سے بڑھ کر ضروری
حصہ ہے۔

انجام کار کو ریزوڈی میڈیسی فلائس سے دلا کو بیچ میں بیات سے کچھ کرنے کو آیا۔ گو موسم بہار کا تھا
اور چاروں طرف اس مقام کے قدرتی نظاروں سے روح اور نظر کو تفریح حاصل ہوتی تھی مگر اسکی مرض اور تکلیف
کو کوئی چیز بھی کم نہ کر سکی۔ کو ریزوڈی بستر پر گرتا تھا۔ تمام دوایاں استعمال کی گئیں مگر فیتیسی سے فیتیسی دور کیا
بھی بے اثر ثابت ہوئیں۔ اس غلیظ الشان اور غلیظ مزاج شخص کو کسی دوائے نہ بچایا۔ ابلاس نے مذہب
کی طرف اپنا خیال پھیرا جس قدر یہ روت کے قریب ہوتا گیا اسکے گناہ اسی قدر زیادتی سے اسکی نظر کے سامنے
آئیلے۔ مرتے دم کی مذہبی حالت بھی اسی سلی کی اسکا تمام اعتقاد لوگوں سے اٹھ گیا تھا۔ کیونکہ یہ ایک
شخص نے اسکی خواہشوں کی متابعت کی تھی۔ بلکہ یہاں تک کہ اسے اپنے پادری کی صدق کی کبھی شک
نہ تھا۔ اسکی شخص کو بھی اتنی جرات نہ ہوئی کہ میرے سامنے ثابت قدمی سے نہیں کاٹا کرتا بلکہ ازل
اسکو سیو و نورولا کا خیال آیا۔ یہ شخص اسکی دھکیوں یا خوشامدوں کا کبھی طبع نہ ہوا تھا۔ ”مجھ کو اس سے
بڑھ کر کوئی راہب متذکرہ معلوم ہوا“ اس نے سیو و نورولا کو طلب کیا تاکہ اسکے سامنے اپنے گناہوں کا
مقررہ۔ حیثیت اس راہب کو کو ریزوڈی کو فنا کی حالت کی نصیر ہوئی۔ یہ فوراً اسکے پاس پہنچا۔

پروفیسر ولاری کو ریزوڈی اور سیو و نورولا کی ملاقات کا اس طرح بیان کرتا ہے۔ سیو و نورولا نہایت
ادب اور توقیر سے قریب لڑک کو ریزوڈی کے بستر کے قریب آیا۔ کو ریزوڈی نے کہا کہ تم گناہ تھے جن کا اقرار
اسکے سامنے کرنا چاہتا تھا۔ اور جن کی واسطے یہ معافی کا خواستگار تھا۔ اول تو وائیزاکا محاصرو۔ دوم مونٹ
ڈل فینسیولا سے روپیہ حاصل کرنا جس سے بہت سی اموات ظہور پذیر ہوئیں۔ اور سوم پائری کی سازش
پر خونریزی۔ آتا کہ کو ریزوڈی کی حالت پھر گھٹنے لگی۔ اور سیو و نورولا نے بابا یہ کہہ کر اسکو بطن کی نیکی
کو مشش کی: ”خدا نیک ہے اور وہ رحم ہے“

کو ریزوڈی وقت کہہ چکا اُس وقت سیو و نورولا بولا: ”تین چیزوں کی آپ کی واسطے ضرورت ہے۔“
”اور قبلہ وہ کیا ہیں؟“ سیو و نورولا کا چہرہ عجبہ بن گیا اور اس نے اپنے دہنے اٹھ کر اٹھکی اٹھا کر
کہا: ”اول تو یہ ضروری ہے کہ خداوند تعالیٰ کے جرم پر آپکا پورا پورا اور پتہ بھر دوسہ ہو۔“ ”یہ مجھ میں بخوبی
ہے!“ ”دوم یہ ضروری ہے کہ جو آپ نے نا انصافی سے لیا ہے اسے یا تو آپ واپس کریں یا اپنی
اولاد کو اسکے واپس کرنے کی وصیت کر جائیں۔“ اس امر سے اسکو بہت تعجب اور غم ہوا مگر باہم نہایت

کوشش کر کے اس نے سر ہار اپنی رضامندی ظاہر کر دی +

اب سیو نورولا اٹھا۔ اور جب وقت یہ قریب لگ شہزادہ خوف سے اڑنے لگا رہا ہے اٹھ کر کہا
”اور آخر میں یہ آپ کے واسطے ضروری ہے کہ آپ اپنی فلاح کے واسطے اپنی پوری زندگی ناداری میں گزارنا چاہتے ہیں؟
منجانبہ تھا۔ اور اسکی آواز قریباً بولناک تھی۔ اسکی آنکھیں جواب کے انتظار میں اور نیزہ کے چہرے
لگی ہوئی تھیں۔ مگر آخر انداز کرنے اپنی اس کام فطرتی طاقت کو جمع کر کے ہاتھ کے تخت سے نیزہ بھینکی
اور اس طرح سیو نورولا البغیر کچھ معافی کا قوسے دیئے یہاں سے چلا گیا۔ اور نیزہ دپٹے گن ہوں اور
جرموں کے غم و الم میں غلطاں و چٹاں عدم کو سدھا رہا۔

اسکے بعد اسکا بیٹا پائرو تخت نشین ہوا۔ یہ طرح اپنے باپ سے بڑھکر بدتر تھا۔ نہ تو اس نے علم کی
قدر کی نہ صفت کی۔ بلکہ عیاشی اور واباشی کا بندہ بن گیا۔ سیو نورولا اپنے حسبِ عادت وعظمت میں
رہا۔ پائرو کے دباؤ پر کچھ عرصہ کے لئے باہر بھیجا گیا اور پست۔ جزا اور آؤرتھامات میں یہ عظمت
پھرا۔ اس نے قانون مغربی کو اپنی خانقاہ میں متوجہ کرنے کے واسطے بہت زور لگایا۔ اور یہ خواہش ظاہر کی کہ
رہا سب جہاں تک ہے اپنے دست بازو کی رومی پر گزارہ کریں۔ جب کبھی فلاح میں پھنسیت آئی اس نے
خیال کیا کہ شہر سے چلا جائے اور باہر جا کر اہل کا وعظ لوگوں کو سنائے۔

مگر نہیں یہ فلاح جس میں با۔ لوگ سکھانے نہ دیتے تھے۔ یہ لوگوں کے ہجوم کے ہجوم کو دیو میں عطا
سناتا۔ یہ صرف اس لئے کی بدیوں ہی کا سخت مخالف نہ تھا بلکہ ان پادریوں کا بھی جواپنے فرائض سے
غافل رہتے تھے۔ یہ کہتا تھا کہ تم دیکھتے ہو۔ یہ لوگ سنہری مجتہدی ٹوپی پہنتے ہیں جس میں تہی پتھر ہے
ہوئے ہیں۔ اور چاندی کی صلیبیں لگائے زبان گاہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ اور زبان کی کسی بھی
زیرفت کی چھت گیری لگی ہے۔ اور نہایت آہستہ آہستہ خوش الحانی سے ہزاروں رسوات اور تکلفات
سے گاتے ہیں یہاں تک کہ تکوا حق بنا دیتے ہیں۔ اگلے زمانے کے پادری حقیقت کوئی ایسی مجتہدی
سنہری ٹوپی نہ رکھتے تھے اور نہ اس قدر عشاءے ربانی کے جام تھے۔ اور انھوں نے اپنی ان چیزوں سے
بھی کتنا رہ گیا جن سے غرہ کو مدد مل سکتی تھی۔ ہمارے پادری اپنے عشاءے ربانی کے پیالے غرہ کے
اُس روپیہ سے لیتے ہیں جن سے ان کو مدد مل سکتی ہے۔ کلیسیا کی ابتدا میں لکڑی کے عشاءے ربانی
کے پیالے تھے اور سنہری پادری تھے مگر اب کلیسیا میں سونے کے عشاءے ربانی کے پیالے ہیں اور
لکڑی کے پادری!“

پاروڈی میڈیسی نے فلاح پر پنجویں حکمران ہونکی خاطر پوپ اور شاہ نیپلز سے بہت کچھ ضبط

پیدا کر لیا تھا۔ مگر دفعتاً اس سے کنا کنا کش ہو گئے جس وقت انہوں نے سنا کہ شاہ فلاںس اٹلی پر چلا آیا ہے۔ فراٹسیسی فوج اٹلی میں پہنچی اور جنوب کی طرف کوچ کرتی ہوئی اور جو شہر یا قصبہ یا کوئی اور گاؤں اسکے راہ میں آئے ہوئے اس پر قابض اور تصرف ہوتی ہوئی آگے بڑھی۔ اب پائرو کو سوچھی کر چارلس شہنشاہ کے پاس جانے اور صلح کا خواستگار ہو۔ پائرو نے قلعہ سارزنا شہر پٹراسٹا اور پٹسیا اور گھارن کے شہر اسکے حوالے کر دیئے۔

اہل فلاںس اپنے فرمانروا کی اس نارسائی اور کم ہمتی پر بہت برا لگتے ہوئے۔ انہوں نے اسکو عدالت میں آنے سے روک دیا۔ اب اسکو اپنی جان کی فکر پڑ گئی اور فی الفور یہ ویتس کو چلایا۔ اور اب فلاںس عام فسادات کے کنا سے پر کھڑا تھا۔

میدلسی کے بھی خواہ بادشاہ چاہتے تھے۔ اور زیادہ تر لوگ جمہوری سلطنت کو پسند کرتے تھے اور یہ دونوں مخالف فریق ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اور اس وقت سیوونور دلاسیا شخص تھا جس کا دباؤ لوگوں پر تھا۔ اس نے ان کو ڈیو موس میں جمع کیا اور ان کو مطمئن بنانے کی کوشش کی۔ اور ساتھ ہی اسکے اس نے ان کو توبہ اور اتفاق اور خیرات اور ایما ندرسی کا درجہ حاصل کرنے کو کہا غرض سطح جس فسادات کا خطرہ تھا وہ فرو ہو گئی۔

باشندگان فلاںس کی ایک سفارت منتخب ہوئی کہ یہ بادشاہ سے ملاقات کرے۔ سیوونور دلاسیا اس سفارت میں شامل تھا جس قدر اہم تھے سب کا ڈری میں سوار ہو کر گئے مگر سیوونور دلاسیا پیدل گیا۔ اور ہمیشہ ہی سطح سفر کرنے کی اسکی عادت تھی۔ سفارت نے بادشاہ سے ملاقات کی مگر اپنی کوششوں میں کامی نہضیب ہوئی۔ فلاںس کو وہاں آتے وقت یہ سیوونور دلاسیا نے جو پیدل بادشاہ کے پاس جانا تھا چنانچہ یہ تنہا فراٹسیسی فوج میں پہنچا۔ اور بادشاہ سے ملاقی ہوا۔ اس نے نہایت منت سماجت سے کہا کہ بادشاہ کو فلاںس شہر۔ اسکے زن و مرد اور نادری کی توقیر کرنی چاہیے مگر یہ سب بے سود ہوا۔ اور اسکے بہت جلد بعد فراٹسیسی فوج فلاںس میں داخل ہوئی۔ اور کسی نے بھی اسکی فراحت نہ کی۔ فوج قصر میڈیسی کی کوٹ کو پہنچی۔ اور جو قوتیستی اور پیش بہا صنعت و حرفت کی چیزیں تھیں سب ٹالیں۔ اور طرفہ لاس کوٹ میں خود اہل فلاںس بھی شریک ہوئے۔ اور علانیہ طور پر جو چیز انہوں نے پیش قیمت بھیجی جو ان کے تھے گئی کوٹ لگئے غرض اس طرح ایک دن میں قریباً نصف صدی کی جمع ہوئی چیزیں یا تباہ ہوئیں یا غراب ہو گئیں۔

جب فراٹسیسی فوج جنوب کی طرف بڑھی تو فلاںس میں اب بدلی پھیل گئی۔ میڈیسی کی خبر خواہ گیا کسی

جادو سے غائب ہو گئے۔ اور سپہ عوام الناس کی توجہ سیو ونور ولا کی طرف مبذول ہوئی۔ اس نے سلطنت عہد کی
تجزیہ کی اور کہا کہ یہی ایک ایسی چیز ہے جو تباہی عامہ سے بچ رہی ہے۔ اور جس نے طاقت۔ استقلال اور تفریق
کو زیادہ کیا ہے۔ اس پر ایک بڑی طول طویل بحث چھڑی۔ اور آخر کار ایک جتنی سلطنت قائم ہو گئی۔ غرض اس طرح
ایک نئی آل کے دوران میں فلائش کی آزادی قائم ہو گئی۔

سیو ونور ولا پر وعظ کرنا۔ اس نے سلطنت کی اصلاح کلیتہاً کی اصلاح اور اطوار و عادات کی اصلاح پر
بہت زور دیا۔ اس نے لوگوں کو آزادی کے استعمال پر قریباً مجبور کیا۔ یہ کہتا ہے: ”سچی آزادی اور حاکم صلی
آزادی ہے نیک نگاہی بسر کرنے کے ارادے میں ہو جو دوسرے۔ وہ کس قسم کی آزادی ہو سکتی ہے جو کچھ خود اپنے
خدیجات کا مظاہرہ نہایت ہی ہے؟ اگر اسے باشندگان فلائش کی تمام آزادی چاہتے ہو جائے اٹالیاں شہر
تم آزادی چاہتے ہو؟ تو سب سے بڑھ کر اپنے خدا سے محبت کرو۔ اپنے ہمساہ سے محبت کرو۔ اور ایک دوسرے
سے محبت کرو۔ جب تم میں محبت اور یکجہلیت ہوگی تب تم کو سچی آزادی حاصل ہوگی“

جمہوری سلطنت نے جو کچھ اور عوام الناس کی نفع رسانی کیواسطے قواعد مقرر کیے ان میں محصول کی کمی
تھی۔ انصاف کی ترقی۔ اور پائے ڈمی پائے کے صرف جانے کے سودی روپیہ کا پیو پار۔ یہودی قبیل قبیل
پر بھی عام فروروس ۱۲ فی صدی سود لیتے تھے۔ اور اس کے برعکس پائے ڈمی پائے کے طرف خانے
سے غریب کو عارضی قرض نہایت ہی خفیف شرائط پر دیا جاتا تھا۔ اور یہ سیو ونور ولا کی ہی کوششوں کی بدولت
حرف خانہ قائم ہوا تھا۔ اس جمہوری سلطنت نے ٹوینٹ کی جلاوطن اولاد کو بھی واپس بلا لیا جو سوت جڈ
کے فلائش میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اسی اثنا میں اہل شہر کی وضع قطع بھی بالکل بدل گئی۔ عورتوں نے اپنے زیورات سے کنارہ کیا اور یہ ریا
پیشکش اختیار کی۔ نوجوان اچھا اور دیندار بن گئے۔ دوپہ کو آرام کرنے کے وقت تاجر اور دوکاندار یا تو ساجل
پڑھ کر تے یا اس تفریحی راہب کی کوئی کتاب دیکھ کر تے۔ گرجا نماز کے وقت بھرے ہوتے۔ اور بیویوں نے مسکاپ
کو کھانے سے خیرات ہی جاتی تھی۔ مگر یہ بڑھ کر طرف یہ تھا کہ دوکاندار اور سوداگر اپنے ضمیر مزہ کے دوسو اس سے
تھوڑی تھوڑی رقمیں جمع کرتے جو بضع اوقات ہزار تک پہنچ جاتیں اور یس غرض سے تاکہ جو کچھ انہوں نے
بدیانتی سے کیا تھا اسکے عوض میں۔ غرض جو کچھ ہوا یہ صرف ایک لکھیلی جان کے آئینے کیل کے ہوشیاری

۹۵ء میں سیو ونور ولا بہت تنگ گیا۔ اس کی آمدنی بہت ہی تھوڑی تھی اور یہ پیشہ یا داری سے اپنے
روز سے رکھ کر تا۔ اس کا بہت سخت تھا۔ اس کا کوہاگل بے رونق تھا اور کسی آرام کی اس کو خواہش نہ تھی جس قدر یہ
روز سوت سخی سے پیش آتا اسی طرح یس سے سلوک کرتا۔ یہ نہایت ہی بڑا ہو گیا۔ طاقت کی حسد سب سے بڑی

معلوم ہوتی تھی۔ اور اندرونی شکایت سے اس کی گزروی اور بھی بڑھ گئی۔ ولاری کہتا ہے: غرض اس لیے
 کی لیری اور ست اس لیے کہ تھی کہ ملکی تنازعوں اور جھگڑوں کا ختم ہونا تھا کہ اس سے بچ کر کسی ایک وعظ شروع
 کیے۔ اس کی جہانی گزروی نے اس کی اخلاقی قوت کو بہت کچھ بڑھا دیا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلتے تھے اور
 ہاتھ اس کا نہایت تھا۔ اس کا کلام رسول سے بڑھا کر لوگوں کے دلوں پر نقش ہوتا اور یہ اسے نہایت پسند کرتے۔
 سر لام کی کہتا ہے: یہ سید و نور دلائے یک نہایت خوفناک اور بہت ناک سے لگا گیا جو لفظ بلفظ کھڑکے
 پاس بھی گیا۔ پوپ نے نہایت غضبناک ہو کر ایک شب کو بلایا جو اسی کا مہربا۔ اور نہایت عام و فاضل تھا
 اور اس سے کہا: اس وعظ کا جواب دو کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم اس امر سے اتفاق سے بحث جلدی رکھو پوپ
 نے جواب دیا: حضرت سلامت میں اس کا جواب دوں گا مگر محض اُن سال کی ضرورت ہے جن سے میں اس پر
 غالب سکوں۔ پوپ نے کہا: کیا وسائل؟ یہ کہتا ہے کہ بہت کم تو دنیا میں رکھنی چاہئیں۔ اور کلیسیا
 کے عہدے خریدنے سے بچائیے۔ اور کچھ یہ کہتا ہے: پوپ نے پوچھا: گریس اس سے کیا طلب
 ہے؟ پوپ نے جواب دیا: اسے انعام دیجئے۔ اسے پناہ و دست بنائیے اور سوچ ٹیلی اور کلیسیا کی اندری
 کی نکالو۔ دیکھئے تاکہ وہ یہ کہنا چھوڑ دے اور کچھ اس نے کہا ہے اس سے گریز کرے۔

اس کے علاوہ اس میں یہی کے غیر خواہوں کی ایک مجلس نے اس کو قتل کی دیکھی تھی۔ ان کی خیال تھا کہ اس امر سے اتفاق
 کو جان سے ماری نہ جس جہوری سلطنت کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اس پر ایک طرح بہت نے اسے گھیر لیا اور سنہ مارک
 کی اتفاقاً اس کے ساتھ گئی پوپ پر جیسا کہ شہر میں نے دوست سے ایک فتوے سے جیسا میں اس کے لئے وہاں
 کی توجہ تھی اور ساتھ ہی اس پر ان نام لگا کر یہ جسے مسائل کا پھیلائے والا تھا۔ مگر آخر کلام پوپ نے ہر حکم شروع
 کر دیا۔ اور سید و نور دلا کو سابق کی طرح وعظ کرنے کی اجازت مل گئی۔ پوپ نے اس کے سامنے کاندیل کا عہدہ
 پیش کیا بشہر کی اپنی اس کو بدلے جو اس نے وعظ میں استعمال کی تھی۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ دو سہ روز
 صبح کو جو اس نے ڈیو میں منع کیا اس میں نے کہا: میں نہ تو کوئی سرخ ٹوپی چاہتا ہوں نہ کلیسیا کی اندری کا
 تاج خواہ چھوڑا ہوا یا تاج میں جو اس چیز یعنی موت کے اور کچھ نہیں چاہتا جو بڑے بڑے اولیاء کو نصیب
 ہوئی ہے۔ اگر مجھ کو ترسنا و نصیب کی خواہش ہو تو تم جانتے ہو کہ میں یہ بوسیدہ اور شکستہ و غفلت پہن کھڑا ہوتا
 میں اپنے فرض کی خاطر اپنی جان بھی دینے کو کہتے کہ میں ہوں۔

جمہوری سلطنت پر بڑے بڑے مصائب آئے زعماء کو چوں کہ ان کیوں میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے اور مجھ کو
 سے جان لب ہو رہے تھے۔ ہر باب و باب میں لگتی اور موت کا ہاتھ خوب گرد ہوا۔ خانقاہ سنٹ مارک بھی اس کی نظر
 سے نہ بچے۔ سید و نور دلا نے بڑا اور بیماریوں کو شہر کے باہر بھیجا اور اپنے نقاد میں ۱۰۰ شہریوں کی ۱۰۰ آرمی

روز مرتے تھے۔ سیوونور دلاہیٹے باکی مرہٹوں کے پاس جاتا۔ اور قریب لارگ لوگوں کے بستہ پر جا کر مذہبی ریتوں اور کرتا۔ کوئی ایک ہینڈ بعد دلاہیٹے ہو گئی اور جہوری اعلیٰ کی مخالفت نے پھر زور پکڑا۔

پوپ نے مئی ۱۸۷۹ء میں سیوونور دلاہیٹے پر دودی کی سزا صادر کی ہر ایک شخص کو سخت مانعیت کی گئی کہ اس کو کسی طرح مدد نہ دے۔ اور ہر طرح کا اس سے قطع تعلقی کیا جائے کیونکہ یہ مذہب سے خارج کیا گیا تھا اور کافر تھا۔ دوسرے مہینے دودی کا حکم شائع ہوا تمام صوبوں میں پڑھا گیا۔ پادری خاندانوں کے افسر اور بہت سے مذہبی گرجا جمع ہوئے۔ پوپ کا حکم پڑھا گیا۔ اور اس کے بعد روشنی گل کر دی گئی اور سب طرف تاریکی چھا گئی دور دور بعد جب خانقاہ سنٹ مارک کے آدمی نمازیں مشغول تھے انہوں نے لوگوں کو دیکھا کہ باہر سے

ہوئے شور و غل مچا رہے تھے اور میٹ پتھر خانقاہ میں پھینک رہے تھے۔ حاکمان عدالت نے انہیں کچھ مداخلت نہ کی اور دن بدن اتہری پھیلتی گئی۔ ادباشی نے پتھر تلوار پکڑا۔ جھانکی ہو گئے اور شرارت خانے لوگوں کے جرم سے بھر گئے۔ اور حسب وطنی اور آزادی کے نام خیالات کا اہتمام ہو گئے۔ عرض سیوونور دلاہیٹے کے یہ نتیجے تھے۔ بہت سی کوششیں کی گئیں کہ سزا سنسنی خیز کیا جائے مگر سب میں ناکامی ہوئی۔ پوپ نے اہل شرک کو مذہبی سزا کی دھمکی دی اور حکم بھیجا کہ سیوونور دلاہیٹے کو گرفتار کر کے بھیجا جائے مگر مذہبی افسروں نے جواب لکھا کہ سیوونور دلاہیٹے شہر بدر کرنے میں فلائرس کو بہت خطرات اور مصائب کا سامنا ہوا گا۔ انہوں نے اسے

گرجا میں عطف کرنے کی تحریک کی اور اس نے منظور کیا۔ اور اپنا آخری غلط اس نے ۱۸-۱۹ مارچ ۱۸۷۹ء کو کیا۔ اب عوام الناس کی رائے میں بہت انقلاب پیدا ہو گیا۔ یہ اندھی کی طرح تمام شہر میں پھیل گیا۔ سیوونور دلاہیٹے ۸ سال تک فلائرس میں دھنسا رہا تھا۔ اس نے لوگوں کو خبردار کیا تھا کہ تو برگریں۔ ایک دوسرے سے شفقت اور سلامت دینی سے پیش آئیں۔ آزادی کی واسطے کوشش کریں۔ تمہارا مذہب اور ہوا و لعب کو ایک طرف کر دیا اور ان کو سب سے بڑھ کر یہ تحریک کی تھی کہ کلیسیا میں خداوند تبارک تعالیٰ کی معاونت سے فی الفور اصلاح شروع کر دیں۔ یہ فلائرس میں سب سے بڑھ کر دھنیز تھا۔ مگر اب سب کی ہر دھنیز سی لوگوں کے دلوں سے مفقود ہو گئی تھی۔ گویا ایک طور پر کایا لپٹ گئی۔ یا تو سیوونور دلاہیٹے پر دعائیں ہو گئے یا چھپ رہے کیونکہ تمام فلائرس اُسکی مخالفت پر کمر بستہ تھا۔

اہل فلائرس نے اسے آگ کے امتحان پر بھیج دیا جو کہ یورپ کے زمانہ وسطیٰ میں ایک عجیب طرز پر بھیج تھا۔ سیوونور دلاہیٹے اس سے قطعی انکار کیا گویا اس کے بھائی کی مرضی تھی کیونکہ وہ ہر طرح اس کو نجات اور گناہ سے

سزا زمانہ وسطیٰ میں یورپ میں اگر کوئی شخص کسی جرم کا جرم قرار پاتا تھا تو اسے پتی لگیا جاتی یا تو جاتی یا گلیں چلے جاتے اور صحیح سلامت نہ لے کر یا گم رہے پر چلنے والے نقصان نہ پہنچنے یا کسی اور ایسے وحیاناہ طریق سے ثابت کرنی پڑتی تھی۔

مہر آجھتا تھا۔ لیکن سید و نور دلائے اس تجویز کے حتمی کو سمجھ لیا اور ہرگز اسکے قبول کر سکی حامی نہ بھری مگر نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے خانقاہ سنت مارکس پر جمع ہو کر حرکت کیا اور اسکو بولا دینے کی دھمکی دی۔ سید و نور دلائے بھی کئی لکھ لکھ دلاست یہاں موجود تھے اور انھوں نے اسکی حمایت کرنا چاہی مگر سید و نور دلائے کہنا: مجھکو ان کے پاس جانے دو کیونکہ یہ طوفان میری ہی وجہ سے برپا ہوا ہے۔ مجھکو چھوڑ دو کہ انہو کو دشمنوں کے حوالے کر دوں گا۔ مگر اسکے ہمراہیوں نے اسکو اس سے روکا اور منع کیا۔

اسکے بعد پانچواں ایک فوج کا دستہ بھیجا گیا۔ اول اس نے خانقاہ پر پہنچ کر ہر لکھتے شخص کو تیار رکھ دینے کا حکم دیا۔ اور کہا کہ سید و نور دلائے شہر بدر کر دیا گیا تھا اور یہ اسکو فلائٹس سے مار گھٹنے کے اندازہ نہ گانے کے واسطے آئے تھے۔ خانقاہ میں جو مسلح آدمی تھے وہ اسکی حمایت کو آگے بڑھے اور بہت سے دونوں فوج کے مار دی گئے۔ سید و نور دلائے اپنی غازی میں مشغول تھا۔ مگر آخر کار بندگان خدا کی غوریز میں کھینک کر اس نے اپنے رفیقوں اور دوستوں کو مقابلہ سے روکا اور کتب خانے میں اپنے ہمراہ آئے کو کہا۔

یہاں کتب خانے میں پہنچ کر اس نے اپنے ہمراہیوں کو اس طرح مخاطب کیا: ہر بخود دار۔ خدا کے حضور میں اوتھکے درمیان اور اپنے دشمنوں سے گھر اہوا میں اپنی تعلیم کی صداقت کا مقرر ہوتا ہوں۔ جو کچھ میں نے تم کو تعلیم دی وہ خدا سے مجھکو پہنچائی تھی اور اپنی صداقت کی واسطے میں اسی رب العالمین کو اپنا نشانہ قرار دیتا ہوں۔ مجھکو مطلق خیال تھا کہ تمام شہر اس طرح مجھ سے پیچ جائیگا۔ مگر خدا کی مرضی! میری آخری نصیحت شکوہ ہے۔ اپنی کو ایسا انداز۔ صابر اور پنازی بناؤ۔ میں تم کو جو نعم میں چھوڑتا ہوں اور دشمنوں کے پیچیدگی جاہوں میں نہیں جاننا کہ آہ وہ جان لینے یا نہیں۔ مگر یہ مجھکو یقین ہے کہ اگر آسمان میں میں تم سے واسطے بدست دنیا کے بہت کچھ بھلائی کر سکیں گا۔ تم مطمئن ہو۔ صلیب سے بنگلیہ جو اور اسکے وسیعہ تم کو نجات کا راستہ دیگا۔

فوج کا دستہ خانقاہ میں گھر آیا اور سید و نور دلائے ہو گیا۔ اسکے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے اور قیدیوں کی طرح سے یہ چلا۔ لوگ ایسے غصہ ناک اور ناگینہ ہو رہے تھے کہ کبھی کل تمام اسکو قتل کرنے سے باز نہ سکے۔ اسکے دو ہمراہیوں نے اسکے ہمراہ جانے پر اصرار کیا۔ مگر سید و نور دلائے میں پہنچ کر تینوں راہب علیحدہ علیحدہ کو چھوڑ دیں۔ میں قید کر دیئے گئے۔

سید و نور دلائے کو ان کی انفرادیت نے گئی تھی۔ یہ اوپر کی منزل میں محشر بیٹ کے سامنے بیجا گیا۔ اور جب اس سے سوال پوچھ چکے۔ اسکو دھمکی دے چکے۔ اور گستاخی اور بے ادبی سے اس سے پرسش آئے انہوں نے اسے رستی سے باندھا۔ اس قسم کی اذیت میں یہ ہوتا تھا کہ ایک جیسی ایک چیز پر سے گزرتی ہوئی ایک بڑی لمبی

ہائس سے باندھ لی تھی۔ جس شخص کے ازیت دینا ہوتی اس کے ہاتھ پیچھے باندھ کر اس سی کے سر سے باندھ دئیے جاتے تھے۔ اور اس طور پر جلاوا سکوا اور پھینچتا اور پھر وقتاً بوقتاً نیچے گر دیتا۔ بازو بیلے پر کوٹھتے تو ان کا ایک نصف دائرہ بن جاتا اور اس طرح رگ و پٹھے کھینچتے اور بدن ایسا کانپتا جیسے نر کی حالت میں۔ اور جب اس طرح متواتر کیا جاتا تو اس نر سے غشی اور موت یقینی تھی۔

سیوہ و لور و لا اپنے بچپن ہی سے نازک اندام تھا۔ اور اپنی دائمی پرہیزگاری اور شب بیداری اور لگاؤ اور غلط کرنے اور اندرونی مرض کے باعث یہ ہندو کمزور اور ناتوان ہو گیا تھا کہ اسکی زندگی متواتر رہنا میں گرفتار معلوم ہوتی تھی اور یہ صرف اسکی مستقل مرضی کی قوت سے برقرار تھی۔ جو حال اسکا آخری ایام میں ہوا۔ اسکے خطرے۔ جو کچھ اسکی گستاخی بے ادبی اور ہتک کی گئی۔ اور اہل فلاسف اس سے کیا کٹے پوش کر دینا اسکے سامنے کچھ حقیقت نہ رکھتے تھے۔ اور پھر اس حالت میں اسے نہایت سنگین سے تکلیف دی جاتی اور ایذا پہنچائی جاتی۔ یہ کسی مرتبہ رسی سے اچھکھینچا گیا اور وقتاً بوقتاً نیچے گرایا گیا۔ اسکے خیالات پرانہ ہونیکے۔ اسکے جواب بے معنی اور انجام کار گویا اپنی سے طلاق یا بوس ہو کر اس نے زور سے ایک ایسی آواز میں جو پتھر سے پتھر دل کو بھی ہل کر دیتی کہا: "اے خدا! میری جان لے! لے خدا! میری جان لے!"

اسکے بعد ازیت موقوف ہوئی۔ یہ نیچے اتارا گیا۔ اسکے بدن سے خون جاری تھا اور حالت اسکی نہایت اتر تھی۔ یہ اپنے قید خانے میں پہنچا۔ اس بات ہم اسکی تکلیف اور مصائب کا اندازہ کر سکتے ہیں جیسا کہ آفتاب طلوع ہوا۔ اور قریب دوپہر کے اس بیگناہ کا قدرت شروع ہوا۔ جتنے نصف تھے وہ سب اسکے دشمن جان تھے۔ اس سے سوال کیے گئے اور اس نے سب کا جواب دیا۔ ایک فلاسف کوکیل یونینگر کہ جس نے یہ متاסף تھے کہ ان کو سیوہ و لور کے بر خلاف کوئی بات بھی نہیں مل سکتی کہنے لگا: "اگر کوئی دہم نہ بھی ہو تو ہم خود کوئی ایجاد کر لیں۔" چنانچہ اس پر نصفوں نے ۱۰۰ ڈلوٹ بطور نذر کے اسکو دینا منظور کیا۔ اگر یہ چھان بین کر کے جوابوں کو اس طرح بدل دے جس سے یہ بیگناہ راہب تصور وار ثابت ہو سکے۔

اسکی انداز رسانی دن بدن جاری رہی۔ اور ہندو کوئی ایک ماہ تک عدالت میں رہا۔ ایک ن سیوہ و لور و رسی پھینچا گیا اور ۱۴ مرتبہ نہایت زور سے نیچے گرایا گیا۔ مگر اسکی تہمت اور دلیلی بال بھی یہ بیان نہ ہوا۔ دروازہ تکلیف سے اسکا بدن تھر تھرا رہا تھا۔ مگر اسکے ارادے پر جو حکم نہ آئی۔ ان لوگوں نے آگ کے انکار سے جلتے ہوئے اسکے تلووں سے لگائے۔ مگر اسکی روح پر آنچ نہ آئی۔ یہ پھر قید خانے میں بھیجا گیا۔ جہاں ایک ماہ تک رہا۔

ہو پ کے کشر ۱۵ مئی ۱۹۸۸ء کو پہنچے۔ اب تیسری تربیع میں سیوونورولا کا مقدر یہ تھا۔ کارڈنل
مونیلو کے حکم پر پھر اسکو کوڑے مارے گئے اور نہایت سنگدلی سے اذیت پہنچائی گئی۔ اس پر پہلی
طاری ہوئی اور اس نے ایسے ناممکن انعام جواب دیئے جنکو وکیل نے فی الفور بدل دیا۔ اور اسے سیوونورولا
سے دھار کر لے جو اسکے انداز سانوں کے حسب خواہش تھے۔ مگر فریڈ ہے کہ پھر بھی ان کو کسی قصور کے
نکالنے میں کامی نصاب ہوئی۔ چنانچہ مقدمہ کی تحقیقات پر نو خط لکھی ہوئے اور یہ شائع کی گئی۔
کشر ہم ٹی کی جمع ہوئے اور گنوری کی منغوری ہر اسکے اور اسکے دونوں ہمراہوں کو واسطے سزا
مرت صادر ہوئی۔ اور فوراً ان تینوں کو اس سزا کی اطلاع دی گئی۔ یہ اسکے واسطے تیار تھے۔ ڈونکو (اسکا ایک
ہمراہ) نے سزا کو مطلع سنا تو کسی جگہ غیافت میں مدعو کیا گیا تھا۔ اور سیوونورولا کو گونے دو زانو خدا
کی عبادت میں مشغول پایا۔ رات کے وقت اسکو کھانا دیا گیا۔ مگر اس نے یہ کھانا کھانے سے انکار کیا کہ موت
کے واسطے تیار ہونا کھانے سے بڑھ کر ضروری ہے۔

اسکے تھوڑی مہربانیاں سب جیکو پونکو یعنی اسکے قید خانے میں آیا۔ یہ سیاہ لباس پہنے تھا اور
چوہ کپڑے سے چھپا ہوا تھا۔ یہ ایک ایسی جماعت کا ممبر تھا جسکے ممبر اپنی رضا مندی سے مجبوس کے
آخری وقت ان کے پاس جا کر مذہبی رسومات ادا کرنا کرتے تھے۔ نکولینی نے سیوونورولا سے پوچھا کہ
دکوئی اپنی خدمت ہے جو تیرا کچی بچاؤں اٹاؤں؟ جواب دیا "بیشک"۔ آپ گنوری سے اٹھا کیجئے کہ جیکو
اپنے دونوں برادر قیدیوں سے چند منٹ تک گفتگو کرنے کی اجازت مل جائے جن سے میں ملاقات
کرنا چاہتا ہوں۔"

یہ تینوں سب پھر ایک دوسری سے ملے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ چالیس روز تک انڈا اور تکلیف اٹھا کر اورو
قید میں رہ کر ایک دوسری سے ملے تھے۔ اب یہ وقت بجز موت کا دلیری اور عیب سے سامنا کرنے کے
اور کوئی خیال ان کے ان میں نہ تھا۔ دونوں سب نہایت محبت سے سیوونورولا کے قدموں میں زانو
ہو گئے۔ اور اس سے برکت چاہی۔ عرض بہت رات گئے یہ اپنے قید خانے میں اپنی یا نیک محبت اور
کشادہ دل نکولینی میں سوجھ بوجھ تھا۔ سیوونورولا اپنی محبت اور شفقت کا اظہار کرنے کی خاطر فرش پر لیٹا اور
اس سب کی گود میں سر ٹھکرا سوا گیا۔ اس کی دل کی طمانیت اور بلی ہمدردی کی خبر پڑا سو رہا تھا۔ اور طرح
طرح کے خواب دیکھتا اور سکا تھا۔ سورج نکلنے وقت یہ جاگا اور نکولینی سے اس نے گفتگو کی اور خوب
اچھی طرح ملازمت کے آئندہ صائب اسکے ذہن نشین کیے۔

جیکو تینوں سب پھر مذہبی رسومات کے ادا کرنے کے واسطے ملے۔ سیوونورولا نے خود اپنی مہربانی

یہ روایت ادا کیں۔ اسکے بعد یہ بتایا میں طلب ہوئی تین ششنگا ہیں یہاں نہائی گئی تھیں جن پر علیحدہ علیحدہ
پوپ کے کشتروہ ڈالنا کا بشارت اور حکم ملے تھے۔ پھانسی کا چوبڑہ ان ششنگا ہوں سے نیچے تھا۔ اسکے
انجام میں ایک کڑی سے ۳ زنجیریں اور ان میں پھانسی کی ڈوریاں لٹک ہی تھیں۔ ان تینوں راہبوں
کو پھانسی ڈوریوں سے ملتی تھیں اور زنجیریں اس واسطے تھیں کہ اس سے ان کی لاشیں باندھ کر لٹکائی جائیں
مگر جو آگ نیچے جلتی تھی وہ ان کو جلا کر رکھ کر دے۔

قیدی سیڑھیوں سے نیچے اترے۔ ان کے فضل اور سے اتر لے گئے اور عرف نیچے کے کپڑے
ان کے بدن پر رہ گئے۔ ان کے پیرنگے اور ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ پہلے یہ ڈالونا کے بشارت کے
سامنے لائے گئے جس نے ان کو سخت مسرت کہا بشارت نے سید و نور دلا کا تھک پڑا اور کہا میں
بہادری اور نصرت سے تجھ کو کلیسیا سے جدا کرتا ہوں۔ اس پر انکے بخت نے یہ کہہ کر اسکی غلطی درست کی۔
بہادری سے نہ کھرت سے نصرت آپ کا کام نہیں ہے! پھر یہ پوپ کے کشتروہ کے پاس
پہنچے جنہوں نے ان کو کفر اور بدعتی کا ملزم قرار دیا۔ اور بعد میں یہ آٹوک کے سامنے جس نے حب ستور
سب کی رائے لی جو بلا وقت منظور ہو گئی۔

اب یہ موت کے واسطے تیار تھے۔ تینوں راہب نہایت ثابت قدمی سے پھانسی کے چوبڑے کی طرف
بڑھے۔ ایک پادری بھی فرونیٹ نے سیوندرو لاسے پوچھا: آپ کس دل سے یہ شہادت کا جام پیتے ہیں؟
اس نے جواب دیا: یہ خدا کو معلوم ہے۔ یہ اسکے آخری الفاظ تھے جو اسکی زبان سے نکلے۔ پہلے
اسکے دونوں ہراہبوں کو باری باری پھانسی ملی اور ان کے درمیان جو پھانسی غالی رہ گئی تھی اسکی طرف
اسکو لیگئے۔ یہ چوبڑے سے پڑ پڑا۔ اور پہلے ان لوگوں پر اس نے نگاہ کی جو دیوہو میں اسقدر اسکے فرمانبردار تھے
کہ اسکا موہہ ٹکتے رہتے تھے۔ کیا تغیر! یہ تلون مزاج ہجوم اب اسکی موت کا خواہاں تھا۔ اس نے رتی
ڈالنے کیواسطے اپنی گردن آگے کر دی۔ اور ایک دم میں اسکا خاتمہ ہو گیا۔ ان تینوں راہبوں کی لاشیں
زنجیروں سے باندھی گئیں اور فی الفور آگنے ان کو رکھ کر دیا۔ ۲۳ مئی ۱۷۹۸ء کا دن تھا اور وہ سال
کی اسکی عمر تھی کہ اسکو پھانسی ملی۔

گو کہ وہ تھوڑے اسکوپرائسٹ فڈ کا شہید سمجھا۔ مگر اسکی موت کا باعث یہ نہ تھا بلکہ اسکا باعث اسکی
آزادی کی فطرت تھی۔ اسکا منشا یہ نہ تھا کہ کلیسیا سے قطع تعلق کرے۔ بلکہ اسکی یہ غرض تھی کہ مذہب
اور آزادی کی رشتہ متحکم کرے اور ان کو ان کے سچے اصولوں پر پونجا دے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اسنے
جام شہادت پیا۔ اور یہی باعث تھا کہ اسنے اپنے خالق اور اپنے ملک کی خاطر اپنی جان بھی قربان نہ کیا۔

جرح جلاوطن کی اس نے تحریک کی تھی جس وقت یہ پورے ہوجائینگے اس وقت اٹلی کے سرپرست کیلے
شاہدیت کی کتاب رکھا ہوگا

فلانس نہایت ہی مشہور شہروں میں سے ہے۔ یہ بڑے بڑے عالی خیال مشہور شاعروں اور اعلیٰ
صناعین یعنی ڈیوینٹ گلیلیو۔ لیونارڈو دا ونسی۔ میکاسیل انجلو۔ ریفائیل
ڈووناٹیلو۔ لوکا ڈیلا رومیا۔ میکیا ویلی اور آریست سے مشہور اور مشہور آفاقی شخصوں
کی جائے پیدائش تھا۔ یہاں بہت ملتے ہیں جو دنیا کو فریفتہ کرتے ہیں۔ یہاں اٹلی کے سب سے بڑے
نقاشوں اور مصوروں کی دستگاہیں۔ گلیسی کی رصد گاہ۔ اور نویدہ مقام ٹریسٹ کا سولہ۔ اور نیزہ
ڈی میڈیسی کی جائے دفاتر اور میکاسیل انجلو کا وطن اور دفین ہے۔

مگر شاید نہایت ہی دلکش اور عمدہ جگہ فلانس میں دیونو ہے جہاں سیوہ نوروزانے دستور نوروز
سے وعظائے تھے۔ سنٹ مارک کی خانقاہ جہاں اس نے اپنی مغلیہ ترقی اور مدافعت کی زندگی
سیر کی۔ اور پالازد سنگنہ راجہاں یہ ظالموں کے بچوں میں آیا اور جام شہادت پیا۔ یہاں ایک میکاسیل
ہے جسے یہ پڑھتا تھا۔ اور نہ پڑھ کر اس سے وعظ کیا کرتا تھا۔ یہ ایک چھوٹی تفریح کی انجیل ہے
جس پر بیجا شیعے پڑے ہوئے ہیں اور خط ایسا باریک ہے کہ بغیر دیدہ بین کی مدد کے اسے پڑھنا قریباً ناممکن
ہے۔ یہ سب چیزیں یہاں انسان کی سمجھتا ہے مع ان کی تصویر فلمی سٹیم اور آریست سے چیزوں کے جو اس کی
یادگاہ ہیں۔

اٹلی نے فلانس ٹریسٹ کی جلاوطنی کی بہت کچھ تردید کی ہے۔ اور اس کا ثبوت مطرح دیا کہ کسی یادگاہ میں
تمام بڑے شہروں میں سکے بت قائم کیے ہیں۔ مگر اسکو سیوہ نوروز سے کیوں انصاف سے پیش آنا
چاہیے۔ اور وہ سیوہ نوروز اور جلاوطنی اور شہید تھا۔ اور کیوں اٹلی کی ایک یادگاہ قائم کرے جو آئینہ
زمانہ کے واسطے ایک تشیل کا نام دے؟ وہ مقام اتنا موجود ہے یعنی وہ احاطہ جہاں اس نے اس قدر
بہادری سے مذہبی اور انسانی آزادی کی خاطر اپنی جان عزیز کو الوداع کہی +

بہت

ہزاران

ہر طرف سے گھیرے انگلستان کو وہ بحر ہے
 قدر تاج کی سی خارِ انگار ہے
 ایک لے ساحل تجھے صد آفریں اور مریا
 تجھ کو جنبش دے سکے اس میں بھلا طاقت ہے کیا

(فیلکن)

ہمارے گلے حدیں ایک دوسری دنیا کی نعمت موجود ہے بغیر اسکے کوئی توفیق نہیں اور پھر شرمندہ جیسا
 مضبوطی و تحکم تو؟ مگر وہ کیلیں جو جہاز کے گلے حصے کے تختوں کی باہر پوتہ کرتی ہیں دنیاوی تعلقات کرشتہ ہیں
 ان کو آسمان سے علی گانے سے بھی بڑھ کر کام کرتا ہے یعنی تمام دنیا میں الفت پھیلاتا ہے

(مرسکن)

سمندر نے بڑے بڑے بہادر آدمیوں کی پرورش کی ہے۔ بحری پیشے کی زندگی کے خطرات انسان کو
 بہادری اور دلیری کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور دلیری ہی کی نہیں بلکہ فرض کے سر انجام کی۔ جہاز دان کی زندگی صبر
 چالاکی اور خبر داری سے سراسر بھری ہوئی ہے۔ اور اس میں کاتر حفاظت اور ذمہ داری موجود ہے۔ بحری کی
 ساحل بحری طرح نہیں جہاں انسان کا کام دن کا کام کرنے کے بعد اپنے بستر استراحت پر جاتا ہے اور بے خوف
 و خطر پیر پھیلاتا ہے

جہاز دان کے واسطے شب و روز متواتر خبر دار رہنا ضروری ہے۔ کسی دور و زمانہ سفر پر بھی اپنے کام سے
 میں کام کرتا ہے جب ہوا موافق ہو اور طوفان لگے گا۔ مگر جو نہی طوفان کے آثار دکھائی دیں اور باد طوفان
 چلنے لگے یہ سب ہوشیار اور متوجہ رہتا ہے۔ اس وقت خواہ رات ہو مگر مستول لپٹے پڑتے ہیں علاج مہیا
 مستول لپٹے اوپر چڑھتا ہے۔ لیکن یہ کہ ہوا کا جھونکا اس کے پھینک دے۔ جہاز کا کوئی ناگہانی دھکا
 اُسے نیچے گرا دے۔ اور اسکے گرنے کی آواز طوفان کی تندی اور جوش و خروش میں گئی کی بھی سنے۔ اور رات
 کی تاریکی میں کوئی اُسے نہ دیکھ سکے مگر جہاز اپنے حسبِ حال چلتا ہے +

وہ پہلا شخص جو سطح بحر پر گیا ہو گا اور کشتی میں سوار ہو کر ساحل بحر سے دور چل گیا ہو گا اُسے ضرور اپنی
 خوفناک حالت کی خبر ہوگی۔ اسکے ارد گرد کچھ نہیں۔ اور آسمان۔ نیچے سمندر۔ اور زمین اور موت میں صرف
 ایک تختہ کافاوت۔ یہ کیسا ذرا ڈراوی اور محنت کا خیال ہو گا جو پہلے جہاز دان کے لاشیں ہوا ہو گا اور
 پھر وہ لوگ جو تکی پر رہتے ہیں ان کے واسطے بھی سمندر ایک بڑا بھاری علم ہے۔ ڈاکٹر ارناٹ کا قول ہے
 کہ کوئی چیز کشتی میں لڑکے کے واسطے چال چلن کا دروازہ نہیں کھولتی پھر پہلی مرتبہ سمندر پر نگاہ ڈالنے کے

ڈاکٹر کی ننگی بھی دکھائی تھاکر بہت کچھ اپنا وقت نیوٹورٹ میں ساجل بحر پر صرف کیا کرتا۔ بعد میں اس نے کہا: کسی مقام نے دنیا کے پردے پر بحر سمندر کے کنارے کے عجیب عمدہ اثر ڈالا بعض لوگ سمندر کو ایک بڑا فضول خیرو آب سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی بہاڑی کی چوٹی پر سے دیکھے تو یہ سمندر اُسے ناپیدا کنار نظر آتا ہے۔ دھننے اور بائیں بحرانی کے آؤر کچھ نہیں۔ لہریں آہستہ آہستہ آتی ہیں اور کنارے پر ٹہمارے قدموں سے لگ کر چلی جاتی ہیں۔ مگر تھوڑی دیر بعد ان میں گراں پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اور پھر یہ زور زور سے کنارے پر آکر ٹکراتی ہیں۔ ابھی سمندر بائیں اور لے طوفان ہے مگر ابھی اس میں شیر کی سی گرج پیدا ہو جاتی ہے۔ اسکو کوئی چیز یاد نہیں آتی۔ یہ جہازوں کو چٹانوں سے ٹکرا دیتا ہے۔ جرمیساہ کا قول ہے: سمندر میں ہمیشہ خطر ابھی بھیل اڑتا ہے۔ کیبھی آرام نہیں کرتا۔ "یا انسان اور وقت دونوں کو غراب کر دیتا ہے۔ اور پھر یہ ایسی ملکیت ہے۔ اسکی آواز نہ آتی ہے۔"

مگر بحر کو انسانی تہی سے بہت کچھ لگاؤ اور تعلق ہے۔ کیا سب سے بڑا انگلستان عالم ساحل بحر کے قوام سے اعلیٰ درجہ پر تیار ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ جہاز رانوں کی قوم ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ قوم ایک طور پر تجارتی ہے۔ ان سمجھدوں سے لگا کر جو انگلستان میں ساحل بحر پر رہتے ہیں اور جو انگلستان کو ٹھیکہ دیتے ہیں۔ ان بڑے بڑے جہازوں تک جو ہندوستان چین۔ امریکہ اور آفریقا کو جلتے ہیں اور روزمرہ کی ضروری اشیاء اور آرام کے سامان انگلستان کو بھی پہنچاتے ہیں۔ انگلستان بہت کچھ اپنے جہاز رانوں کا بیڑا ہے۔ شاید اگر یہ سمندر نہ ہوتا جو اس دور دراز جزیرے کو مجبور کیے ہے تو یہ انگریزی قوم آج سب سے بڑھ کر ہوتی یا کم از کم استعمار عظیم الشان اور آئندہ ہوتی۔

وہ قطع نری کاہو اس ملک اور بڑے غمزدہ و پست مل ہے تمام ممالک کے اذیت یاب لوگوں کی انگلستان کو جائے پناہ بنا رہا ہے۔ دوستوں ہر گز سے کہ فرانس کے بڑے بڑے عمدہ ٹھہر انگلستان کو نصیب ہوئے اور فی زمانہ جو انگلستان کو تجارتی عظمت حاصل ہے وہ ان بہتوں کی بدولت ہے جو صنایع اور جنگلہ کشی کے فرانسیسیوں نے سکھائے۔ یہ تجارتی ہی ہے جو انگلستان کے ٹکڑے جری کی معاون ہے۔ یہ تجارت ہی ہے جسکے انھوں نے انگلستان کو روٹی نصیب ہوتی ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ یہ تجارت ہے جو دنیا کو تہذیب و شایستگی پراکٹ کرتی ہے۔

سر ساموئل میکرنے لورڈوں میں ایک کچھ کے دوران میں بیان کیا کہ یہ تجارت ہی ہے جو افریقہ میں سب سے بڑھ کر بغیر کباب بھی کسی ٹکڑے کا ہونے کے نہایت ہی عمدہ کامیابی کی صورت ثابت ہوئی۔ یہاں کے باشندے جو خرم عام میں کسی طرح قاصر نہیں۔ بدل جان سکون منہ کر لینگے جس سے ان کو فائدہ پہنچا

کوئی چیز بھی اُن خشیوں کیواسطے اسی مفید اور سود مند نہ ثابت ہوگی جس قدر تجارت کی اشاعت ہو کہ
اُن کی محنت کو اسپر آراہ کر دیگی کہ اپنی سرزمین سے وہ اشیاء پیدا کریں جسکی پیداوار کے یہ قابل ہے۔
اور ان پیداوار کو اُن اشیاء کے تبادلے میں نہایت نفع دیکھا جن سے کوئی اجمال رہے بہرہ میں مگر
جن سے کہ حبیب یہ بہرہ ور ہوں گے یہ ان کو درکار نہ ہوگی اور ان کی ضروریات میں شامل ہو جائیگی یا
کو لمبس لیکر کپتان لگتے لگتے ملاک کا دریافت کرنا ہزاروں ہی کام تھا۔ یہ قیاسی
ہے کہ اہل آئس لینڈ نے پہلے پہل شمالی امریکہ کو دریافت کیا مگر انہوں نے یہاں اپنی کوئی سستی بنائی۔
کو لمبس اور امپریکیشن پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنی دریافت کی ہوئی سرزمین دنیا کے
سامنے پیش کیں۔ اور کو لمبس کے بعد اہل پرنسٹن اور اہل ڈنمارک نے سب سے بڑھ کر ملک دریافت
کیے۔ فرنسٹو میجیلان پہلے شخص تھا جن نے تمام دنیا کا قدرہ کیا۔ ابھی اسکی عمر صرف ۲۰ سال
ہی کی تھی جب کو لمبس نے امریکہ کو دریافت کیا پہلا سفر اُس نے اولیاد اور جزائر غرب الہند کا کیا۔ اور
دوسرا جنوبی امریکہ کا۔ یہ گنتی اور برازیل کے ساحل بھر پر ہوتا ہوا راٹوڈی جینیوا میں پہنچا۔ یہاں
یہ جنوب کی طرف بڑھا اور اس میجیلان دریافت کی جسکے بعد یہ بحر الکاہل میں پہنچا۔
اہل ڈنمارک نے ملک کے دریافت کرنے میں بہادری اور بے خوفی کا بھی بہت اظہار کیا۔ پہلے
شخص تھے جنہوں نے کیتھے کا راستہ دریافت کرنے کی کوشش کرتے وقت اس کی کے ہونا کا
خطرہ کا سامنا کیا۔ ان کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ انھوں نے جزیرہ نووا رملہ دریافت کیا۔ اسکے بعد انھوں نے
جنوب میں آگے جا کر آدھ بہت سے جزیرے اسٹریلیا۔ وان ڈیمینس لینڈ وغیرہ دریافت کیے۔
اس امید سے ہو کر واسکو ڈی گاما نے جو ہندوستان کا راستہ دریافت کیا یہ تو اسے تجارت
میں سب سے بڑھ کر مشہور ہے۔ اس نے مغربی اقوام کو دور دراز مشرق کا بحری راستہ دکھلایا۔ کہتے
ہیں کہ ہوٹامین پہلے شخص تھے جو اس امید کے راستے ہندوستان میں پہنچے اور یہاں انہوں نے
فرسج انڈیا کمپنی کی بنیاد رکھی جس سے چھوٹی سی جمہوریت کو اس قدر تجارتی سلطنتی اور بحری قوت
حاصل ہوئی۔

اتیک انگریزی قوم تجارتی نہ تھی۔ تجارت مغرب کی طرف منتر کر رہی تھی۔ مگر اتیک انگلستان کو اسکی
قدم پوسی کا شرف نہ حاصل ہوا تھا۔ بلکہ یہاں تک کہ انگریزی اُن ملک کے باہر تویم میں بھی جاتی تھی۔
کہ یہاں اسکا کپڑا بنا جائے۔ انگلستان میں جہاز ران تو بہت تھے مگر ان بیچاروں کو جہاز پر کوئی نوکری
نہ ملتی تھی کیونکہ اس زمانہ میں تجارت کا نام نہ تھا۔ یہ لوگ بڑے لڑاکا تھے۔ جب کسی غیر قوم سے کوئی

لڑائی نہ ہوتی تو یہ لوگ خود سندر پر چاکر آپس میں لڑتے۔ بعض اوقات بحری قزاقی سے بھی دریغ نہ کرتے۔ چنانچہ اپنے ساحل بحر سے نکل کر جب کوئی جہاز کسی غیر ملک کا لائن کے آٹھ آٹھ سے پکڑ لیتے +
 الزبتھ کے زمانے میں انگلستان سے کوئی نسل بڑے بڑے جہاز رانوں کی نہ نکلی۔ ٹوریکٹ
 ریٹے۔ ماکنس بہادران بحری کی تواریخ تو مشہور ہے۔ یہ گویا آنکھیں بند کر کے سطح بحر پر بڑھنے گئے۔
 اور ان سندر دلوں پر پونچے جن کا آئینہ علم نہ تھا۔ اور یہاں ان ملک کی جستجو کی جو زمانہ آئندہ میں ان کی
 اولاد کا وطن بننے کو تھے۔ اس زمانہ میں اہل اسپین اور انگریزوں میں چھڑی ہوئی تھی۔ سادہ لکڑی میں باہم
 بحری اور تبری جنگیں مہاکرتی تھیں۔ غرض اس طرح ایک بڑی بھاری فوج جہاز رانوں کی باقاعدہ
 بہادران گئی جس کی کراٹنگستان کو تھوڑا سا وقت میں بہت ضرورت تھی۔ جب اسپین جو تمام اقوام یورپ
 میں سب سے بڑھ کر بددست تھا "اجیت بڑا" لیکر انگلستان پر چڑھا آیا تھا۔ یہ تواریخ میں نہایت مشہور
 معرکہ ہے جو ملک مذہب، عزت اور آزادی کی خاطر وقوع پذیر ہوا +

سفر فرینسٹریک ایسے بحری دروں میں سے ہے جس کا نام زمانے کی تواریخ میں سب سے بڑھ کر
 تعریف اور عزت سے لکھا ہوا ہے۔ مٹر مٹلے کی رائے ہے کہ شخص سولہویں صدی میں بے نظیر گذرا
 ہے۔ ڈریک پورا پورا بہادران تھا۔ ابتدائی زمانہ اس کا نہایت سنگسار تھیں گذرا۔ یہ ایک چھوٹے سے
 جہاز پر شاگردوں کی طرح بھرتی ہوا۔ جہاں اس نے جہاز لائی سیکھی۔ جب اس جہاز کا مالک فوت ہوا اس جہاز
 کو اپنے اس شاگرد کو دیا گیا۔ چھوٹے چھوٹے سندر دلوں میں سفر کرنے کے بعد یہ جان پہلے پر لکھ کر اپنی جہاز
 اور جانفشانی کی کمائی ساتھ لیکر ایلریمو ماکنس کے ساتھ سفر کو چلا۔ اہل اسپین نے اس کو گرفتار کر لیا اور
 بمشکل تمام یہ جان بچا کر ایلریمو جہاں اس نے اہل اسپین پر چلے گئے ان میں بہت کچھ اس کو کاسیابی
 ہوئی +

شاہ اسپین نے تمام انگریزی جہاز۔ انگریز اور ان کے سیلاب کی واسطے تمام اسپانیہ کے بندر گاہوں
 راستہ حکماً بند کر دیا۔ ڈریک چھ سال جہاز لیکر چلا۔ اور سان ڈو منگو کا چھینا اور سنٹ
 آگسٹنس کو تار کر لیا۔ فلپ دویم نے اب ایک بڑی بھاری فوج جمع کرنی شروع کی تاکہ اہل
 اسپین اہل پرتگال اہل چین اور اہل سسلی سب ملکر اس سپدین انگلستان پر چڑھا اور ہوں۔ اور دم
 تو اس دم کے حق میں بہت کچھ رہائے خیر کی۔ پرتگال کے لوگوں کی زبان پر یہ پیشین گوئی تھی کہ ۱۵۸۸
 کا سال تمام ملک کی واسطے نہایت ہی صیبت ناک اور مضر ہوگا۔ اور اب یہ مشہور ہو گیا کہ اس بحری ہم کا
 شکستہ انگلستان بننے کو تھا۔ مگر پھر بھی انگلستان ابوس ہوا۔ تمام قوم کی دل و یک جان ہو گئی۔ اس

یکملی اور یکسانی نے تمام فرقے کے لوگ خواہ وہ پڑھتے تھے یا روسن کشک سلسل کر لیے۔ رتوت
شیک سپیر زندہ تھا اور اس نے اس طرح اس انگریزی آزادی پر حملے کا جواب لکھا۔

مسلح ہونے کے ہر سمت دنیا کی اگر آئیں چکھائیں منہ کی اُن کو ایسی نوٹ پٹید دکھلائیں
مگر ہے شرط جاں واپسی انگلستان ہے دق گزند ہکونہ ہونچا بیگا کوئی ہے یقین دائق

ڈریک نے ارادہ کیا کہ اسپین کی اس تبرک قلع فتح کرے۔ چنانچہ یہ اپنے ساتھ سے چار شاہی اور
۴۴ لٹن کے تجاروں کے جہاز لیکر چلا۔ ۱۸۰۷ء اول ماہ اپریل میں یہ انگریزی بیڑہ کیڈز میں جا
پہنچا۔ اوجڑ ہماز میاں اسپین کے انگلستان پر حملہ کرنے کی غرض سے جمع ہوئے تھے۔ انہی چاروں۔ ان میں سے
بعض جہاز نہایت ہی بڑے تھے۔ دوران اور ایک ن تاس ڈیک ان پر گولیاں چلاتا رہا۔ حکم کرتا رہا۔
اور آخر کار ان کو بیڑی لگ لگادی کہ جس کی روشنی سے قلعہ کیڈز کی تفصیل بمصاف صاف نظر آنے لگی۔
اپنے سفر سے جب یہ انگلستان کو واپس آیا میاں ہی اس نے کوئی ستو کے قریب اہل اسپین کی کشتیاں
تیار کیں۔ الاسباب کوٹ لیا اور لوگوں کو قید کر لیا۔ یہاں اس نے گورنٹ کو اسپین کی طاقت اور اس کی بڑی
بڑی تباہیوں سے آگاہ کیا چنانچہ اس نے کہا: بہت جلد چالیس ہزار آدمی نہایت دلیر اور باقاعدہ
انگلستان پر حملہ کرنے کے واسطے جمع ہونگے۔ اور انگلستان بھی اپنے کو مقابلہ کے قابل بنانے میں سست
اور لا پرواہ نہ رہنا۔

فلپ نے جہاں تک ہو سکا تھے الروح اپنا بیڑہ اجمیت بننے کی کوشش کی۔ اس نے قریب پچاس
ہزار ڈیوکٹس (ایک سکہ) اس بیڑے پر صرف کر دیے۔ اور پوپ آف روم نے بھی ایک ہزار ڈیوکٹس
اسکو بھیجے اور علاوہ اس رقم کے جو اس نے صرف کی اسکے پاس بیس لاکھ ڈیوکٹس موقع ضرورت کے واسطے
موجود تھے۔ اس بیڑے میں ۱۴۶ جہاز تھے۔ جس قدر جہاز اب تک دنیا میں بنے تھے اُن سے بڑھکر یہ
بیڑے تھے۔ اور اسپین میں ہزار ہا سپاہی کے پیدل اور بحری سپاہی۔ دو ہزار غلام تاکہ اگر ہوا نہ ہو تو یہ جہاز
چلائیں۔ اور ۲۹۰ پادری راہب اور آؤر مذہبی افسر تھے۔ علاوہ اسکے ۳۰ ہزار فوج مندر لٹ میں جمع تھی
جو کہ ذرا سے اشارے پر بیڑے کی فوج کی مدد کو واسطے چلنے کو تیار تھی۔ غرض اس قدر سامان اور تیاری تھی کہ
انگریزی جہاز رانوں نے مقابلہ نہ کیا تھا۔ اس بیڑے کے روانہ ہونے سے پہلے پوپ کا فتویٰ جاری ہوا۔
اس میں الزم تھا کہ ہر غاصب الزام لگایا گیا تھا۔ اسکو حرامی لکھا گیا۔ اور نہایت تانت سے انگلستان کی
سلطنت متروک۔ امین اللہ میریسیج کے خطاب کے فلپ دوم کے سپرد کی گئی تھی تاکہ یہ اسپر بطور صوبہ سلطنت
روم کے حکومت کرے اور قابض ہو۔ غرض ان تمام سامان انگلستان کو مغلوب کرنے کے واسطے ہو گیا

اجیت بڑے نے ننگا دکھایا۔

پہلا جہاز اس تڑوٹے ۲۹ جولائی شام کو نکلا۔ لوگ اسکے دیکھنے کے مشتاق تھے۔ تمام بندرگاہوں میں ایک دم بھر پل گئی جسوقت پتے تھیں نہ پہنچی ڈرگاہ اپنا ہمارے ہوں کے ساتھ کھیل میں شمول تھا۔ گزشتہ ہفتے سے پہلے پہلے ساتھ نہایت عمدہ انگریزی جہاز بندرگاہ پہلے بندر سے تیار ہو کر نکلے تاکہ دشمن کے مقابل ہوں۔ مگر صبح تک چھ طرح سبب ہیں کہ جہاز ان کو نکلائی نہ دیکھے۔ غرض اس طرح ایک روزہ اور گزر گیا اور پھر انھوں نے دشمن کا سامنا کیا۔

انگریزی کمانڈر ڈریک۔ مائکلس اور فرانسیس تھے۔ یہ لوگ بہت تجربہ کار مشاق بہوشیات بہادر اور جلالہ جہاز دان تھے۔ انھوں نے ہر صورت میں خطرے کا مقابلہ کیا تھا اور سوقت اپنے ملک کی خاطر سب کچھ برداشت کرنے کو بہت تھے۔ چنانچہ پہلے ہی مقابلے میں ان کی جہاز تیار ہو کر نکلی۔ نئے ہوا کاغذ پکڑ لیا۔ اور گولہ باری شروع کر دی اور جب موقع آیا تو آگ بھڑکنے لگی۔ دشمن سے ٹکرائے۔ ہلکی ہلکی انگریزی کشتیاں ان بہت بڑے ویرجہ مشن جہازوں کے گولہ باری سے تباہ ہو رہی تھیں۔ پھر نے لگیں اور گولیاں مار کر ان کو پھٹتی کر دیا۔ اہل آبیان چاہتے تھے کہ کیا دلی اور فرانس سے کشتیاں کا تدارک ہو۔ مگر انگریزوں سے انکار کرتے تھے۔ انگریزوں کے جہازوں کے بارے میں جانتے اور وار کے دور میں جانتے۔ اس طرح کی شام تمام بندرگاہ میں ہوتی تھی یہاں تک کہ انگریزوں کی تدارک کشتیاں آہنچی۔ رات آجڑی اور لائی برادر جاری رہی۔ گولہ باری کے جہازوں کی آگ میں تکرر ہونے لگی چنانچہ ایک ایک ان کا جہاز انھیں کے دوسرے جہاز سے ٹکر کھا کر غرق آب ہو گیا۔ ان کی ایک سبب سے پہلے کشتی بیکار ہو گئی۔ اور ڈریک نے اس کا تاقب کر کے صبح تک اسے کھڑا کیا۔

ایک انگریزی جہازوں نے اس شہرے کو آگے رکھ لیا اور لڑتے ہوئے اس کا تاقب کیا۔ لوگ اس جہاز کے نہایت اشتیاق سے دیکھ رہے تھے۔ جس جہاز نے بندرگاہ پر سے یہ گزرتے کشتیاں پرادی تھیں۔ ہونے اور مدد دی ہوئی انگریزوں کی مدد کو نکلی۔ ان میں سے بہت شخص سوداگر اور کوٹھارے کے مالدار تھے۔ یہاں پہلے کا بیڑہ پورٹ لنڈل اور سٹالٹ البائن ہیڈ کے دروازے پر قیام پونہا۔ ہوا کاغذ بدل گیا۔ انگریز کشتیاں کو پھرنے لگے لیکن گھر گئے۔ اور اب تمام پیران پائرا۔ مگر گولہ باری سے بہت کوشش کی کہ ان کے تمام جہاز تیار ہو جائیں۔ لیکن یہ نہ ہو سکا اور علیحدہ علیحدہ جہازوں میں بیکار ہوئے۔ اکی گزرتے اس سے کوئی نہ نکلا۔

اسکے بعد پیرا نے نہ فریڈ و آرمٹ سے گذر کر کچھ کا راستہ لیا۔ انگریز بھی اس جہاز سے کوئی بازو اور

خود سیان بیکر اسکے تعاقب میں آہستہ آہستہ چلے۔ انگریز اس وقت لارڈ ہنٹسبریج سمپور کی شہریت کے
منظر تھے۔ اتنے میں بھی مولپے ۱۶ جہازوں کے ان سے آگے اور یہ سب مگر کیلے کی طرف بڑھتے
جہاں انہوں نے ہسپانہ کا "اجیت پٹر" ہال کی صورت میں آہستہ آہستہ ہلے ہوئے دیکھا ہل
اسپین اس وقت ندرلڈ سے کماس کی آمد کے منتظر تھے۔ کیونکہ ۵۰ ہزار مسلح جوان ملوں میں ہوتے یہ سب
کاٹا بھاری جہازیں سکنڈر فز نیئر ندرلڈ سے آگے منظر میں آ رہی تھیں۔ کورڈا تھا اور انگلستان میں ایسا
کو تھا مگر اجیت پٹرے کا انتظار لا حاصل تھا۔ ڈرنج اور بلنڈ کے پٹروں نے فتح ہو کر ندرلڈ کے
تمام بندرگاہ بند کر دی تھیں۔ چنانچہ ایک چھوٹی سی کشتی کا بھی یہاں سے گزرنا ناممکن تھا۔

لارڈ ڈاؤرڈ انگریزی بیڑے کے ندرلڈ نے تمام فسادوں کو شور سے ماسطہ پایا۔ اور یہ لارڈ ہنٹسبریج
اجیت پٹرے پر چڑھ گیا۔ اس وقت آدھی رات تھی۔ ایک نام میں ۶۰ آتشیں کشتیاں لگتے دھماکتی ہوئی
اجیت پٹرے میں بھی گئیں۔ اسپرل اسپین میں آتہ پھیل گئی۔ تمام بیڑے میں شور و غوغا پیدا ہو گیا۔
لنگر کاٹ دیئے گئے۔ اور جہاز میں رکی لہروں سے تھینے لگے۔ پڑے پڑے جہاز جس قدر تھے سب
باہم الجھ گئے۔ اور بعض انگریزوں کی آتشیں کشتیوں سے جل گئے۔ سب بڑا اور نہایت شاندار اسپین
کا چھوٹا سا جہاز کیڈیٹا نام کا جو کیڈیٹ بن گیا اور فرانسیسیوں کے ماتھے آیا۔ جب شیخ کو آفتاب طلوع ہوا تو
کچھ حصہ تو بیڑے کا ٹکڑا ہوا تھا اور باقی جہاز بندرگاہ ندرلڈ کی طرف لنگر اٹھائے جا رہے تھے۔
انگریزوں نے بھی لنگر اٹھا کر ان کا تعاقب کیا۔ چنانچہ گریولائن کے قریب اجیت پٹرے کے پاس چنانچہ
اور اسپرل چڑھا۔ اجیت پٹرے کے جہاز چھٹ گئے۔ ان کی ریتیاں ٹوٹ گئیں۔ اور چار جہاز ایک دوسرے
سے ٹکرا کر اور کچھ بکریا ہو گئے۔ انگریز ۶ گھنٹے کا لڑتے رہے اور اہل اسپین کو اپنے دہشتہ باتیں سننے
کا مطلق موقع نہ دیا۔ لڑائی ختم ہونے سے پہلے ۳ جہاز اہل اسپین کے غرقاب ہو گئے۔ اور بہت سے ٹوٹے
چھوٹے شکر مال کالڈ کے قاتل ساحل جو کیڈیٹ بنے ہوئے تھے۔ اہل اسپین کے ۱۶ جہاز صرف
لڑائی میں ضائع ہو گئے اور چار سے پانچ ہزار تک سپاہی کام آئے۔ حالانکہ بدھ صرف ایک جہاز ٹوٹا
کوئی سٹو انگریز مارے گئے۔

ہونا خوب زور سے چل رہی تھی اور جہازوں کو بہا لے بیٹے جالی تھی۔ اسپرل میڈینا سٹو وینا
اجیت پٹرے کے کپٹن جنرل نے وہی حکم دیا۔ اور یہ شمال کی طرف بھٹے بندرگاہ لارڈ ڈاؤرڈ
نے چند جہازوں سے ان کا پیچھا کیا۔ کیونکہ باقی جہازوں میں کوئی بارود نہ تھا۔ کشتی اس واسطے تھیں کہ
واپس کر دیئے گئے۔ اتنے میں ہوا اور بھی شدت سے چلتی گئی۔ اور اسکے ہموں سے سوجھ سکتے

تھپڑ سے کھا کر اجیت بیڑا جرش مالی کی طرف چلا۔ باورٹ نے تو فٹ آف نور تھک ان کا تعاقب کیا۔ مگر اب آگے جانا فضول تھا کیونکہ ہوا اب اس کے دشمنوں سے بدلہ لے رہی تھی۔ اجیت بیڑے کے جہاز تتر بتر ہو گئے۔ بعض تو آپس میں ٹکرا کر غرقاب ہو گئے۔ کچھ اور اصرادھر پھیل گئے۔ اور کچھ ساحل نارڈ پر ڈوب گئے۔ یہ جنوب کی طرف جانے لگے تھے۔ کیونکہ برٹش جنیل کا راستہ ان کے واسطے بند تھا۔ لہذا یہ رکنا انڈیا اور آئرلینڈ کے مغربی ساحل کی طرف سے ہی تھیں کو پہنچ سکتے تھے۔ مگر اس طرف جہاز رانی بڑی خطرناک تھی۔ چنانچہ اس طرح اس ہا میں بھی بہت سے اسپین کے جہازوں کا نقصان ہوا۔ بہت کم آدمی باقی بچے تھے جنہوں نے اجیت بیڑے کی تابانی کا حال اسپین جا کر سنایا۔ ۳۳ جہازیں ساحل اسپین کے آئرلینڈ کے کنارے سمندر میں ڈوب گئے۔ غرض جو کچھ جہاز اس اجیت بیڑے کے اسپین پہنچے وہ ایسے شکستہ اور غراب تھے کہ دوبارہ قابل استعمال ہرگز نہ تھے +

فلپ کو دوبارہ پھر چڑھائی کی مجرت نہ تھی۔ اس کے واسطے یہ نہایت ضروری تھا کہ ایک بڑا زبردست بیڑا رکھے تاکہ اپنے ملک اور اپنے مقبوضات امریکہ کی حفاظت کر سکے۔ انگریز اور آئرلینڈ برابر اسپین سے لڑتے رہے۔ اور مختلف ممالک میں بہت سے معرکے ہوئے۔ انگریز اور فرانس اسپین کے جہازوں کی تاک میں رہتے۔ تاکاؤں کو بکڑ کر وہ روپیہ وصول کریں جس کے بل پر فلپ نے انگریزی اور فرانس آزادی پر حملہ کیا تھا +

انگریزی بحری بہادروں نے بڑے بڑے بہادری کے کام کیے ہیں۔ ان میں سے ایک سرسحر و گریو ایل الزبتھ کے عہد میں وائس ایڈمرل (ناٹا میرالجی) تھا۔ یہ آدمی کو بھیجا گیا تاکہ اسپین کے لاپلاٹا بیڑے کو روکے۔ فلپ شاہ اسپین کو بھی پہلے ہی سے اس ہم کی خبر ہو گئی چنانچہ اُس نے ایک نہایت زبردست بیڑا جس میں ۳۰ جہاز تھے مقابلے کو بھیجا تاکہ اس کی حفاظت میں لاپلاٹا بیڑے پر چڑھ سونے لدا ہوا تھا وہ اسپین تک پہنچ جائے۔ چنانچہ انگریزوں اور اسپین والوں کا سامنا ہوا۔ چھ جہاز انگریزوں کے اور ۳۰ اسپین والوں کے تھے۔ اور آخر الذکر کی طاقت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پانچ انگریزی جہازوں کو جولاٹا اور ڈکی زیرِ کمان تھے مطیع ہونا پڑا۔ سرسحر و گریو ایل ریلوئیں بھی نامی جہازیں بھیجا تھا اور یہ دُوبی پڑا جہاز تھا جس میں ٹیکر مس فرانسس ڈریکٹ برٹش جنیل میں اجیت بیڑے کا مقابلہ کیا تھا۔ سرسحر و گریو ایل مطیع نہ ہوا۔ اور اُس نے تمام اسپین والوں کے بیڑے کا مقابلہ کیا +

اس کے ساتھ جہازیں کل ایک سو چوبیس تھیں۔ مگر ان میں سے ہر ایک ایسی کی طرح بہادری کا گھنٹہ بول اسپین والے اسپر گولابی کرتے رہے۔ اور ہمارے اس کے قریب گئے۔ مگر بھی اُن کے منہ پھو گئے۔ سرسحر و

دوسرے بڑی ہوا۔ لوگ اس کی نیچے بیٹھے اور یہاں ایک گولی آکر اس کے سر میں لگی۔ اور جو ڈاکٹر اس کا علاج کر رہا تھا وہ بھی گولی کھا کر عدم کوسدھارا۔ چنانچہ اس لا چاری میں سر چڑھنے نصیحت کی کہ جہاز کا دشمنوں کے ہاتھ میں جانے سے ڈوب جانا اچھا ہے۔ مگر بہت سے اہل جہان نے اس کی مخالفت کی۔ اور یورپ اہل اسپین کے ہاتھ لگا۔ اور یہی طرف ایک جہاز تھا جو ان کے تصرف میں ایک آ رہا تھا۔ مگر یہ ایسا شکستہ جہاز تھا کہ سنہ ۱۶۰۰ء میں اس کا بہت مشکل تھا چنانچہ دوسرے دن یہ غراب ہو گیا۔

مگر اس جہاز کی موت بھی ایسے ہی شریفی تھی جیسا کہ اس کی زندگی۔ اس نے کہا: "سنو۔ میں سوچ رہا تھا کہ نہایت بشارت اور آرام دل فرما ہوں۔ کیونکہ میں نے ایک سچے سپاہی کی طرح عمر بسر کی۔ اپنے ملک اپنی ملک۔ اپنی عزت۔ اور اپنے مذہب کی خاطر لڑا۔ میری روح نہایت رضامندی اور خوشنودی سے اس ظالمی کفن سے جدا ہوتی ہے۔ اور اپنے پیچھے ہمیشہ رہنے والی شہرت اس بہادر سپاہی کی طرح چھوڑے جاتی ہے جس نے اپنا وہ فرض ادا کیا جس پر وہ تعینات کیا گیا تھا۔ اور اتنا کم کر بہادر سر چڑھ کر دنیا اکل جاتا ہے۔"

طاقت اور تجارت عموماً ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ جب کسی ملک کی تجارت جاتی رہتی ہے تو اس کی طاقت بھی جلی جاتی ہے۔ عرض ان میں سے ہر ایک ایک سرے پر منحصر ہے۔ سب سے بڑا تجارتی شہر زمانہ حال کا وینس تھا۔ ہجو بٹاک ان مہلوں کے کھنڈرات دکھائی دیتے ہیں جو گرند کنال کے کنارے واقع ہیں۔ ان کے شہر سوقت مغربی میں غوطے کھا رہے۔ جنگ پانچ سو کے بعد تجارت مغرب کی طرف اور آگے بڑھی۔ چنانچہ جنوا جنوب میں تجارت کا مرکز ٹھہرا۔ اور شہر شمالی جرمنی کا ایک شہر شمال میں۔ بلجیوم کو دست میں چھوٹا تھا۔ مگر یورپ کے نہایت ہی زرخیز اور تجارتی ملکوں میں سے تھا۔ مگر فلپ دوم کے عہد حکومت میں انوار کے خوف نے بلجیوم کی تجارت کے گلے پر پھیری پھیر دی۔ سپین جو نئی دنیا میں جرمنی۔ اٹلی اور ہندوستان کا بینا ظلم تھا اب تمام یورپ کی واسطے منبع تسخیر بن گیا۔ انڈیا نے اس کے تیور بدل دیے۔ اور اس کے جہازوں کو مار کر بھگا دیا۔ انڈیا نے تجارت کا دارالخلافہ بن گیا۔ اسپین میں تجارت کا آفتاب غروب ہونیکا حتیٰ کہ یہ سوقت ہمارے سامنے نکلا۔ ملک بن گیا ہے۔

انڈیا کے بونڈلکھن میں تجارت کا آفتاب طلوع ہوا۔ یہ دونوں میں جہازوں کی تھیں اور ایک ہی نسل سے تھیں۔ انہوں نے دنیا کی تواریخ میں ایک نئے زمانے کو جگہ دی۔ ان کا مسئلہ تھا: "جہاز۔ بستیاں اور تجارت۔" انہوں نے نئی زمینیں دریافت کیں۔ اپنی بستیوں کو تمام دنیا میں پھیلا دیا۔ فرانس۔ سپین۔ انڈیا اور انگلستان نے ایک شالی زمین میں بستیاں آباد کیں۔ اور گوانگ بیق یا ایک موجود ہیں۔

مگر انگریزوں کی بستیاں بنائیں ان سے بڑھ جاتی ہیں۔ کتنا ڈا۔ شمالی امریکہ۔ آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ۔ راس آریڈ اور جزائر ہندوستان میں انگریزی زبان بول جاتی ہے۔ اور اگلی صدی میں یہ زبان سب سے بڑھ کر دنیا کے پردے پر ترقی ہو جائیگی۔ مگر یہ سب کچھ جہازوں اور جہازرانوں کی بدولت ہے۔

جنگل تعمیراتی کانس کے دوران میں نپولین نے تمام یورپ کے بندرگاہ انگریزی جہازوں کی واسطے بند کر دیے۔ چنانچہ اٹلی میں نیپلز۔ فرانس میں ٹولون۔ سپین میں کیلیڈز سے لگا کر آئسڈ۔ ڈنمارک۔ جرمنی اور ڈانٹزک تک کوئی بندرگاہ ان کے واسطے نہ کھلا تھا۔ نپولین کو انگریزی پیرس سے نفرت تھی۔ کیونکہ اس نے نپولین کا بھروسہ وہیں چھپا لیا تھا۔ اور اب تو یہ سلسلہ جاکڑا تھا۔ اس نے نپولین کے یلوگنا میں جہاز تیار کر رہے تھے۔ انگریزی فوج کو کرنا۔ ٹوٹس۔ ریڈرلس اور کچیم ٹکاسکے دانت کھٹے کرنے کو پہنچی تھی اور نپولین کو انگریزوں کی یہ باتیں نہ بھولی تھیں۔

مگر کچھ بھی انگریزوں کی بحری طاقت نے ہر جگہ اپنا زور دکھلایا۔ بہت سے بہادر اسکے امین تھے اور ان میں سب سے بڑھ کر نیلسن تھا۔ یہ ایک عجیب فہم و فراست کا آدمی تھا۔ یہ نہایت تیز فہم تھا اور بہت ہوشیاری سے کام کیا کرتا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ یہ اس کا کام اور فرض تھا کہ انگلستان کی نل و جان حفاظت کرے۔ جب تک نیلسن بحری حکمران رہا۔ زن و مرد سب مطمئن اور خیم رہے۔ مگر یہ صرف ایک لائق اور دلیر جہازران ہی نہ تھا۔ اس کی بہادر روح میں جب لوٹنی کا شعلہ ہمیشہ روشن تھا۔ اور اسکے اصول کا خاکہ ہر مرنے والے کے الفاظ میں کھینچ سکتا ہے۔

”لڑنا وطن کی خاطر ایمان ہے سب سے بہتر“

اسکی زندگی کیا تھی۔ ایک فسانہ تھا۔ اسکی طبیعت کی گزوری بھی ایسی ہی مشہور تھی جیسے اسکا فیض اور صفات حمیدہ۔ اور کچھ بھی یہ دنیا میں نہایت ہی بہادر اور دلیر آدمیوں میں سے ہے۔ اسکے آخری الفاظ جو ان سے نکلے تھے، ان میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اور اسکے فاسطے میں خدا کا شکر مہوں۔

انگلستان کے جہازران وہ لوگ ہیں جو تجارت کی ہوس ل میں لیے ہوئے ہیں۔ اور اپنی دلیری اور بہادری کے باعث انگریزی جہازان کے نہایت عمدہ سانچے میں ڈھیلے ہوئے ہیں۔ لارڈ سنڈن نے ایک بار جو جہازان ایک جہازران کا بیان کیا وہ قابل غور ہے۔ لارڈ جوف اور پول میں لڑا تو انکی ایک جماعت کے سامنے تقریر کر رہے تھے جو جہازانوں پر کام کیے کو تھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا شرافت انسان کو حاصل ہو سکتی ہے کہ اول درجہ انگریزی جہازران بنے؟ اور سب سے بڑھ کر وہ انگریزی جہازران کے چال چلن میں کیا شامل ہوتا ہے؟ میں کہتا ہوں سب سے بڑھ کر

یک وہ وفادار اور راست باز رہے۔ بہادر ہو، شفیق ہو، ضعیف اور ناتوان پر مہربانی کرے۔ اور جو فرض خدا کا اور اُسکے ملک کا اُسکے ذمے میں ہے اُسکے ادا کرنے میں مستقل اور ثابت قدم رہے۔ جو شخص کہ سب سے بڑھ کر شادمانی اور مسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ وہ لوگ ہیں جو پہلے اپنا خیال نہیں کرتے بلکہ اُن کا جو اُن کے ارد گرد ہیں۔ اور یہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں اور خدا پر نگیہ کرتے ہیں۔ یہ امر شریفانہ زندگی کیواسطے سب سے بڑھ کر ضروری ہے۔ اور اسی میں سب سے اعلیٰ انگریزی نیک چلنی کا نمونہ شامل ہے۔

جو اخلاقی کمزوری کی طرف سے ملتا ہے اس میں ملک کی طرف سے جہاز دان لڑکوں کیواسطے ذیل کی شرائط ہوتی ہیں: "بہ خوشی بزرگوں کی اطاعت کرو۔ نیک چلن بنو اور پاس عزت اور بروجہ۔ ناتوانوں اور کمزوروں پر شفقت کرو۔ اگر کسی سے خطا ہو تو اُن کی عافی کے واسطے ہر وقت تیار رہو۔ دوسروں میں باہم صلہ کرو۔ اور جسے بڑھ کر اور بیخوف ہو کر صداقت اور فرض کے تابع دار رہو۔" ایسے اصولوں پر اگر عمل آید ہو اور اُن کو مدنظر رکھا جائے تو ہر طرز زندگی میں ان سے اخلاقی نیک چلنی کا ایک مکمل نمونہ پیدا ہو جائیگا۔

جہاز دان اپنے جہاز کے حق میں وفادار رہتا ہے۔ خطرے کے موقع پر کپتان سب سے بچھڑا شخص ہوتا ہے جو جہاز سے نکلتا ہے۔ خواہ طوفان آدبائے یا آگ لگ جائے کپتان سب سے پہلے بچوں اور عورتوں کی سلامتی کا خیال کرتا ہے اور جبھی سچ و سلامت کنارے پر پہنچ جائیں تو پھر مرد۔ اس کے بعد جہاز کے نوک چاکر اور پھر سب کے بعد یہ خود کنا رہے کو دیتا ہے۔ اسی حالت میں نیک کی طرح دلیری اپنا آپ ہی صلہ ہے۔ اسکو تو تعریف کی خواہش ہوتی ہے نہ تحسین! آفرین کی۔ خواہ شکی ہو یا ترسی۔ میں نے تو صرف اپنا فرض ادا کیا۔ جہاز دان کی زبان پر ہوتا ہے۔ خطرے سے بڑی بڑی اعلیٰ صفات کا اظہار اور اُن کی آزمائش جو حیاتی ہے۔ جب بہت سے بنی نوع کی جان ڈانواں مل رہی ہو اسوقت عورت کو اُن کے بچانے کے واسطے ہر ایک کوشش کا نہ ہوتی ہے۔ خواہ دلیر آدمی کیسے ہی ہو لٹاک اور جاں کاہ خطرے میں پڑے مگر یہ اس سے منقطع نہیں ڈرتا بلکہ مددگار سے اُسکے مقابل سینہ سپر ہوتا ہے۔ یہ تیار ہے کہ خواہ موت آئے خواہ زندگی کیسا نا اطمینان سے یس سے نکلے جو۔

کمانڈر برائو ایک ایسا شخص تھا جس نے نہایت دلیری سے مرتے دم تک بہادری کا مظہر چھوڑا۔ اس کا جہاز گارڈین عین بیچ سمند میں ایک برف کے تودے سے ٹکرا گیا۔ اور جہاز کی غرقابی اسٹہ معلوم ہوئی۔ فی الفور جہاز میں پمپ کام میں لائے گئے۔ ہر ایک پمپ جو ذلتی تھی تو نہیں۔ گو لے اور بارود وغیرہ سب سمند میں بھینک دیئے گئے۔ اُن گھنٹے جان راور گاتا کہ کوشش کے بعد تمام جہاز میں صدا اُٹھنے لگی۔ مکشیاں لاؤ کشتیاں۔ راتو کے نو کرنے اس سے پوچھا۔ آپ کاشتی میں جائیں گے تاکہ میں بھی آئی میں

آپ کے ساتھ بیٹھوں؟" اسیر رائے نے جواب دیا: "میں جہاز پر رہوں گا اور اگر تمہیں لگا تو اسے بچاؤں گا۔ ورنہ اسی کے ساتھ غرق ہو جاؤں گا۔"

جس وقت کشتیوں پر سوار ہو چکے تو رائے نے ایک خطا امیر لہجہ کو لکھا اور اس میں اس حادثہ کی اطلاع دی اپنے تحت انیسویں کی تعریف کی اور پھر آخر میں اس کو الوداع کہی۔ کیونکہ تجھ کو اب کچھ امید نہیں کہ تیرے چند گھڑی بھی اس دنیا میں زندہ رہوں۔ کشتیاں کنارے کو روانہ ہوئیں اور رائے کو کوئی نصف کے قریب ابل جہاز کے ساتھ جہاز میں ہی رہا۔ بہت سی کشتیاں غرق ہو گئیں مگر جہاز صحیح و سلامت پہنچ رہا۔ نہایت ہوشیاری اور صبر سے اٹھ بیٹھے بعد "گارڈین" ٹیچ جہازوں کو نظر آیا اور یہ اسی ریسوں سے کھینچ کر ٹیبلے میں لیگے۔ اس کے بعد کپتان آؤ نہایت بہادری سے جنگ کو پہنچیں لیکن میں لڑتا ہوا کام آیا۔

ایک ایک آدمی اور شال لیتے ہیں۔ اور یہ ایک معمولی جہاز کے کپتان کی ہے جس میں طاقت اور فرض کی بجا آدمی کا مادہ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرا تھا۔ یہ بہادر کپتان ٹولس تھا جس کی نسبت مشہور گلیٹ سٹون کی رائے ہے کہ یہ معمولی کمپن سے بھی بڑھ کر بہادر تھا کیونکہ اس پر خود غرضی اور نفسانیت کا دھبہ نہیں۔ اس کی عمر کا سیسہ بڑھ کر حادثہ ذیل میں رچ ہوا ہے۔

جہاز نارٹھ فلیٹ نامی جہاز کے کپتان تھا لندن سے جو برٹ ٹاؤن کو روانہ ہوا۔ اس جہاز پر چند تارک لوطن بھی تھے اور ڈی جینس کے قریب لنگڑا کے کھڑا تھا۔ اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے اور تاریکی استغراق کی حالت کو تھا نہ سوچتا تھا۔ جہاز میں روشنی پر ہی تھی تاکہ کسی جہاز سے اندھیرے میں ٹکرائے نہ جائے۔ مگر اتنے ہی سہی جہاز "مرلو" آٹرا اور اس جہاز کو ایسا دھکا لگا کہ اس کی تین ایکسٹنکٹ ہو گیا۔ اہل اس جہاز ہٹا کر چلائے اور قریباً تین سو ہندوگان خدا کو موت کے منہ میں چھوڑ گئے۔ انہوں نے کچھ بھی مدد کرنے کا ارادہ نہ کیا۔ کپتان ٹولس نے پیسہ چلانے کا حکم یا جس وقت جہاز کے لوگوں نے جہاز کو ڈوبتے دیکھا ان میں نہایت ہی جھنجھکی اور ہلکا ہڑ گیا۔ عورتوں نے آہ و زاری شروع کی کشتیاں سمندر میں ڈال گئیں اور کپتان عورتوں اور بچوں کو ان پر سوار ہونیکا حکم دیا۔ تمام مرد دیکھا کہ کشتیوں کے بیرون دوڑے۔ مگر کپتان ٹولس یہ دیکھ کر ایک طبعی بات تھی میں دیکھ رہا تھا کہ وہاں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں فی الحال تو گولی ماروں گا اگر کوئی شخص تیرے گڑھے میں ایک شامت زندہ اس کے کہنے پر کچھ خیال نہ کرے۔ اگے کے جلنے لگا۔ کہ کپتان نے فوراً اس کے پیروں میں گولی ماری جس سے یہ لنگڑا ہو کر گر پڑا۔ عورتیں دس گھنٹے کشتیوں میں بھر کر کنارے کو بھیج دی گئے۔ اور اب جہاز پانی میں ڈوبنے لگا۔ یہاں تک کہ یہ بہادر کپتان مع اپنے جہاز کے سمندر کی تہ میں پہنچ گیا مگر اس کی عورت چھٹی میا ہی ہوئی تھی مع ۸۵ آدمیوں کے بچ گئی تھو

اسے پورا کر دیا +

شاید جو تعلق تری کپتان اور اسکے سپاہیوں میں ہوتا ہے اس سے بڑھ کر کبھی کپتان اور سپاہیوں میں ہوتا ہے۔ کیونکہ آخر الذکر ایک ہی کشتی میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور زیادہ تر ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں ایک دوسرے کا خیال جی طرح ہوتا ہے۔ اور باہم ان میں زیادہ الفت ہوتی ہے۔ یہ نہایت حیرت انگیز طور پر جب کبھی موقع آتا ہے ایک دوسرے کی جان بچانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ہمو اس وقت لکھتے لکھتے دو نہایت موزوں مثالیں یاد آتی ہیں۔

جب ملکہ معظمہ کا جہاز "وی انوسیل" نامی ماہ فوری شٹلہ عزیز میں سکندریہ سے ابو قریہ کو جا رہا تھا ایک جہاز میں ایک آدمی گر پڑا "کی صدا گونج اٹھی کشتیاں سمندر میں چھوڑی گئیں اتنے میں شخص گرا تھا۔ وہ کچھ فاصلہ پر نظر پڑا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا مگر بے سود غرض نہایت لاچار سی کی حالت میں یہ بیچارہ سمندر کی تہیں چلا گیا +

آئریسل ڈوبلیو۔ اسی۔ فرینٹل جہاز کے کپتان نے دیکھا کہ اگر ایک منٹ کی بھی دیر پہلی تو اس کا کام تمام ہو جائے گا۔ چنانچہ اس طرح بے تحاشہ ٹوٹی۔ کوٹ۔ بوٹ۔ وغیرہ سمیت تختہ جہاز پر سے گود پڑا۔ مگر عین وقت پر پہونچا کہ اس نے اپنے ہاتھ پیر سیدھے کر کے اور اس مقام پر پہونچ کر جہاز سے شخص بانی کے نیچے تھا خطہ بار اودیم جان اسے باہر نکالا۔ اول تو کپتان خود اپنے کپڑوں کے بھیگنے سے گھبرا رہا تھا۔ دوسرے شخص اس کے ہاتھ میں تھا۔ لہذا اس کو شناوری میں بہت دقت پیش آئی۔ اتنے میں سب لفٹ منور اور کنگسٹن بھی گود پڑے اور کپتان کی ہڈیوں پر پونچے۔ اس کے کشتیاں آہونچیں۔ اور یہ چاروں آدمی معجز و سلامت جہاز پر جا پہونچے۔ اور جو شخص بیچارہ غرقاب ہونے سے جان بچ رہا تھا وہ علاج معالجہ کے بعد ہوش حواس میں آ گیا +

کپتان شارب اور جان ایم انشاش نے بھی کم بہادری اور ایثار کا اظہار نہ کیا تھا۔ جب انہوں نے فرانسیسی جہاز میلانی کے آدمیوں کو دیر شٹلہ عزیز میں ت کے نیچے سے چھڑایا۔ یہ دونوں شخص کپتان شارب اور جان ایم انشاش انابیلہ کلارک نامی جہاز میں تھے۔ اور یہ دونوں جہاز انگریزی اور فرانسیسی دیئے اور میں نگر ڈالے کھڑے تھے۔ میلانی پر پٹی کا میل لدا ہوا تھا۔ تھوڑے سے نیل کو آگ لگ گئی۔ گرمی سے پیسے اڑ گئے۔ اور جہاز سے ایک آدمی میں شٹلہ نکلنے لگے۔ کسی کاپل جلتا ہوا سمندریں یہ نکلا اور میلانی ایک ختم زند میں ایک اتنی تفصیل سے مصور ہو گیا۔ کچھ آدمی تو جہاز پر سے گود گئے مگر باقی آگ اور پانی کے ڈگنے خطرے سے گودنے سے باز رہے +

انامیلا کلاک کے آدمیوں نے پیسوں کے اڑنے کی آواز سنی اور آگ کے شعلے اٹھتے ہوئے دکھائی دیے۔ باوجود اس خوف خطر کے دو شخصوں نے ان آگ میں گھرے ہوئے فرانسیسیوں کے بچائے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ کپتان شاپس کشتی میں کود پڑا اور جان بچا کر انٹاش جہاز کے بجائے بھلی سکیڑی کی۔ یہ بڑے ہونے کی طرف آگ میں بڑھتے چلے گئے۔ ان کے پیڑے اور ہاتھ پیر جل گئے۔ مگر یہ جہاز مت چاہو نیچے۔ اور صوبت فرانسیسیوں کو بھیج دیا۔ سلام اپنے جہاز میں لے آئے۔ انہوں نے سیکو اپنی جان بھاری اور دیر کی کھڑکی سے دیکھا۔ یہ نہایت ہی بہادرانہ کام تھا جس سے اعلیٰ درجہ کا ایشیا اور ایشیا نمایاں تھی۔ یہ نہ تو زر کی خاطر ہوا تھا نہ شادمانی کی خاطر۔ بلکہ یہ ہوا تھا صرف فرض کی خاطر جو کہ ان جیسا اپنا واجب تھا دیا ہی دوسروں کے۔ مگر ایک بات ایسی جان کا وہلی کران دونوں بہادروں میں ایک اس شریفانہ کام کے پیچھے مدت احر کے واسطے بیکار ہو گیا یعنی جان بچا کر انٹاش کے ہاتھ اور بازو اس قدر جل گئے کہ یہ آئینہ تجارت کے کاروبار کے مطلق قابل نہ رہا۔ یہ کٹنڈن میں بجا رہا اور آٹو رو سن میں اتارنے نہ رہے۔ اور ایک بار یہ رہے۔ اس وقت شک نہیں کہ کپتان اور اس جہاز کے بچا کر کو ملکہ غلطی کا آواز جہ کا متغلا۔ گورنٹ ڈائن نے ایک سوئے کا متغلا دیا۔ اور ایک متغلا لاؤس سے جان بچانے کی خاطر ملا۔ مگر ایک ٹی ٹی ناقابل کار شخص کا متغوں سے ہرگز گزرا نہیں ہو سکتا۔ کیا کوئی بھی ایسا شخص نہیں جو ایسے بہادر کے گزارے کی کوئی تدبیر کرے؟

اس طرح کا ایک ماجرا امریکی میں پیش آیا۔ مگر خوش قسمتی سے یہ شخص عین نصرت کے موقع پر جہاں تھی ہو گیا اور اپنی امداد کی واسطے اس سبب سے اس کو عوام الناس سے ملنے نہ ہونا پڑا۔ ایک گبوٹ کو جو بھیل ایسی پرچار تھا آگ لگ گئی۔ آگ بڑھ کر کوئی سو سے اوپر آدمی سواری تھے۔ پتہ اچھا جو باجھی جان سے ٹرٹھا وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اس کا مدعا تھا کہ کسی طرح آگ بڑھ کر کنا سے تک پہنچا دے تاکہ مسافر بچ جائیں۔ آگ آگ بڑھ میں ہیں تک پھیلی کہ آخر کار اس تک بھی پہنچی۔ اس کے پڑے جل گئے اور خود جل کر کوئلہ ہو گیا مگر اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ آخر کار آگ بڑھ کر کنا سے پرچار ہو چکا۔ جو سو آدمی اس پر تھے بچ گئے۔ مگر انھیں عدم کو سدھا رہا۔ اس نے خود کو قربان کر دیا اور دوسروں کی جانیں بچالیں۔

پیدل سہ فوج نمبر تھ کی بہادری بھی کچھ کم نہیں تھی۔ یہ دستہ سار سٹڈ نامی جہاز پر تھا جو بحر جنوبی میں سفر کر رہا تھا۔ تمام جہازیں آگ کی مدد پھیل گئی اور تمام آدمی فی الفور اپنی اپنی جگہ مستعد کھڑے ہو گئے۔ بہت کوشش آگ بجھانے کی کی گئی مگر لا حاصل۔ اب صرف ایک تدبیر یہ

ہو سکتی تھی کہ جہاز کے نیچے جھٹے میں جو گول بارود تھا وہ پھینکے یا جاتا لیکن ابھی اس کام میں لگو ہی تھے کہ لیکا ایک دو بارود کے پیروں کو آگ لگ گئی اور جہاز کا کچھ حصہ اڑ گیا۔ مگر خوش قسمتی سے اگلا حصہ جہاز کا بچ رہا۔ چنانچہ سب نے لکڑیاں پراگ کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی۔ کشتیاں تیار کی گئیں اور عورتیں اونچے ان پر سوار کر دیئے گئے۔ اور تمام سپاہی اس طرح باقاعدہ پرابند ہکر تختہ جہاز پر کھڑے ہو گئے جس طرح گویا یہ کسی پریڈ میں کھڑے تھے +

نہایت ہی اتھاک کوشش اور محنت سے یہ دوروز تک آگ کا مقابلہ کرتے رہے اور بالآخر ایک رات ہی۔ مگر اس آتش میں جہاز بھی نیم غرقاب ہو چکا تھا۔ ہوا تند ہونے لگی۔ سمندر لہریں مارنے لگا۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ آج یہ سمندر جہاز کو نہ چھوڑے گا۔ مگر سپاہی اپنی اپنی جگہ کھڑے رہے۔ اور یہاں تک جہاز کوشش کی کہ آخر کار ہوا موافق ہو گئی۔ سمندر درست ہو گیا اور آٹھ روز کے بعد یہ نیم غرقاب جہاز بحیرہ عمان کے نقصان کے مالکس میں جا پہنچا +

جب کوئی سیاح کھنڈریل میں پہنچتا ہے اور پوچھتا ہے کہ یہ بوسیدہ جھنڈے یہاں کیسے لگے ہیں۔ تو محافظ کھنڈریل نہایت فخر سے جواب دیتا ہے کہ نمبر ۴۵ پیدل فوج کے فلاں ستہ کے ہیں۔ اور اس فوج کی جنگی بہادریاں بھی بڑی بڑی ہیں۔ مگر ان کا ایک لفظ بھی بان پر نہیں آتا۔ دراصل یہ ان کی بحری بہادری ہے جو ان کی توقیر اور عزت کا شمع ہے۔ خدا اسکو برقرار رکھے +

ایک اور موقع پر جب ایک جنگی جہاز میں آگ لگ گئی اور ۲۸۰ آدمی موت کا نغمہ بننے لگے ایک ناکتہ افسر نے جسکو قریہ پھینکنے سے ایک کشتی میں جگہ ملی تھی اپنی جگہ اپنی رضا مندی اور خوشنودی کا ایک دوسرے افسر کو دیدی جسکے بال بچے تھے۔ یہ افسر عجم دسالم کنارے پر پہنچ گیا اور ناکتہ افسر ان لوگوں کے ساتھ جہاز پر باج اس دنیا سے عدم کو سدھار رہے تھے۔ یہ مثال ہے سچی بہادری کی کہ یہ شخص اپنے ایک مہر بھائی کی خاطر مرنے کو مستعد ہو گیا کیونکہ اس مہر کی ذمہ داری زیادہ تھی اور اسکا سوا بے نسبت اسکا زندہ رہنا زیادہ ضروری تھا +

طوفانی سمندر اور ہوائی تیزی ہی جہاز کی تباہ کن شدہ نہیں ہے بلکہ خطرناک سنگین ساحل بھی۔ جب کوئی جہاز غریب مضبوط جہاز بنا ہو۔ وزن بھی معقول اس پر جو۔ اور اس کے چلانے والے بھی ہوشیار اور کارآمد ہوں۔ وہ تو ایسا کھیلنے سمندر میں اسی طرح سلامت ہے جیسے ایک جنگ۔ بندرگاہ میں ایسی گھڑی کہ اسکو خطرہ نہ ہو وہ ہوتی ہے جب یہ ساحل بحر سے چلتا ہے اور کسی خطرناک پتھر ملی چٹان کا خوف نظر آتا ہے۔ اور اسکا انگشت تان کے گرد روشنی کے مینار بنائے گئے ہیں تاکہ انگلستان کے آئے والے جہازوں کو

اپنے منزل مقصود کی خبر مہم چاہئے۔ کوئی شخص بھی بجناس کے ان روشنی کے میناروں کی قدر نہیں جان سکتا جو کبھی اپنے وطن کو جارا مہم اور رات کا وقت ہو۔ آسمان پر ایک تارہ بھی نہ ہو مطلع کسی طرح روشن نہ ہو۔ اور سندر کی لہریں روزگار رہی ہوں۔ جب ہما زران روشنی کے مینار پر سے روشنی کے رنگ پاکسی اور علامت سے جان چاہے کہ فلاں سمت میں قریب ہی کوئی پتھر کی چٹان ہے جسکی طرف چاہئے سے ہمارے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائینگے۔ اور فلاں جانب سے منزل مقصود پر جہاز پہنچ جائیگا۔ اس وقت ہما زران کے ل کی کیفیت کچھ نہ رہی ہے۔

روشنی کے میناروں کی تعمیر تمام بحری خطرات میں سب سے بڑھکر ہے۔ پہلے جو مینار روشنی کے انگلستان کے جنوبی ساحلوں پر بنے تھے وہ لکڑی کے تھے۔ چنانچہ سماس اور دو ایڈیٹسٹن کے روشنی کے مینار بھی لکڑی ہی کے تھے۔ سماس سٹیل چینل میں ایک چھوٹا سا چٹان ہے اور اسکی دوسرے بہت عرصے تک آوان یا سیورن کی جانب والی کشتیاں غرقاب ہوئی تھیں۔ سماس پر بہت سی گاڑش کان کن جمع ہوئے۔ سماس اس چٹان سے آئیل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ ایک کشتی میں بٹھیکر اس چٹان کو چلے۔ اور ان کا منشا یہ تھا کہ روشنی رکھنے کے واسطے ہیں کہ کسی صلاحیت والی جانیں چنانچہ یہ لوگ کشتی پر سے اترے اور ایک بڑی سی سلاح اس چٹان میں ڈال بھی دی۔ لیکن موسم کی بارگ طوفانی ہو گیا اور اسلئے کشتی کو چٹان کے پاس سے دور کرنا پڑا کہ ماریا گزرتا کر ٹوٹ جائے۔ جو لوگ چٹان پر تھے وہ اس لیے کہ سلاح سے چپٹ گئے۔ اور بالانسائی تھیں اور بحری قوت میں جنگ شروع ہوئی شیام سے لیکر صبح تک اس سے چپٹے رہے۔ یہاں تک کہ تیسرے دن طوفان کا زور گھٹا اور کئی جان بچ گئیں۔ یہ لوگ پھر اپنے کام میں مصروف ہوئے۔ یہاں تک کہ جو ان کا منشا تھا وہ پورا ہو گیا۔ اور یہ روشنی کا مینار جہازرانوں کی خبر داری کی واسطے کوئی ۱۰۰ سال تک اس طرح کھڑا رہا یہاں تک کہ پھر چاہئے اسکے ایک سنگ مرمر کا مینار بنایا جو کربیا ہمیشہ کے واسطے کافی ہو گیا۔

مگروٹیلے۔ رڈیارد۔ اور سمیٹن نے بھی ایڈیٹسٹن کے روشنی کے مینا بنائیں کچھ کم دلیری اور بہادری لہریں تھیں۔ دو مینار جو پہلے بنے تھے وہ دونوں برباد ہو گئے تھے یعنی ایک تو طوفان کے تھوڑے ۴۶۔ نو برس گزرا کہ کوہ گیا اور دوسرا آگ سے جل گیا کیونکہ دونوں لکڑی کے تھے۔ اب سمیٹن نکلا اور اس نے ارادہ کیا کہ روشنی کا مینار تھیر اور سنگ مرمر کا بنے۔ اور گو بعض نے مزاحمت کی اور اصرار کیا کہ ایڈیٹسٹن پر لکڑی کے مینار سے بڑھکر اور مینار کوئی نہ ٹھہر سکیگا۔ مگر سمیٹن اپنے قول پر ثابت قدم رہا۔

تسمیٹن چلے تھ کو گیا تاکہ اپنی مجوزہ عمارت کی جگہ تعمیر دیکھے۔ سمندر بڑے جوش و خروش سے لہریں مار رہا تھا لہذا اسکا چٹان پر اترنا محال تھا۔ مگر ۳ دن بعد یہ ایڈمیسٹن پراثر نے میں کامیاب ہوا۔ اسے تین مرتبہ چٹان پر پہنچنے کی کوشش کی مگر تینوں مرتبہ ناکام پھر نا پڑا۔ مگر آخر کار یہ ایک جگہ کم پانی میں اتر ا۔ اور یہاں اس نے اپنے مجوزہ مینار کی واسطے پیمائش کی۔ مگر ان مشکلات اور مصائب کا تذکرہ اس موقع پر فضول سمجھتے ہیں جن کا اس انجینئر کو سامنا کرنا پڑا۔ ایک موقع پر تو تسمیٹن اور اسکے آدمی قریباً غرقاب ہی ہو چکے تھے۔ جب یہ پتہ چلا کہ وہاں آ رہا تھا تو تیز چلنے لگی اور پورے پورے غرقاب کا بندھ گیا۔ جس کشتی میں یہ بیٹھیا ہوا تھا وہ ہوا کے جھونکے کے باعث تابو سے نکل گئی۔ زمین نظر سے غائب ہو گئی اور یہاں تک کہ یہ خلیج بیکہ کی طرف بہنے لگی۔ غرض اس طرح چار روز تک اسے ہوا سے اوجھڑا رہا مگر اتفاقاً قریب ایک روز یہ سمندر گاہ چلے تھ میں پہنچی۔

تسمیٹن نے تمام مینار کی تعمیر کا بخوبی اہتمام کیا۔ اگر کبھی کوئی خطرناک جگہ ایسی جاتی جہاں جانے سے لوگ خوف زدہ ہونے لگتے تو یہ خود سب سے آگے وہاں پہنچ کر کھڑا ہو جاتا۔ ایک بار یہ تپھر گر پڑا اور اسکا انگوٹھا اتر گیا۔ مگر اس نے فی الفور خود ہی جھٹکا دیکر اسکو چڑھا لیا۔ اور مینار کا بنیادی تپھر رکھنے کو لگے۔ پڑھا تعمیر نہایت مستعدی سے جاسی ہی یہاں تک کہ یہ مکمل ہو گئی۔ تسمیٹن کا ارادہ تھا کہ اس اپنے مجوزہ مینار کو دائمی بنا دے۔ اس نے بیان کیا کہ اس قسم کی مفید عام چیز کے بنانے میں میرا ارادہ ہے کہ اسکی مضبوطی دو یا تین صدیوں تک ہی کافی نہ ہو بلکہ ابد الابد تک۔ انفس انسان کی خواہشیں کی ہی فضول ہوتی ہیں! اگر اوشن شنی کے مینار نے ۱۲۰ سال تک طوفان اور سمندر کی لہروں کا مقابلہ کیا مگر اب یہ قریباً شکستہ ہو رہا ہے اور اسکی جگہ دوسرے تعمیر ہو رہا ہے۔ گو یہ تپھر کی طرح مضبوط رہا۔ نہیں بلکہ تپھر سے بھی بڑھ کر مگر پھر بھی پانی نے اپنا کام کیا۔ اور اسکی بجائے دوسرے مینار کی ضرورت پیش آئی۔ مگر پھر بھی تسمیٹن نے ایک کا عظیم کیا۔ اور جس قدر بحری روشنی کے مینار اس کے بعد تعمیر ہوئے سب اس کی تقلید کے نمونے ہیں۔

اسکی بجائے نئے مینار کی بنیاد ۱۹ اگست ۱۸۸۹ء کو رکھی گئی۔ اور سٹرڈ اوگلاس تسمیٹن کی بہادری اور عظمت کا جانشین ہوا۔ شیخ اس کی طرح بہادر اور ہوشیار ہے۔ اس نے روشنی کی میناروں کی بنیادیں رکھتے وقت بہت خطرات کا سامنا کیا ہے۔ اور تسمیٹن کی طرح کبھی خطرے سے نہیں لرزتا۔ اس نے مینار کی بنیاد رکھنے سے چند روز قبل لوگ کام میں مصروف تھے اور سمندر میں طوفان برپا تھا۔ اتفاقاً ایک ایسی لہر آئی کہ یہ قریباً بگڑے ہوئے مگر خیریت گذری کہ آخر کار یہ گرتے پڑتے ہی چلے گئے۔

مردم جمعی اس کربل انجیر نے مشرڈ اوگلے کی ڈیوگٹ وانگلٹن سے مغربی کرائی اور کہا: یہ ایک شخص ہے جس نے اسقدر لڑائیاں لڑیں ہیں جس قدر پنجاب نے۔ مگر اس نے خون ایک بھی نہ کیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خونریزیوں میں۔ ان میں کامیابی ہو۔ لڑائیاں ہوں اور ان میں فتح حاصل ہو۔ مگر تمام فوج کے آدمیوں اور افسروں سے بڑھ کر دن بدن انجیر کو زیادہ خوف خطر سے اور جان جو حکم سے مقابلہ پڑتا ہے چیخ انجیر کی ہم میں ہوتا ہوتا ہے۔ یہ سب سے پہلے چٹان پر گود کر ہونچتا ہے۔ اور کچھ بعد یہاں سے جاتا ہے۔ یہ خود اپنی تشیل سے اپنے اونٹوں کے دیوں میں ہمارے اور لیری کوٹ کوٹ کبھ دیتا ہے۔ یہ آدمی اسکی تجویز کو مکمل کرتے ہیں اور اسکی تقلید سے دم بدم خطرے کے زیادہ عادی ہوتے جاتے ہیں۔

کوئی چالیس سال گزرے زمانہ حال کے نہایت بہادرانہ کاموں میں سکرور کے مینار روشنی کی ترقی تھی۔ جس چٹان پر یہ مینار بنا ہے وہ جزیرہ تھامس کے مقابل سکاٹلنڈ کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ یہاں بہت سے جہاز غرق آب ہو گئے تھے اور بچان کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑوں کے اور کچھ کنارے پر نہ ہونچا تھا۔ اسپر یہ ارادہ ہوا کہ یہاں روشنی کا ایک مینار بنایا جائے۔ مشرطین سیٹونس کو ہدایت کی گئی کہ اس مقام کی پیمائش کرے چنانچہ ۱۸۳۳ء میں اسکی پیمائش ختم ہوئی۔ اور پہلے پہل اسپر ایک چھوٹی سی بارک بنائی گئی۔ مگر ابھی مینار بننا شروع ہی ہوا تھا کہ ایک شب تمام عمارت بگئی۔ چنانچہ دوسرے سال پھر کام شروع ہوا۔ ۱۸۳۷ء میں بارک دوبارہ بنائی گئی اور یہاں انجیر اور اسکے آدمیوں نے بود و باش اختیار کی۔

یہ بہادر انجیر کہتا ہے: یہاں پہلے مہینے میں ہکا اپنے کمرے بہ جانے سے بہت تکلیف اٹھانی پڑی۔ ایک موقع پر چودہ روز تک ساحل بحر ادب ہم میں سفر رسائل بالکل بند رہی۔ اور اس شان میں جہاں ہمارے نگاہ کام کرتی ہکا بجز پھینے کے ایک میدان کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ اور ہمارے کانوں میں ہوا ادا لہریں شائیں شائیں کرتیں اور ایک موقع پر تو اسقدر شور تھا کہ ہم ایک دوسرے کی بات بھی نہ سن سکتے تھے۔ اس حالت میں اس بارک کو دیکھ کر جو پچھلے سال بگئی تھی اور جو کہ کوئی مہینے گز کے فاصلہ پر تھی، ہمارے دل میں مایوسی اور غم بٹھکتا جاتا تھا۔ اور جھکو اچھی طرح یاد ہے کہ ایک روز رات کو میں نے خبر سونرا تھا کہ ایک ایکس زور سے ایک لہر سند کی آکر بارک سے ٹکرائی کہ میری چارپائی ٹپنے لگی۔ اسوقت جوتھا میرے دل پر طاری ہوئی وہ ناگفتہ بہ ہے۔ نیچے سے میں نے آدمیوں کے چیخنے کی آواز سنی جس سے کہ میں تو بھی ہکا بکا رہ گیا۔ اور ہم سب ٹکڑا کر ساحل سے بھاگے کہ تمام عمارت بگئی ہے۔

طوفان ختم ہو گیا اور انجنیئروں نے جو بال فائو کشتی کی حالت کو پہنچ گئے تھے پھر اپنی خوراک جمع کی اور کام میں مصروف ہوئے۔ غرض ۱۰ سال کی جانفشانی اور عزیز کی بعد یہ دنیا مکمل ہوا اور نیم فوری سلاکٹر کو پہلی مرتبہ جہاز دانوں کی وسطے روشنی کی گئی ۛ

یہ روشنی کے مینا بھی ان چیزوں میں سے ہیں جن کی اس وقت جہاز دانوں کو ضرورت پیش آتی ہے جب یہ اپنے وطن کو واپس رہتے ہوں اور طوفان کا سمندر پر غل جو سمندر کی لہریں آسمان سے آتیں کر لیں اور چٹانوں سے اس طرح ٹکراتی ہیں کہ توپ کی آواز بھی ان کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی ۛ

۹۱ء میں نیو کال کی کشتی ایڈ ونچر ٹائن کے دانے کے پاس ٹوٹ گئی۔ بھی کشتی یہاں کھڑی تھی کہ اسکے مسافروں نے نیچے گونا شروع کیا۔ کنارہ یہاں سے ۳۰۰ گز دور تھا۔ اس وقت دیا کے کنارے کوئی ۳۰۰ تا ۴۰۰ گھنٹے والے کھڑے تھے مگر ان میں سے ایک کو بھی اتنی جرأت نہ ہوتی تھی کہ ان کی مدد کو پہنچے۔ یہاں موقع ایسا تھا کہ کوئی معمولی کشتی یا جہاز ٹھہر نہ سکتا تھا۔ اس مصیبت کے نظارے نے لوگوں میں جوش بھر کا دیا اور ایک سیٹی قائم ہوئی جس نے اشتهار دیا کہ جو شخص کسی کشتی ایجاد کرے گا جس سے یہ تمام رقت نفع ہو جائیگی وہ انعام کا مستحق ہوگا۔ تمام تجویزوں میں سے دو تجویزیں کیٹی نے منظور کیں۔ ایک ولیم ڈوہیو کی اور دوسری ہنری گریٹ ہمیٹ کی۔ مگر گریٹ ہمیٹ کو انعام دیا گیا۔ مگر ڈوہیو کی تجویز سے اکثر نکتے لیکر کشتی مکمل ہوئی۔ اب دراصل اس کشتی میں ڈوہیو کی تجویز بہت کچھ شامل ہے اور اس کو بھی انعام ملنا چاہیے تھا۔ ڈوہیو پہلے رنگ ساز تھا اور بعد میں صنعت ہلڈاکے گرجا کا منشی بن گیا۔ قبرستان میں اس کا ایک بت رکھا گیا ہے اور یہاں اس کی مجوزہ کشتی کا نمونہ بھی ہے۔ اس بت کے نیچے کتبہ پر کندہ ہے کہ ۲۰ شیخ جس بنی آدم کی وسطے بے بہا بابرکت چیز لائف بوٹ کا موجد ہے۔ گریٹ ہمیٹ نے جو ڈوہیو کی تجویز سے نکات لیکر لائف بوٹ بنایا اس نام کے دانے پر کوئی ۲۰۰ ہندگان خدا کی جانب سے چکائیں۔ ڈوہیو کو آف مار ٹھہر لٹڈ نے ایک آؤ کشتی کے بنانے کا حکم دیا اور اس کی مرمت کی اسے سالانہ خرچ بھی دینا منظور کیا۔ ڈوہیو نے آؤ ٹو کے واسطے بھی ایک لائف بوٹ کے بنانے کا حکم دیا۔ اور مڈو میپسٹر نے صنعت انڈریوز کو وسطے ایک لائف بوٹ بنوایا جہاں اس سے ہزاروں آدمیوں کی جانیں بچیں۔ اور ۱۸۵۳ء میں مڈو گریٹ ہمیٹ نے کوئی اسم لائف بوٹ بنائے۔ یعنی پانچ سکاٹ لینڈ کی وسطے ۸۰ خیر مالک کی وسطے ۱۰۸۔ انگلستان کی وسطے مڈو گریٹ ہمیٹ کا سب سے بڑا لائف بوٹ جو فی الحال استعمال ہے وہ ۱۸۵۳ء میں بنایا تھا۔ یہ ریڈ کار کے جہاز دانوں کے قبضہ میں ہے۔

اور رید کا روہ مقام ہے جو طرف سے نہایت ہی خطرناک چٹانوں سے محصور ہے۔ چنانچہ اس طرح بہت سی جانیں بچ گئی ہیں اور صرف کشتی کی عمدگی سے نہیں بلکہ اہل جہاز کی بہادری سے بھی ۔
 لائف بوٹ سوسائٹی اب ایک شاہی اور قومی مجلس ہو گئی ہے۔ یہ ہرسال سینکڑوں جہاز دانوں کی جان بچاتی ہے۔ اس مجلس کے تعارف میں اس وقت ۷۰۰ کشتیاں انسانوں کی جان بچانے کے واسطے ہیں اور ۲۵۰۰۰ بہادر آدمی ان کو چلاتے ہیں۔ جب سے قائم ہوئی ہے اس نے کوئی ۲۷۰۰۰ سے زائد بندگان خدا کو غرقاب ہونے سے بچایا ہے۔ بھلا خیال تو کرو جو لوگ جانبر ہوئے ہونگے ان کے جان بچوں کو کیسی خوشی ہوئی ہوگی !

یہ نامکن ہے کہ جو غفلت اس مجلس سے ظہور میں آئے ان کا مفصل تذکرہ کیا جائے۔ اس مجلس کی کشتیوں میں ایک کشتی وان لک ہے جسکو امی ڈبلیو لک نے نذر کیا ہے۔ اس کا نام وان لک اسوجہ پر لگایا کہ اسکا مالک جرمین تھا۔ یہ لک ۱۸۷۱ء میں ٹیل میں تھی اور ایٹکلس نے ۱۹۱۱ء میں اس کو اور کئی کشتیوں کو غرقاب ہونے سے بچایا ہے۔ جس وقت اس کا ضعیف مالک اپنے بستر مرگ پر تھا اسکی کشتی پر اسکے دینی نہایت ہی بہادرانہ کام کر رہے تھے ۔

۴۸۔ دسمبر ۱۸۹۹ء کو اتوار کے دن ایک بچے کو ڈون سے جو ٹیل سے میل تھا توپ کی آواز آئی جس سے معلوم ہوا کہ کوئی جہاز مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ اس وقت ہوا نہایت تیز چل رہی تھی۔ لوگ گرجا سے نکلے تھے اور ہوا کی شدت کا یہ حال تھا کہ انکی چھتیاں دھڑکی ہوئی جاتی تھیں اور یہ مکان پر جلد پہنچنے کے واسطے قدم اٹھائے بھاگے جاتے تھے۔ لائف بوٹ کے تیار کرنے کے واسطے گھنٹہ بجا اور کشتی بان نہایت بہادری سے اپنی اپنی جگہ جا پہنچے۔ ہم کشتیاؤں نے باوجود سمندر کے جوش و خروش اور ہوا کی تیزی کے نہایت دلیری سے کشتی پانی میں چھوڑی اور لوگوں کے ”مرحبا“ اور ”شباباش“ کے نعروں میں یہ چل پڑے ۔ یہاں کو ڈون سند میں تین کشتیاں تھیں۔ ایک کشتی کے مسافر مارگیٹ میں بیٹھ گئے۔ اور کشتی کو سچے ڈوبنے کے لیے چھوڑ دیا۔ ایک اور چھوٹا سا جہاز تھا یہ مسافروں کے غرق ہو گیا۔ اور جو جہاز باقی رہا وہ لکڑیاہمی جرمین کا تھا۔ اسپرٹی کھل لدا ہوا تھا اور یہ نیویارک کو جا رہا تھا۔ وان لک کے کشتیاؤں نے یہاں پہنچ کر جہاز کو چاروں طرف سے نہایت ہی خطرناک لہروں میں گھرا ہوا دیکھا۔ مگر انھوں نے اسکی مطلق پرواہ نہ کی اور بخوف جہاز کے پس جا پہنچے ۔

لیکن ایک اور خدائی یہ تھی کہ اگر قریب تر ہونے کی حالت میں لائف بوٹ جہاز سے ٹکرا جاتا تو ایک نفس بھی زندہ نہ بچتا۔ مگر لائف بوٹ کے آدمیوں نے کہا: ”ہمارا فرض ہے کہ ان کو بچائیں اور تمام انسانی جرأت کو کام میں

لائیں۔ چنانچہ انہوں نے ہتھکڑی کو اس قدر قریب لے آئے کہ جہاز پر رستیاں پھینک سکیں۔ مگر ایک ایسی اندر دہائی کی کرافٹ بوٹ پیچھے مٹ گیا۔ لیکن یہ دوبارہ پھر اسکو شکیل تمام واپس کر لائے اور ایک ایک دودھ کر کے تمام سائیکلنگ پر لگئے۔ غرض اس طرح ۳۴ بندگان خدا کو لیکر وہاں تک گناہ کو چلا۔ اور یہاں لوگوں نے نہایت کشادہ دل سے ان شکر گزار اہل جرمین کی مدارات کی۔ وہاں تک ہر وقت اپنی حالی جو صلی کے عوض مرجا کا نوہ سننے کو زندہ تھا۔ مگر سات روز بعد یہ اس جہان سے کوچ کر گیا لیکن اس کے نیک کام سے اس کے بعد آدمیوں کی جانیں بچتی ہیں۔ اور یہ کام اس کا دوسروں کے واسطے ایک مثال کا کام دینگا۔

انگلستان کے ساحل بحر کے لائف بوٹ اور جہاز رانوں سے ہزاروں اس قسم کی بہادری کے کارناماں ظہور میں آتے ہیں۔ جہم ان کو کوئی کشتی یا جہاز خواہ یہ مجھوڑوں کی ہو یا کسی کی سمندریں پھنسی نظر آتی ہے۔ فی الفور اسکی مدد کو متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ اپنی کشتی سمندریں چھوڑتے ہیں۔ اور ہوا کے جھونکے ان کو کنارے پر پھینک دیتے ہیں۔ یہ پھر کوشش کرتے ہیں اور بالآخر اپنی بے نظیر بہادری سے اپنی منزل تصور پر پہنچ جاتے ہیں بعض اوقات کشتی کسی چٹان سے ٹکرا بھی جاتی ہے۔ مگر پھر درست ہو کر یہ اپنے اہم کام کو جاتی ہے۔ ابھی حال کا ذکر ہے کہ ایک کرافٹ بوٹ ایک تربہ کناہی سے چاریل تک ایک جہاز کی مدد کو گیا اور باہر آواپس آیا۔

اسی سال فروری برکین یہ لائف بوٹ جہاز آگسٹ نامی کی مدد کو پہونچا جو بندرگاہ سے کچھ فاصلے پر ایک چٹان سے ٹکرا گیا تھا جس وقت مسافر لائف بوٹ میں سوار ہو گئے جہاز غرق ہو گیا۔ مگر ابھی ایک اور مشکل تھی کہ چونکہ فی الفور معلوم ہوا کہ مخالف تھی اور کشتیاں اس قابل تھیں کہ کشتی کو بندرگاہ کی طرف لجا سکیں۔ لشکر گریا گیا مگر کشتی نہ ٹھہری۔ یہ چٹان سے ٹکرائی اور اب بچا اسکے کچھ چارہ نہ سوچا کہ تمام مسافر چٹان پر پڑ پڑیا چنانچہ یہی ہوا اور اس طرح ایک طعن کا بھی نقصان ہوا۔

ہم ایک اور مثال نہایت مؤثر اشاری کرتے ہیں۔ مارچ کے مہینے میں ایک روز اتوار کی شام کو جب لوگ گریٹ یا رستمہ کی گرجا سے نکل رہے تھے۔ گراہی لینڈ سے ایک جہاز پر سے توپ کی آواز سنائی دی یہ جہاز رست میں پھنس گیا تھا اور اہل اسکو محصور کیے ہوئے تھیں۔ جہاز ران فی الفور کنارے پر جا پہونچے اور ایک کشتی تیار کی۔ یہ کشتی جانے لگی تھی کہ ایک نوجوان کشتیاں دوڑا۔ ایک دوسرے کشتیاں کو کشتی میں سے اسکی جگہ پر سے کھینچ کر اٹھا لیا اور کہنے لگا۔ جیک۔ یہ ٹھیک نہیں۔ تیرا اب تک میری جگہ تین مرتبہ چلے ہو کیونکہ میری شادی تھی۔ مگر اب میری اہلی ہے۔ کشتی چل پڑی مگر تھوڑی دیر بعد ایک اہلی لڑکی

کہ یہ بالکل لٹ پڑی۔ تین کشتیاں ڈوب گئیں۔ اور ان میں ایک وہ نوجوان بھی تھا جس نے اپنے ہمراہی اپنے بچائے بھی بچا پسند نہ کیا تھا۔ اسیدم دوسری کشتی تیار ہو کر چلی سگرافٹوں کو وقت گزریا تھا۔ یہ جہاز جو ریت میں پھنس گیا تھا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور ایک شخص بھی زندہ نہ بچا۔

بائیسواں باب

سپاہی

میں حیثیت ایک حاکم کے ہوں اور سپاہی میرے ماتحت ہیں۔ میں اس شخص سے کہتا ہوں چلا جا اور وہ چلا جاتا ہے۔ اس شخص سے کہتا ہوں آ جا اور وہ آ جاتا ہے۔ اور میں اپنے نوکے کہتا ہوں یہ کام کرو اور وہ کرتا ہے۔ (میں اس شخص کا احوال)

میں سپہنشاہ ہوں مگر یہ میرا فرض ہے۔ ہم میں اعلیٰ سے اعلیٰ بھی ایک سپاہی ہے جو کہ اپنے پیچھے کھڑا ہے۔ (وہ اسٹ ملو اٹل)

اگر کوئی شخص ہمارے خاندان کی خاطر۔ ہمارے جیب کی خاطر۔ ہمارے خالق اکرم کی خاطر۔ ہمارے ملک کی خاطر۔ ہمارے اپنے خاں جہان سے جائے تو اس کا خون حلال ہے۔ اور اس سے علاوہ نیکی ہے اور جرم ہے۔ (برک)

میں یہاں اپنا فرض ادا کرنے آیا ہوں۔ اور بجز اپنے وطن کا فرض بجا لانے کے میں کسی چیز میں ملینا کا لطف اٹھا سکتا ہوں اور نہ اٹھا تا ہوں۔

(ولنگٹن پرنگال ہیں)

ایک سپاہی کی زندگی فرض کی زندگی ہے۔ اسکے واسطے ضروری ہے کہ فرمانبردار رہے۔ باقاعدہ رہے اور ہمیشہ مستعد رہے اور جس وقت بگل بجے یہ فوراً حاضر ہو۔ جب کسی خطرناک کام پر جانے کا حکم ملے تو فوراً حاضر ہو جائے۔ اس میں کوئی دلیل یا عذر کی گنجائش نہیں۔ اسکو بالضرور حکم بجالانا پڑتا ہے خواہ توپ کے منہ میں ہی کیوں نہ جانا پڑے۔

لے سپہرین۔ اہل روم میں سواروں پر افسر ہوتا تھا۔ م

مطابعت۔ نوآبادی۔ قواعد اور دلیری۔ یہ چیزیں ہیں جو انسان کو انسان بناتی ہیں۔ اور نہ ہی خیریں
ہیں جو کشتی شخص کو سچا سپاہی بناتی ہیں۔ سپاہی اور اسکے جس قدر افسروں ان میں باہم ایک دوسرے کے
اعتبار اور اعتماد ضروری ہے۔ ریسکس کا مقولہ ہے: ”یہ سپاہ کی قواعد ہی ہے جس سے نکلے اور
سُست الوجہ نفس میں بھی پوری طاقت یا قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ آدمی جو کسی دگرگوشت میں
کاہلی یا عیاشی کا تفرین جلتے شرفانہ زندگی کی گود میں اس خدمت کے وسیلہ سے پہنچ گئے ہیں
جو دروغاً ان کو پکارتی ہے اور ان کے قوی کو مرتب کرتی ہے۔“

خواہ شکست ہو یا فتح۔ سپاہی کو اپنے پہرے پر رہنا لازم ہے۔ اور نہایت ضروری ہے کہ خیر
اور ہمت یاد رہے۔ اگر رات کو پہرے پر ہو تو اسے نیند کو پاس بھیٹنے دینا چاہیے۔ ایک لحظہ کی غفلت
اس تمام فوج کی تباہی کا احتمال ہے جس پر تعینات ہے۔ سپاہی کو ہر وقت اپنے اہل وطن کے واسطے
اپنی جان دینے پر مستعد رہنا چاہیے۔ اگر پہرے پر یہ سو گیا تو بس موت نے آدیا۔

سپاہی کو پست اور چالاک بھی ہونا ضروری ہے۔ اسکو ہمیشہ مستعد رہنا چاہیے۔ لارڈ لائسنس کے
زبان زد تھا کہ ”مستعد ہو“۔ ہنری چارم کی لیری اور چالاک نے اسکی تمام تجویزوں کو سرخام
کر دیا تھا۔ ۵۰۰۰ آدمیوں کے ساتھ اس نے ٹوک ڈی ملین کا سامنا کیا جو ۲۵۰۰ آدمیوں
سے اسکا پیچھا کر رہا تھا۔ اور باوجود کئی فوج کے اس نے آرکس کی لڑائی میں فتح حاصل کی۔ اس عجیب
نتیجہ کی خبر غالباً بہت کچھ دونوں فوجوں کے سپہ سالاروں کا مختلف ذاتی چال چلن بھی تھیں۔ کابل اور
سست الوجہ تھا۔ حالانکہ کہتے ہیں ہنری نے سونے میں بھی اتنا وقت صرف نہ کیا جس قدر تین
دشمنوں پر۔ ایک شخص ہنری کے سامنے مین کی ہوشیاری اور دلیری کی مدح خوانی کر رہا تھا۔ اسپر
ہنری نے کہا: ”تم سچ کہتے ہو۔ وہ بڑا بہادر ہے۔ مگر ہمیشہ میں اس سے چار گھنٹہ قبل تیار ہوتا تھا“
یعنی ہنری علی الصباح ۴ بجے جاگا کرتا تھا اور تین کوئی دس بجے۔ اور یہی ان دونوں میں فرق تھا۔

مارشل ٹورین سپاہیوں کا میرد تھا۔ یہ تمام مصائب اور مشکلات میں ان کا شریک ہوا۔ اور
انکی اسپر پورا پورا تکیہ تھا۔ لائسنس نے اپنی فوج کے ساتھ جرمنی کو ایک ٹیر آف پرنسڈ نبرگ
لڑنے کو بھیجا گیا۔ اسوقت تک کٹر لڑائی کا چارہ پڑ رہا تھا۔ اور برفانی راستہ پر چلنا نہایت تکلیف دہ اور دودھ
تھا۔ ایک رات تمام فوج ایک بڑے برفانی خط میں سے گذر رہی تھی چند نوجوان سپاہیوں نے کچھ شیش
کی جیسر ایک بور سے سپاہی نے کہا: ”جیسر کرو۔ ٹورین ہم سے بڑھکر تکلیف کھاتا ہے۔ اسوقت
ہماری بھلائی کی تدبیر سوچ رہا ہے۔ ہم سوتے ہیں اور یہ ہماری نگہبانی کرتا ہے۔ یہ پہلا دلی ہے۔ اور

ہو ایسا کبھی نہ تھا کیسا جب تک اس کے دماغ کوئی ایسی تدبیر نہ ہو جو کچھ مطلق نہیں سمجھ سکتے۔ یہ گفتگو مارشل کے کان تک بھی اتنا فافا پہنچی۔ اور اس نے بیان کیا کہ اس سے بڑھکر اسکا کسی امر سے زیادہ مسرت اور شادمانی نہ حاصل ہوئی تھی۔ ٹورین اسقدر فہم تھا کہ جس جنرل کے مقابلہ کو یہ جانا بیانی الفور اسکی صفات کو جانچ لیتا۔ جنگ فرمائیں جب شاہی فوج اسکی کمان میں تھی تو گناڈے سے اس کا مقابلہ تھا۔ مگر اسکو خبر ہو چکی کہ یہ جنرل فوج میں حاضر نہ تھا۔ اور اسوقت جنگ چھڑ گئی۔ مگر حملہ کا طور دیکھ کر ٹورین فوج افور سمجھ گیا کہ گناڈے واپس آگیا تھا۔ چنانچہ اس نے کہا: ہٹ۔ ہٹ۔ وہ دیکھو گناڈے ہے! اس نے دشمن کے دھوا سے میں کسی بڑے عقل مند کی انائی دیکھی تھی۔

جنگ ڈائنس پریشیا کے بعد جرمنی کے ایک شاعر نے وان ٹالک کی شاد صفت میں ایک کتاب اشعار کی لکھی جیدلر نے خوب لڑتے انیاں ٹانگیں۔ اور لکھا کہ ہنیال سکندر اور نیولین پریشیا کے فوجی فساد کے مقابلہ میں فن جنگ کے حق میں طفل مکتب تھے۔ وان ٹالک نے کتاب تو قبول کر لی مگر اسکا جو انبیاہت انکساری سے لکھا۔ اور اپنے مذہب بھٹ کو سمجھایا: ”جو سچے اعلیٰ درجہ کے شخص ہوتے ہیں وہ مصیبت کی آزمائش سے جانچے جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمکو بہت بھاری کامیابی ہوئی۔ مگر اس کو اتفاق۔ تقدیر نصیب۔ یا خداوند تعالیٰ کی مرضی کہنا چاہیے۔ یہ کام انسان ہی نہیں ہے۔“

اس عبادت بزرگوار و نیست

تا نہ بخشد خدا کے بخشندہ

فوجات صرف چند اسباب سے ہیں کہ نہ تو ان کو کم پیدا کر سکتے ہیں اور نہ ہٹا کر سکتے ہیں۔ نہایت ہوشیار اور ذہین گرفتہ پوپ اورین نے ذیل کی سطریں اپنی قبر پر کندہ کرانے کی وصیت کی تھی:-

”اے اعلیٰ درجہ کے انسان! کام بھی اس وقت کے مقابلے میں کیا مختلف ہے جس میں زندگی بسر کرتا ہے! کسی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ بڑے بڑے لائق ناکام ہو گئے ہیں۔ اور ناکام بھی ہوئے صرف چند اسباب کی اجبت قوت کے سبب۔ حالانکہ اسکے عکس کم لائق اور کم ہوشیار آدمیوں کے سر پر فتح و نصرت کا تاج رکھا گیا۔“

سپاہی ہیل شاکی دلیری بھی ضروری ہے۔ سنہ ۱۸۷۰ء کے موسم خزاں میں لوئی پانزدہم نے ایک فوج جرمنی پر بھیجی۔ مارکوٹس ڈی کا سٹریس نے ۲۵۰۰۰ جوانوں کی فوج جرمن برگ کو روانہ کی۔ انہوں نے کلہوٹر کے ہیں ایک نیا ت موزوں اور کارآمد تمام پریڈرے ڈالے۔ ۱۵ اکتوبر کی رات کو ایک نوجوان سپاہی شیمو لیپر ڈی اسپیس آگے بھیجا تاکہ راستے کی دیکھ بھال کرے۔ چنانچہ یہ تنہا

اپنی فوج سے کچھ فاصلہ پر رکھ گیا۔ دفعتاً دشمنوں کے سپاہیوں نے اسے گھیر لیا۔ انہوں نے اپنے منہ پر اس کے سینے پر رکھ دیئے اور پچھلے سے ایک نے اس کے کان میں کہا کہ اگر ذرا بھی زبان ہلائی تو میں مردہ پڑے ہو گئے! اسے فی الفور اپنی حالت اچھی طرح معلوم ہو گئی یعنی دشمن فرانسیسیوں پر شہنشاہی کرنے کے واسطے جا رہے تھے۔ چنانچہ جس قدر زور سے ہو سکا اس نے آواز نکال کر پکارا کہ یہاں ہے دشمن! یہاں ہو چکا! ان الفاظ کا لفظ تھا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ اور فی الفور اس کے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ مگر اس کی موت نے فوج کو بچایا۔ شہنشاہ کی کامی ہوئی اور دشمن کو لوٹنا پڑا۔

کہتے ہیں کہ تمام ملک میں جنگ کے زمانے وہ تھے جن میں امن کے قواعد کو نہایت ترقی تھی اور جہاں علمی ذہانت کا نور نہایت ہی دُور سے پھیلا ہوا تھا۔ اس میں کچھ کلام ہو سکتا ہے۔ مگر ہم یونان کی مثال لیتے ہیں۔ سقراط۔ ایسکھیلوس۔ ایکٹو فرین وغیرہ ایسے اشخاص تھے جو اپنے ملک کی خاطر لڑائیاں لڑے اور پھر اس ملک کے علم ادب پر عزت اور حرمت کا بچ رکھا۔ اور یہ محال کہ روم میں تھا جب اس کے اقبال اور شان مآلی کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ شاہ قیصر روم کے بڑے بڑے جنگجو بہادروں سے بڑھ کر تھا۔ اور اس کے مصنفین میں نہایت ذی مرتبہ تھا۔ مہور بس شاعر بھی جو ان میں سپاہی تھا۔ اور بروٹس نے ایک فوج کی کمان سنبھالی تھی۔

یہ نہایت عجیب چیز ہے کہ اس قدر مشہور و معروف آدمیوں کو دیکھتے ہیں جو کہ شاعر مصنف اور عالم تھے اور جنہوں نے سپاہیانہ زندگی بسر کی۔ اور تہی اور بحری لڑائیاں فتح کیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مخاطبت۔ قواعد اور تربیت جو کہ سپاہیانہ زندگی کی روح ہیں ان میں طالع چلنے کے واسطے نہایت پُرلڑ اور مجرب دبا ہونا ہے۔ اور یہ قوت اور مادے کو مجتمع کر دیتے ہیں جو ذہانت کے واسطے بہت کچھ درکار ہے۔

جنگ کپا لڈینیویس ڈیمنٹ جرنیل ایک سپاہی کے موجود تھا جس میں یہ رسالہ تکلف کی اگلی صفیں نہایت مردانگی اور دلاوری سے لڑا۔ چنانچہ یہ اور چند اور وجوہات ایسی تھیں جن کے باعث یہ فلائٹس سے جلا وطن کیا گیا تھا۔ پیٹر رامپس جو کہ بہت دلوں کا رہنما تھا۔ اوائل عمر میں سپاہی تھا۔ جنگ فلائٹس میں گاؤسٹ ڈی ملون کا نوکر تھا۔ اس نے اس نوکر میں کوئی مشہور سپاہیانہ کام نہ کیا۔ اس واسطے یہ متعجب ہو گیا۔ شادی کر لی اور کئی بچے پیدا ہوئے۔ اپنی عورت کے انتقال کے بعد یہ ایک خاتون میں چلا گیا اور راجہ بن گیا۔ یہ یروشلیم کو مسیح کی قبر زیارت کو گیا۔ اور یہاں سے اس نے اگر اس نے ان مصائب کے حالات مشہر کیئے۔ جو زائرین کو اٹھانا پڑتے تھے۔ اس تمام یورپ میں

و عطا کیا۔ اور پہلے جہاد میں ایک کھادھی لیکر روانہ ہوا۔ گوا اسکے بعد اور جہاد بھی ہوئے مگر تمام آدمی ملانوں کے مقابلے میں کام آئے۔

انگریزی شہزاد میں بھی جب ایڈورڈ سوم نے فرانس پرستہ میں جگہ کیا چارلس فرج میں ایک سپاہی تھا۔ یہ اثنائے جنگ میں تمام دشمن پر قید ہو گیا اور کچھ عرصہ تک قیدی ہی رہا۔ چارلج پو کیپٹن ابھی نوجوان ہی تھا کہ سکاٹ لینڈ کی فوج میں بطور پرائیویٹ سپاہی کے بھرتی ہوا۔ اور حملہ فائدہ دار کر میں ۱۸۳۱ء میں موجود تھا۔ بن جہاٹن بھی سپاہی تھا۔ سرفیلپ سڈنی بھی سپاہی تھا جس کا آخری نم کا شہر فائدہ چال اپن تواریخ کی تمام چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ انجریٹن سڈنی کے پاس ایک لہ کی کمان تھی جب آئرلینڈ میں بغاوت پھوٹی۔ ٹینٹن بھی انگلستان کے زمانہ سلطنت جمہوری میں سپاہی تھا۔

سٹیل نامی رٹز نامی رسالہ میں بطور ایک پرائیویٹ کے بھرتی ہوا مگر فی الفور اسکی خوبی ظاہر ہو گئی اور یہ ایک مقبول عہدے پر ممتاز کر دیا گیا۔ اس نے خصوصاً محاصرہ آئمر اور اسکے بعد محاصرہ وٹلوین بہت شہرت پائی۔ کالریج بطور ایک پرائیویٹ کے ایک محنت میں بھرتی ہوا۔ مگر اسکے افسرنے بجائے سکی ترقی کرنے کے اسکے مستغنی ہونے میں مدد دی۔ کالریج نے اپنے دوست سے ایک بار کہا: میں بہا اوقات سٹیل سے اپنی زندگی کا مقابلہ کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے بھی تھوڑے عرصے تک ہتھیار لگائے۔ اور اپنے نام کے بعد پرائیویٹ لکھا ہوا دیکھا۔ اور اپنے نام کے بعد نہیں بلکہ ایک اور نام کے بعد۔ کیونکہ افسر کا جب مجھ سے نام پوچھا گیا۔ میں نے گھر لکر "کیریکٹ" بتلادیا۔

اسکے علاوہ سو وینی دسویں سال میں ایک افسر تھا پیشتر اسکے کہ شاعر ہوا اور اسے چیارین و جیل کا تجربہ کیا۔ ولیم کاسٹل مصنف ہونے سے پہلے فوج میں سر جہٹ میجر کے عہدے پر ممتاز تھا۔

تینوں کے علمی زمانے میں بھی اس کے تمام شاعر اور بڑے بڑے مصنف سپاہی تھے جو اپنے ملک میں اور غیر ملک میں بحری اور بری لڑائیاں لڑتے۔ لوپ ڈوچی ریگا اسپین کے بیڑے پر ایک سپاہی تھا۔ یہ اپنے ملک کو واپس گیا اور یہاں اس نے اپنی کتابیں تصنیف کیں۔ بڑا مشہور شاعر تھیں ایک سپاہی تھا جو بحری اور بری جہتوں میں شہرہ کیا ہوا تھا۔ یہ جنگ لیتا ٹو میں اپنی بہادری سے ممتاز ہوا جس میں اسکو تین زخم شدید لگے۔ دو سینے پر اور ایک سر پر۔ اور ان زخموں نے اسے مدت العمر کیوٹے بیکار کر دیا۔ مگر جیسا کہ بعد میں اسکا متعلق تھا۔ یہ نیزہ مارا کہ بیکار نہیں کر سکتا۔ اس کے مطابق یہ اپنی

مشہور کتاب ”ڈان کیوٹی“ کی تصنیف کے واسطے زندہ رہا۔

کالڈرن ایک اور سپانیہ کا سپاہی ایک ڈرمانویس اور بعد میں یادری گذر رہا ہے۔ مندرجہ
 ڈی سی نیٹلانا ایک بڑا مشہور سپاہی جو ان ثانی کے دربار میں ایک عالم اور نہایت فصیح مقرر سمجھا جاتا
 تھا۔ اور نیز ہوسکن۔ مونٹ میمر۔ جابر کلاگو اور اسٹاسپاہی بھی تھے۔ اور
 بڑے بڑے مصنف بھی۔

سروینٹس فخر اسپین اور کونٹس فخر پنگال میں بہت کچھ مشابہت تھی۔ سروینٹس کا
 لڑائی میں بائٹھنا اچھا کام آیا۔ اور کونٹس کی دہنی آنکھ۔ یہ دونوں شخص اس وقت بخوبی مشہور ہوئے جب
 ان کی ہڈیاں خاک ہو گئیں۔ یہ اب تک نہ معلوم ہوا کہ سروینٹس کہاں پیدا ہوا تھا۔ میسر۔ رو۔
 اسکیرو ویاس۔ سیولی اور لیوسنا سب کے مولد بننے کا فخر کرتے ہیں۔ مگر اس کا کچھ رخصتہ
 نہیں۔ یہ بچا رہ نہایت مفلس علی علم کو سدھارا۔ یہ ایک ایسی جگہ دفن ہوا جو اب تک کسی کو بھی نہیں معلوم۔
 اور اس طرح اسکی خاک کی عزت نہ ہوئی۔

ابھی حال کا ذکر ہے کہ اہل پنگال نے کونٹس اپنے مشہور شاعر کی وفات کے تین سو برس بعد
 خوشی منائی۔ اس تقریب پر تین ہجری عام جلوس تھا۔ باجہ بخت تھا اور بازاروں میں جھنڈے لگے تھے تاہم
 تین سو برس اس سے پیشتر کونٹس بھوکا اس دنیا سے سدھارا تھا اور حالت میں کہ ایک ٹکڑا کپڑے کا
 بھی تھا جس سے اس کی بدن چھپا یا جاتا۔ کیوں ایسا ہوا؟ کونٹس ایک بڑا غور سپاہی اور نہایت لائق
 اور پوشیدار شاعر تھا۔ سیوٹا میں جب یہ فوج میں تھا اس نے بڑی بہادری دکھلائی۔ مگر جبراً لڑیں
 ایک بھری جنگ میں اسکی ایک آنکھ جاتی رہی۔ لیکن نہ تو اس پر اسے کچھ انعام ملانہ ترقی ہوئی۔ تین سو برس
 اگر یہ ہندوستان کو چلا اور ”لوسیاڈ“ کی تصنیف میں اپنا وقت صرف کرنے لگا۔ ہندوستان سے
 یہ مکاؤ پہنچا۔ مگر گو کو داپس آتے وقت اسکا جواز دیائے میسن کے دمانہ پر غرق ہو گیا۔ یہ کہنا کہ اسے
 تیرتا ہوا چلا۔ اسکے ایک تھاپی کتاب کا قلمی نسخہ تھا اور دوسرے ہاتھ سے شنادرسی کر رہا تھا۔ جو کچھ اسکے
 پاس مال متاع تھا سب جاتا رہا۔ جب تین سو برس کو داپس آیا تو یہاں با پھیلی چلی تھی۔ اس وقت بھی یہ اپنے
 صدمہ ممل بہت ہی غمگین تھا۔ دو سال بعد اس نے اپنی کتاب ”لوسیاڈ“ شائع کی جسکی بہت قدر ہوئی۔
 اور بادشاہ نے کئی پونڈ سکی پیش بھی کر دی۔ مگر کونٹس پاؤ ہو گیا۔ اسکی شہنشاہی۔ بادشاہ اسے
 بھول گیا اور اب اسے لوگوں کی خیرات پر گزارہ کرنا پڑا۔ اسکا اس وقت اگر کوئی دست تھا تو اسکا وفادار نوکر
 ہی تھا۔ یہ رات کو چھپ کر نکلتا اور اگر کسی کرتا۔ شہر میں کونٹس ایک ہسپتال میں مر گیا اور اسکی

لاش سستا انا میں فکری لکھی :

جو زف جو دس تو سیاڈ کے رہا ہیں لکھتا ہے : ہمارے ل پر کیا صدر گزرتا ہے جب ہم ایسے ذہنی رلائق و فائق شخص کا یہ بعد دیکھتے ہیں جو اسے ملا ! میں نے اسے آئرن کے ہسپتال میں مرتے ہوئے دیکھا۔ اسکے پاس ایک ڈرہجی تھی جس سے اس کا بدن ڈھانپا جاتا۔ یہ وہ شخص تھا جو ہندوستان کو اس فتح و نصرت سے گیا اور ۵۵۰۰ فرنگ مسافت طے کی اور اُن لوگوں کیواسطے یہ ایک خبر داری ہے جو دُنیا کی طرح مطالعوں میں بغیر کسی نفع کے غرق رہتے ہیں جس طرح کہ کمرچی کھیل کا شکار کرنے کے واسطے اپنا جال بیتی ہے۔ یہ شخص تھا جس کے نام کی آئرن میں ۱۰ جون ۱۸۸۷ء کو بہت کچھ عزت و حرمت لکھی +

اگنیٹیس لویولا اسپین کا ایک سپاہی تھا جس کا حال تواریخ میں بہت مشہور ہے۔ محاصرہ پمپونا میں اس کے یہاں ایک ایسا زخم لگا جس سے اُسے ایک عرصہ تک بستر پر پڑنا پڑا۔ "لائو ز آف می سینٹس" نامی کتاب اسکے ساتھ لگ گئی جبکہ اس نے اول سے آخر تک نہایت غور سے لگا کر پڑھا اور اس میں سے ایک نئی طرز زندگی کی صورت دیکھ کر اس کا دل بیدار ہوا۔ یہ فاسٹر ریٹ کی خانقاہ کو گیا اور کچھ عرصے تک یہاں رہا۔ ایک شب اس نے خانقاہ کے گرجا میں حسب دستور اپنے ہتیاروں کی حفاظت کر ڈھا کر اسکے وہاں نشین ہو گیا کہ وہ رجسٹر ٹائٹ بن گیا تھا۔ یہ یہاں سے نکلا اور کپینی آف جیمزس (ہما میان حضرت مسیح) کے قوت کا بانی ہوا۔ اور خواہ اس فرقہ کے بارے میں کچھ بھی رائے ہو مگر یہ وہ لوگ ہیں جو بیکار فرصت اور فضول عیاشی اور شادمانی سے متفرق رہتے ہیں +

فرائیڈمن میں ایک نہایت مشہور سپاہی رہنے ڈسکارٹس گزرا ہے۔ یہ ٹورین میں ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ اسکے مکان کے پاس ایک کلج جیسو اسٹ (ایک عیسائی فرقہ) کا تھا اور اسپین اس نے تعلیم پائی تھی۔ مشہور و معروف ماہب مار سیمنی سے اس کی دوستی ہو گئی جس نے ڈسکارٹس کی یاضی اور فلسفہ کی مطالعہ میں اس کی اسکو اتنی جرأت نہی کر اپنے خیالات کو پہلی مرتبہ شائع کرتا۔ مگر چونکہ تھا طبیعت کا اشراف واسطے جنگی ملازمت اس نے اختیار کی۔ پہلے تو اس نے ہائٹل میں جو فرانسیسی فوج تھی اسپین و انڈیری کی۔ اور بعد ڈیو لوک آف بویر پائے تحت فکری کی۔ یہ سلسلہ ۱۸۹۷ء میں جنگ پریگ میں ہو رہا تھا جبکہ اس نے بہت کچھ جو اندری دکھائی۔ اپنی اس نوکری دوران میں یہ اپنا فرصت کا وقت ریاضی اور منطق کے مطالعہ میں صرف کرتا۔ یہ برطانیہ میں اپنی جہت میں تھا کہ اس نے ایک ن بہت سے لوگوں کو ایک جگہ کھڑے ہوئے ایک شہر پڑھتے دیکھا۔ یہ فلیمنش زبان بولتا ہوا

تھا جسکو طلاق نہ سمجھ سکتا تھا۔ لہذا اس نے ایک شخص سے اسکا مطلب دریافت کیا جسپر سے معلوم ہوا کہ یہ ایک ریاضی کے سوال کے حل کرنے کا تھا جس شخص نے یہ اسے بتلایا وہ یکسہ مہینے دو ورٹ کا بج کر پرنسپل تھا۔ جسکو نہایت حیرت ہوئی یہ دیکھ کر کہ ایک نوجوان سپاہی ریاضی میں اسقدر عبور رکھتا تھا۔ غرض دسکاٹس نے اس سے اسکے حل کرنے کا وعدہ کیا اور دوسرے روز علی الصباح اس پر پرکھ کر یہ سوال حل کر کے بھیج دیا۔

معرکہ نوربا کے بعد ہی رچنٹ ڈیپٹی پرنسپل پر بورگ میں تمام کرنے کو گئی۔ اور یہاں بھی مسائل کی کجا عمر تھی کہ دسکاٹس نے نہایت بہادری سے مروجہ فلسفہ کی مکمل اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ چنانچہ اسکے تھوڑے عرصہ بعد اپنی فوج کو چھوڑ کر اسنے تمام یورپ میں سفر کیا۔ اور ترتیٹ لنڈ۔ فرانس۔ آئلی اور سوئٹزرلنڈ کی سیر کی۔ اس سیاحی کے بعد اس نے ارادہ کیا کہ اپنا تمام وقت ریاضی اور فلسفہ کی تحقیقات میں صرف کر دی۔ اور اگر ممکن ہو تو تمام طبقہ علوم میں قطع برید کرے۔ اسکو شاہ فرانس کا ظلم اچھی طرح معلوم تھا۔ اسکاٹس نے اپنی میراث جائیداد کچھ فرانس میں فروخت کر دی اور آئرلنڈ چلا گیا۔ مگر یہاں بھی اسکی تصانیف اسپرست کچھ رنگ لائیں۔ اسکے منطقی کفر کے مقابلہ پر کلیسیا بتیار باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسکے بعد اس نے کرسٹینا ملکہ سربین کی دعوت قبول کر لی اور یہ ٹسٹاٹ کم کو اپنے ارادے پورے کرنے اور اپنی زندگی کے دن گزارنے کو روانہ ہوا۔ چنانچہ اس نے ارادہ کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ اور فلسفہ ریاضی اور علم بصر میں قریباً ایک طور کا انقلاب پیدا کر دیا۔

آدومی فرانسسی سپاہی گڈ سے ہیں جو اپنی عالمانہ زندگی کے واسطے مشہور تھے۔ مگر پٹوس حالانکہ فوج کا کپتان تھا۔ مگر ریاضی کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ اور بعد میں اسی میں اس نے شہرت پائی۔ ماس جو کہ حکمرانوں میں انجمن تھا اپنے فرصت کے وقت میں علم بصر کا مطالعہ کیا کرتا۔ نیکیک فرانسسی فوج میں فٹنٹ تھا جس نے علم کیسیا کا مطالعہ شروع کیا۔ اور بعد میں خاص طور پر روشنی کے علم کیسیائی کا جس سے کہ بعد میں اس نے عکسی مصوری ایجاد کی۔ الامارگ عالم الاشیا بہت عرصے تک فرانسسی فوج میں سپاہی تھا اور مارشل پروچیل کے ماتحت اس نے بہت کچھ بہادری اور مدد انگیزی میں شہرت پائی۔ مگر چونکہ جنگ میں یہ زخمی ہوا اور اسکی تندرستی میں فرق آنے لگا تھا۔ اسکو مجبوراً فوج سے علیحدہ ہونا پڑا جس کے بعد عیلم کے مطالعہ میں آتبہ صرف ہوا کہ یہیں بھی اس کا نام بہت کچھ مشہور ہو گیا۔ اور ایک ایسی کتاب لکھی جو عالم الاشیا میں اس کا نام اب تک چمکا رہی ہے +

فرانسسی عالموں میں سے ڈمی الروشے فوکالڈ جو ان میں سپاہی تھا اور محاصرہ بورڈو اور

جنگ سنٹ اٹونو وڈن میں اسے زخم شدید لگے تھے۔ پال لوئی کو پریسپل ڈسکورس کا مصنف
رائٹس کی جہوریں سپاہی تھا۔ اور بعد میں انکی کے توپخانے میں افسر بن گیا۔ اپنے خطوں میں یکجہا ہے
”جبیتیں برنالی زبان کے مطالعو میں صرف تھا جھکو نہایت ہی بیچ والہ ہوا جب میں نے سنا کہ میری
عدم موجودگی میں آسٹریا سپاہی میری کتاب ”ہووم“ کوٹ لیکے“

تمام زبانوں میں یہ دستور رہا ہے کہ لڑائی کے ساتھ ہر جی فوری جاتی ہے فتح کے مخمونا نہ ہنگامے میں
شہر تباہ ہو گئے ہیں۔ ملک بیان ہو گئے ہیں ملو لا انتہا بندگان خدا کے سر قلم ہو گئے ہیں۔ زمانہ وسطی
بہادری کا توں واسطے مرتب ہوا تھا کہ کسید قدرت جنگ کے خطرات کا انداد ہو۔ اسکے پہلے عہد کے
واسطے ایک شخص کو بچپن سے فرمانبردار اور خوش خلق ہونا پڑتا تھا۔ اسکو گھوڑے کی سواری اور نیز بازی کی
مشق کرائی جاتی تھی اور مستورات کی صحبت میں یہ جلم نہ آفت۔ حیا اور زرباری کھیتا تھا۔ سن بلوغ کو پہنچے
پراسکو ناشٹ (سوار) کا تہندہ دیا جاتا تھا۔ اور مذہب کی پابندی بھی تھی۔ اور سیوج سے روزہ رکھنے۔
گرچہ میں شب بیداری کرنے سے بہتر نہ پانے۔ گناہوں کا مرتے دم تفرقہ دے اور عشائے بانی کا بھی طرح خیال
کیا جاتا تھا۔ چنانچہ طرح بہادری اور سچی شرافت کا اعلیٰ معیار مقرر ہو گیا تھا۔

شولہ پے یار ڈو عام طور پر نہایت سچا اور شریف بہادر شہور ہے۔ بے یار ڈو شہر میں چٹو
بے یار ڈو مقام ذاتی میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے فن سپاہگری کو پسند کیا۔ اور سیلوے پادشاہ کی خدمت میں
جانے سے پہلے سپہنگری کی تمام شرط پوری کر لی تھیں۔ ہم حالات کا مفصل بیان کرنا ضروری نہیں سمجھتے
جن میں اس نے اپنا چلن ایک سچے سپاہی کی طرح ظاہر کیا۔ اسے انکی میں فرنیس اول کے
زیر ذمان ٹونو دار میلان۔ جیوا۔ پاڈوانہ۔ ویرونا۔ لاسٹیا اور برسیا میں بڑے بڑے کارنایاں کیے۔
آغاز لڑکھانہ کے محاصرے پر اس نے دشمن کا خوب مقابلہ کیا۔ فیصل پر چڑھ گیا اور اسکی ان میں ایک نیزہ
ایسا کاری لگا کہ انکی ٹوٹ کر گشت میں ہی رہ گئی۔ اسوقت اس نے کہا: ”شہر توفیق ہو گیا مگر مجھ کو
اس میں طمانہ نصیب ہوگا۔ مجھ کو ہلاکت ختم لگا ہے۔“ اسوقت ڈیوگرف نے مورس نے سنا
کہ پلاش فرم ہو گیا تھا۔ مگر بے یار ڈو زخمی ہوا تھا اسکو استعارہ صدر گذار کہ گویا خود اسکو زخم لگا تھا چنانچہ اسے
کہا: ”میرے رفیقو چلو کہہ اپنے بے نظیر بہادر سپاہی کا بدلہ لیں“ برسیا پر قبضہ کیا گیا اور اہل دینس
شہر بدر کر دیے گئے۔

جس وقت فرنیسی شہر کی نافت و تاراج میں مصروف ہوئے۔ بے یار ڈو مردوں کے ڈھیر سے نیم جان
اٹھا کر ایک قریب کے مکان پر لیجا گیا۔ یہ مکان ایک سوچا شریف آدمی کا تھا جو اپنی عورت اور

دونوں جوان بیٹوں کو خدا کے حوالے کر کے بھاگ گیا تھا۔ عورت نے خود اگر دروازہ کھولا۔ اور بے یارڈ کو اندر لے گئی۔ گولوگوں نے بے یارڈ کو لب مرگ سمجھا تھا مگر اس میں اس قدر طاقت ابھی باقی تھی کہ اس نے سپاہیوں کو مکان کے لوٹنے سے سخت ممانعت کی۔

یہ عورت بے یارڈ کو ایک معقول کمرے میں لگئی جہاں یہ دو زنانہ ہو کر اسکے قدموں پر چھبک گئی اور کہنے لگی۔ بے جان بنیں۔ میں یہ تمام مکان مع اسکے اسباب کے آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں۔ کیونکہ جنگی قوانین کے مطابق یہ سب بچا ہے۔ میں صرف آپ سے ایک عنایت کی التجا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ میرا اور میری دونوں بیٹیوں کی عزت اور جان میں کسی طرح کا خلل نہ آئے۔ بے یارڈ کو بہت ناتوان تھا مگر بمشکل تمام اس نے کہا۔ بے جان بنیں جانتا کہ آج مجھ کو صحت ہوگی یا نہیں۔ کیونکہ مجھ کو زخم کاری لگا ہے۔ مگر میں جب تک زندہ رہوں گا تم کو یا تمہاری بیٹیوں کو کسی قسم کا ضرر نہ پہونچے گا۔ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ حتیٰ التماس میں تمہاری ساتھ شفقت اور ادب سے پیش آؤں گا۔ مگر مجھ کو سب بڑھکر جس چیز کی ضرورت ہو وہ یہ ہے کہ میرے زخم کا کسی طرح جس قدر جلد ہو سکے علاج کیا جائے۔

عورت ایک سپاہی کو ہرا لیکر ڈاکٹر کی تلاش میں گئی پچنانچہ ڈاکٹر نے اس زخم کو دیکھا مگر خوش قسمتی سے اس نے کہا کہ یہ ہلکا تھا۔ فی الفور اس کی زخم پرٹی کی گئی۔ اور بے یارڈ کو آرام ہونے لگا۔ اسی اثنا میں اس نے عورت سے اسکے خاوند کے بارے میں استفسار کیا۔ اس عورت نے زار زار رو کر جواب دیا۔ ”مجھ کو معلوم نہیں کہ آیا وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ مگر مجھ کو یقین ہے کہ وہ خانقاہ میں پناہ گزین ہوگا۔ جس وقت یہ معلوم ہوا بے یارڈ نے دو سپاہی بھیج کر اسے مکان پر واپس بلوایا۔ اور پھر اس کی سلامتی اور حفاظت کی طرف سے اسے بے غم کر دیا گیا۔

جب ڈاکٹر نے بیان کیا کہ زخم کو بہت جلد آرام ہو جائیگا۔ بے یارڈ نے اسے اپنی معمولی کشادہ دلی سے بہت کچھ انعام دیا۔ اور دو روز بعد اپنی فوج میں جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس صاحبِ ثناء اور اسکی عورت کو خیال آیا کہ ان کو سولے بجے یارڈ کو نذر دینا ضروری تھی۔ انہوں نے فی الفور تمام نقد و جنس جمع کیا اور کل رقم ۲۵۰۰ ڈیولکٹس بنی۔ انہوں نے اسے ایک عمدہ کشتی میں کھکرتے یارڈ کے کمرے میں جا کر اسکے سامنے پیش کیا اور عورت اسکے قدموں پر دو زانو دست بہتہ جھبک گئی۔ اس بہادر نے اسکو اٹھانا چاہا مگر نہ اٹھی۔ اس عورت نے کہا، عالیجا میں تمام عمر اپنے پروردگار کی مشکور ہوئی۔ کس نے ہمارے شہر کے محاصرے میں محض اپنی عنایت بے پایاں سے آپ جیسے کشادہ دل اور عالیجوصل بہادر کو ہمارے مکان تک پہنچایا اور میرا خاوند اور بیٹیاں تمام عمر انکے اپنے حق میں خدا کی رحمت کا فرستہ سمجھیں گے کیونکہ صرف آپ کی ہی بدولت

جنہوں نے اس محاصرے اور لوٹ کی مصائب اٹھائی ہیں +

غرض اس طرح یہ معاملہ انجام کو پہنچا۔ تمام خاندان کی آنکھوں میں شکر پڑے کہ آسو بھرے ہوئے تھے اور بے یار و مددگار وقت اس مکان سے چلا اس وقت ایک بہادر سپاہی کی شادمانی نیکی بختی اور شرافت آگے ہمراہ تھی +

قریباً انھیں ایام میں پوپ جیولیس نے یارڈ کو کلیسیا کا پستان جبل بنانا چاہا مگر اس تجویز کا بے یار و مددگار جواب یا شاید میرا صرف ایک سالگ سامن میں ہے اور وہ رسل عالمین ہے۔ اور ایک ملک زمین پر ہے یعنی شاہ فرانس اور اس کے سوا انیس کسی کی خدمت نہیں کرتا +

بیت یارڈ بہت سی لڑائیاں ڈال رہی تھیں فتح کیں جبرائیل نے اپنی شکستالی اور وفاداری پر لے درجہ کی ظاہری - اور آخر کار یہ ایک میں تھکان کے قریب اسکو آخری زخم لگا۔ امیر البحر بانو وٹھ نے جو فریٹس اول کا بہت موثر چڑھا تھا اسکو ایک نہایت خطرناک مقام شاید حد سے کھڑا کیا یہ بیان اپنی جگہ کھڑا تھا لڑائی میں نے اس پر ایک بارہ ماری۔ ایک گولی اسکی سر کے پار ہو گئی اور اسکی پسلیاں چھید دیں جس وقت گولی لگی تھی یارڈ چلا اٹھا۔ خدایا میں مر گیا + پھر اس نے اپنی تلوار کے صلیب کا قبضہ پر دھبہ صلیب کے بوسہ دیا +

اسکے ہمراہیوں کی مرضی چلی کر ایسے جگہ جہاں میں سے اسے نکال دیا میں نے گرائے کہا : میں نہیں میر نہیں چاہتا کہ آخری وقت میں اپنی تمام عمر میں پہلی مرتبہ دشمن کو پیٹھ دکھلاؤں + اس نے خود کو ایک حشر کے نیچے لیٹنے کا حکم دیا۔ ابھی اس قدر ہیں طاقت تھی کہ یہ چلا کر حکم دیتا تھا + یارڈ ماروا + اس نے اس وقت کہا : مجھ کو دشمن کے سامنے موٹھ کر کے مرنے دو + اس کے ماتحت اسکے ارد گرد بیٹھے ان لوگوں کا دیا بہار ہے تھے۔ اس نے کہا : یہ خدا کی مرضی ہے کہ وہ مجھ کو اپنے پاس بلاتا ہے۔ اس نے مجھ کو مدت دراز تک نہیں دیا میں لکھا۔ اور وہ عنایت اور بخشش مجھ پر کی کہ جسکے میں لائق نہ تھا + میں تم سب تلخی میں کہ مجھ کو چھوڑ کر چلے جاؤ کہیں نہ ایسا نہ کرنے میں مبادا قید ہو جاؤ۔ اور پھر یہ ایک اور حد میرے دل پر گزریگا میں مر رہا ہوں تم اس بابے میں میرے کچھ کام نہیں آسکتے +

اسکے بعد اہل اسپین نے قید کرنے کو آگے بڑھے۔ مارکوٹس آف لیسکانے اسکے قریب آکر کہا : لاڈلے تھے یا تو کیا ممکن تھا کہ خدا تجھ کو اس قابل کر دیتا کہ بغیر جان جانے کے تمام خون میرا بہ جاتا اور میں آج کو تندرستی میں گرفتار کر سکتا۔ جب سے میں نے سپہ مگرمی کے ہتیار باندھے مجھ کو ایک شانی نہ ملانے مارکوٹس اس لیے کہ بہادر سے نہایت خوش خلقی اور ادب سے پیش آیا۔ مگر جب تک اسٹیل آف

یورپون آگے بڑھا۔ اور یہہ کاٹیل تھا جو اپنے ملک اور بادشاہ کو چھوڑ کر شاہ اسپین کی خدمت میں چلا آیا تھا۔ اس نے بے یار ڈ کو مخاطب کر کے کہا: "اھاہ! بے یار ڈ! مجھ کو آپ پر بہت افسوس ہے!" بے یار ڈ نے اس پر اپنے بستر پر سے اٹھ کر مستقل آواز میں جواب دیا: "جنا میں میں آپ کا مشکور ہوں مجھ کو خود پر افسوس نہیں۔ میں ایک متدین شخص کی موت فرما ہوں۔ اور اپنے بادشاہ کی خدمت میں جان سے گزرتا ہوں۔ لیکن یہ شخص جس جو قابل افسوس میں کیونکہ آپ نے اپنے بادشاہ۔ اپنے ملک اور اپنے حلف کے مقابل میں ہتھیار اٹھائے۔ اس کے بعد فی الفور یہاں بحق تسلیم ہوا۔

بے یار ڈ کے انتقال کے بعد فرینسٹس اول کو اس جوانمرد کی تدفین کی جان کے اٹھ سے نکل چکا تھا۔ فرینسٹس نے اپنی تمام فوج کی کمان اپنے سونہ چڑھوں کو دیدی تھی۔ اور ایسے مشہور و شریف آدمی کا مطلق خیال کیا تھا۔ بادشاہ نے کہا مگر بعد از وقت: "ہے ہئے ایک نہایت با عظمت شخص کو کھو دیا جس کے مرنام سے اسکی فوج کی عزت ہوتی تھی اور لوگوں کے دلوں پر خوف چھاتا تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جو کچھ اسکی عزت کی گئی یا اسے عہد سے ملے ان سے بڑھ کر عہدوں اور انعاموں کا یہ حق تھا! جنگ پافیا کے بعد ہمیں فرینسٹس کے ہم سے جو عزت کے سب کچھ نکل گیا اس کے بدل پر بے یار ڈ کی وفات کا بہتے جاگنا ز صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس نے کہا: "کاش نائٹ بے یار ڈ جو بے نظیر بہادر اور تجربہ کار تھا زندہ ہوتا۔ اور میرے پاس ہوتا تو اسکی موجودگی میرے پاس تو فوج کے کپتانوں سے بڑھ کر تھی۔ رائے نائٹ بے یار ڈ! تو مجھ کو کیسی یاد ہوتا ہے! اگر تو زندہ ہوتا تو میں کیوں یہاں ہوتا! مگر بادشاہ کا کچھنا بعد از وقت تھا۔ یہ بے یار ڈ عہد کو سدا ہارا اور خود بادشاہ قید ہو گیا!

بے یار ڈ نہایت جوانمرد، شریف، اور بخت تھا۔ اسکی زندگی بے فانی تھی اور غورید ندر تھا۔ اس میں انصاف، صداقت، فیاضی اور رحم پرلے درجہ کا تھا۔ اور جس قدر مصائب کا سخت مرحلہ اسکو ملے کرنا ہوتا اسقدر اسکی دلیری اور بہمت زیادہ ہوجاتی۔ اگر کوئی شخص متحمل ہوتا مگر نیک بخت نہ ہوتا یا اس سے نفرت کرتا اور اسے تنہا چھوڑتا۔ جو روپیہ اسے ملتا یا اسے تقسیم کر دیتا۔ اس نے کبھی اپنے مہسائی کی معاونت سے پہلو تہی نہ کی۔ خواہ یہ درخت سے جلی یا زبان سے۔ اور یہ فعل اس سے ہمیشہ پرے اور شفقت کی اڑیں سرزد ہوتا۔ کہتے ہیں کہ اس نے کوئی ستو سے زاریہ تمیم لڑکیوں کی شادی کی اور ان کے جہیز دیئے۔ یہ وہ عورتوں کو اسکے ہتھوں معاونت ملنے کا کلی عین تھا۔ اور جو شخص اس کے ماتحت ہوتے یا ان سے نہایت مہربانی سے پیش آتا۔ اس کا خیال تھا کہ کبھی ایک معزول کو بحال کر دیتا۔ دوسرے کو اپنے کپڑے بدن سے تار کر دیتا۔ اور تیسرے کو اسکے قرض سے سبکدوش کر دیتا۔ جس شخص کو ملک میں یہ پہنچا اور کسی مکان میں یہ

اس نے جب تک اپنا اور اپنے آدمیوں کا کرایہ نہ دے لیا یہ یہاں سے نہ ہلا۔ یہ چالیسوں اور چھوٹے
ہستان لگانے والوں کا جانی دشمن تھا۔ اس کی ٹانگی نے بچپن ہی میں ٹھوڑا دیا تھا۔ مگر جوں جوں یہ بڑھتا
گیا توں توں یکمل ہوئی گئی۔ اس نے اپنے سر پر وہ بھلے دام کا تاج پہنا جبکی نسلا بعد نسلا عورت اور
تولیف ہو گئی۔

اگر ملک کی حمایت میں جنگ کی جائے تو وہ ہمیشہ معزز سمجھی جاتی ہے۔ مگر عکس اس کی نفع کی خاطر جو جنگ
وہ بہت کچھ معیوب سمجھی جاتی ہے۔ مگر تاہم زمانہ حال کی مروجہ تہذیب اور شائستگی کی آڑ میں یہ بھی سام ہے
ایسی حالت میں جو سب سے بڑھ کر قصاص یعنی ظالم ہو اس کا قہہ جاری رہتا ہے۔ جب الوطنی ایک اصول ہے
جو اعلیٰ جذبات اور شرفیاء خیالات سے پر ہوتا ہے۔ وہ کوئی شخص ہے جو ازل و ازل نظر
کی اس بہادری کی جو اس نے تپاک میں ظاہر کی۔ اور پروس کی اس جوانمردی کی جو اس نے سبکدوش
میں دکھائی تعریف نہیں کرتا؟ ان کے یہ کارناماں شرفیاء تھے۔ اور انکی تخیل کے ذریعہ خیال ہی تھے
ان کے اہل ملک کے لوگوں میں علو ہمتی چھوٹائی۔ انہوں نے اپنے بعد فرض کا ایک ایسا خیال چھوڑا
ہے جو کبھی فراموش نہیں ہو سکتا۔

مروجہ عالم نفع خلاق کے مقابل میں بھی حب الوطنی کسی طرح کم نہیں۔ جو شخص جس کو دل وطن اور
آبادی ملک کے تعلقات سے جکڑا ہوا ہے۔ اس میں زیادہ صاف باطنی ہے۔ زیادہ گرمجوش ہمدردی ہے
اور زیادہ کوشش کا تاہ ہے نسبت اس شخص کے جسکے خیالات اپنے ہی نفس تک محدود ہیں۔ اور وہ
اپنا وقت لہو و لب۔ عیاشی اور ادا باشی میں صرف کر دیتا ہے۔ ہر ایک شخص کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ وہ
سلسلہ مخلوقات کی صرف ایک کڑی ہے۔ اور باوجود اپنی حب الوطنی کے تمام دنیا کا میدان اسکی مخالفت
اور نیک علی کی جولا لنگاہ ہے۔

حب الوطنی۔ شرافت اور سپہگری و اشنگٹن کی زندگی میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ یہ
واشنگٹن تھا جس نے اپنے ملک کو آزاد کیا اور اسکا ہیرو بنا۔ اٹھارہویں صدی میں شیخس سب سے بڑھ کر
باعظمت گذرا ہے۔ اور بہت کچھ اپنی ذہانت سے نہیں بلکہ صاف باطنی اور اعتماد و کلی سے۔ اسکے الین
نہایت شرف اور بخت تھے۔ اسکے ابا و اجداد پہلے پہل ڈچم میراے اور پھر یہاں سے آریکو کو چلے
گئے جہاں رجنائیس ۱۶۹۰ء میں انھوں نے بودا شاخ اختیار کی۔

جلال و اشنگٹن کا حال اپنی ایسا تھا کہ کم سن ہی میں اسکو نہایت اعتماد اور اعتبار کی جاہ ملی۔
۱۹ سال کی عمر میں یہ رجنائیس میں ہو گیا اور اس نے کبھی ان لوگوں کو دھوکا نہ دیا جنہوں نے اسے تہکیر کیا۔

یہ پیشہ مستعد فرمانبردار اور فاضل پابند رہا۔ ۲۳ سال کی عمر میں یکنزل بن گیا۔ اور جس قدر فوج و سپاہ بھرتی ہوئی اسکا کمانڈر شریف مقرر ہوا۔ اسکی طرف کا سیالی میں تربیت نہ تو تھی بلکہ ناکامی میں جس نے اس کے جوش اور مردانگی کو بجڑ کا دیا +

دشمن گٹن کی سوانح عمری بہت لوگوں نے لکھی ہے۔ لہذا یہاں بجز اس کے اور کچھ بیان کرنا چند اہم ضروری نہیں کہ ہمیں ریاست داری۔ ایشیا کا مادہ۔ اور نیک نیکی کس قدر تھی جس سے اس نے اپنے ملک کو آزادی کی تکمیل کا تاج پہنایا۔ نہ تو کوئی شخص اس سے بڑھ کر صاف باطن تھا نہ نیک نیت تھا۔ فتح کئے وقت اس میں خود ضبط طبع موجود ہوتا اور شکست کئے وقت یہ ہلاکی طرح مضبوط رہتا۔ اپنی تمام عمر میں یہ شاد دل۔ فیاض اور نیک نیت رہا۔ دشمن گٹن میں یہ بات دریافت کرنا مشکل ہے کہ کونسی چیز زیادہ قابل تعریف ہے اس کے چال چلن کی شرافت۔ حسب لوطی کا جوش یا نیک نیتی +

حسوت یہ کمانڈر نجف کے عہد سے مستعفی ہوا۔ اس نے چند ریاستوں کے گورنر کے سامنے تقریر کی جس کے اختتام پر اس نے کہا: میں شب و روز یہ دعا کرتا رہتا ہوں۔ خداوند تعالیٰ آپکا اور جس ریاست پر آپ حکمران ہیں اس کا نگہبان رہے۔ وہ میرے اہل ملک کے لے متابعیت اور حاکموں کی فرمانبرداری سے سب کر دی۔ ایک دوسرے کے لے میں عموماً تمام اپنے اہل وطن باشندگان ریاست تھے متحدہ اور خصوصاً اپنے اہل برادران کی محبت پیدا کر دے جو ان کے واسطے میدان جنگ میں کام آئے۔ اور آخر میں وہ محض اپنے فضل کو پس نہیں انصاف کی طاقت دے۔ رحم کی محبت ہم میں ڈالے۔ اور ہم میں وہ سخاوت۔ انکساری۔ اور بردباری کا مادہ پیدا کرے جو ہمارے آسمانی رہنما میں موجود تھا۔ اور ان چیزوں کی تصدیق کے بغیر ہم کبھی دانا قوم بننے کی امید نہیں کر سکتے۔ کس قدر سادے سچے اور پسند وائش گٹن کے یہ الفاظ ہیں!

سپہگرو کا ذکر کرتے وقت ہم ڈیوگ ف وائش گٹن کا نام لینے سے بھی پہلو ہتی نہیں کر سکتے۔ یہ شخص گویا انگلستان کا بے یار و مدد تھا۔ اسکی زبان سے جو سب سے پہلا لفظ نکلا اور وہ جو سب کے بعد نکلا وہ تھا۔ یہ ایسی ہی تمام زندگی کا اصول تھا۔ دنیا میں صرف ایک ہی خیال اس کے لے میں تھا کہ جہاں تک ہو سکے اپنی ایاقوت اور ہوشیاری سے ملک کو نفع پہونچائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اور عزت کی خواہش نے ہرگز اسکو شرم کیل نہ کی۔ اس میں کسی قسم کی ذاتی حرص تھی۔ یہ صرف اسی پر قانع تھا کہ فرض ادا کر دے +

اسکا پہلا کام یہ تھا کہ جنت علی افسری کا کام کیجے۔ اور ابھی ایفٹر مقرر ہوا ہی تھا کہ اسکی جہننا سب سے بڑھ کر قواعد ان اور ہوشیار مشہور ہو گئی۔ جو حکم اس کو دیا جاتا یہ اسے نہایت محنت اور پابندی وقت سے بجا لاتا۔ یہ سمجھتا تھا کہ وقت اکیسایا زمانہ ہے جس میں کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے اور وہ بھی ہوشیاری اور غور سے

ایک اور شخص یہ متاثر تھا فرمانبرداری تھی۔ جب رئیس ہندوستان نے لکھستان کو واپس گیا جہاں اس نے بڑی بڑی فوجوں پر انگریزی کی تھی اسے سسکس میں ایکسپلن کی کمان ملی۔ اس کی زبان سے ایک لفظ بھی شکایت کا نہ نکلا۔ اور جب کسی نے اس کی اس تغیر حالت پر ہنس میں کچھ کہا تو اس نے جواب دیا: ”میں نے پادشاہ کا نمک کھایا ہے اور جو وہ مجھ کو حکم دیکھا اس کی بجا آوری پر اصرار ہے۔“

اس کی لیر کی کا ذکر کرنا ہی لاشعور ہے۔ فی زمانہ تو کسی ملٹن یا رساک کے جنرل کیو اسے یہ ضروری نہیں کہ خطرے کا سامنا کرے۔ اس کو صرف فوج کے آگے چلنا ہوتا ہے جیسے گف تلوار ہاتھ میں لیے ہو چلے گا اور کی سپاہ میں گیا تھا۔ غرض پھر بھی جہاں تک کسی خطرے کے موقع پر یا حملہ کے وقت اس کی موجودگی سب سے آگے ضروری تھی۔ یہ بہادری سے سینہ سپر ہوا۔ معرکہ آبی میں دو گھوڑے اس کے نیچے مر گئے۔ ڈور میں ایک موقع پر یہ ایک فرانسیسی تین میں گھر گیا۔ مگر اس نے تلوار ہاتھ میں لی اور ان کو جیتا ہوا نکل گیا۔ سیلہ لگا میں ران میں اس کی تھم آیا اور ایک گولی اس کی ٹوپی کے پار ہو گئی۔ اس نے سپر کا بیان ہے: ”میں نے جنگ سلیمان کا کی شام کو اس کو اس وقت دیکھا جب توپوں کے گولوں سے لالہ سے تھے اور جہاں تک لگا ہوا کام کرتی تھی جرنل کے شعلوں کے آگے کچھ نہ نظر آتا تھا۔ ڈیو کف وانگٹن تھا اس کی بیانی پر فتح کا ستارہ چمک رہا تھا۔ اس کی نگاہ تیز اور شیرساں تھی۔ مگر اس کی آواز نہایت نطمن اور خوش الحان تھی۔“

ڈیو کف کا تعلق نہایت ہی عجیب تھا۔ جب ٹورس ویڈاس میں سنہ ۱۸۷۷ء میں فوج میسینا نے اس کو بہت تنگ کیا تو اس کے اپنے ماتحت ان سے بعض اوقات بغاوت پر اس کے برخلاف آمادہ ہو گئے۔ یہ لوگ لکھستان جانے کے واسطے رخصت مانگتے تھے۔ اس نے کہا: ”اس وقت سات جنرل ہیں۔ جو یا تو لکھستان کو چلے گئے یا چلے جا رہے ہیں۔ اور جرنل میرے اور جنرل کمپل کے کوئی بھی اتنا نہیں جو فوج کو لیجائے۔ ان انیسروں کی عدم موجودگی کا نتیجہ ہوا ہے کہ جنگ کے موقع پر مجھ کو مجبوراً کبھی تو رساک کا اور کبھی ہر اول کے جنرل ہونا پڑتا ہے۔ اور بعض اوقات ایک ہی میں دو دو اور تین تین ستوں کے آگے چلنا پڑتا ہے۔“

لکھستان میں اخبارات نے ڈیو کف کی مخالفت پر نظر اٹھائے۔ اور اس کی توہین کی۔ اس کو جنگ کی حرأت ہی نہیں ہے! اور پھر ایسے عجیب آدمیوں نے یعنی لارڈسے برادر شہر کی لندن مجلس عام نے پادشاہ سے درخواست کی کہ ڈیو کف کے حال جن کی تحقیقات کی جائے۔ لارڈسے آف کانس نے شکایت کی زبان کھولی۔ وزارت میں بل چل چکشی شام وانگٹن اپنے کام پر ٹورس ویڈاس میں متعدد۔ اس کے پاس صرف انگریزی فوج ہی مدد کرتی ہے۔ کیونکہ پھر قریباً بیسٹھے رہتے تھے۔ اور انگریزی اخبارات میں جو اس پر الزام لگائے گئے ان کے لیے اس نے کہا: ”مجھ کو امید ہے کہ برطانیہ میں لوگوں کی آرائے اخبارات کی زبان سے موثر نہ ہوگی۔“

اور اسکے علاوہ ان اخبارات میں بھی کچھ عوام الناس کی رائے کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔ اس واسطے میں (جس کے پاس ایسے ہنگامہ خیز مضامین کا شکی بننے کے واسطے بہت کسی اور کے چند و چند و جرات ہیں) ان اخبارات پر طبعی خیال نہیں کرنا اور نہ یہ پرواہ کرنا ہوں کہ ایسے ہمتان اور پھر اعتراضات کا جواب دوں۔ جو میرے احکام پر کیئے گئے۔ اور لارڈ سے یہ کہی میرا پاس نے صرف نہ کہا ہے۔ جو یہ چاہیں کہ جب تک جنگ جاری ہے میں اس سے دست کش نہیں ہو سکتا۔ فورج برطانیہ نے فورس میں لارڈ اس میں فرانسیسیوں کے موافق پھیر دیئے اور بالآخر ان کو مباحثت کرنی پڑی۔ ڈیوک نے اس کا تعاقب کیا۔ فرانسیسیوں نے اپنی بہت سی توپوں اور گولی بارودوں کو کچھ دیر تک آسانی سے نکل جائیں۔ انہوں نے جس طرح ان کا دھارچہ بھانپا اور زمینداروں کے سر کھٹے۔ بہت سے دشمنان شکر کے کنارے رسیدوں سے اٹکے ہوئے تھے۔ صرف اس قصور پر کہ یہ فرانسیسی حملہ آوروں سے دوستانہ طور پر نہ پیش آئے تھے۔ جس کا ٹوں سے فرانسیسی فوج گذرتی تھی وہاں سے دھواں اٹھنے پر فی الفور ان کی سخت رفتار معلوم ہو جاتی تھی۔ ڈیوک نے یسینا کی فوج کو جا بکڑا اور اس کو شکست فاش دے دی۔ اسکے بعد اس نے الیڈیا پر قبضہ کر لیا۔ بتا جو نوٹ لڑا دیا۔ اور مارٹ کو سلیا کا ٹینک دیکر یہ میڈرڈ میں داخل ہوا۔ یہ بہت عجیب ہے کہ حالانکہ سپین کے برگیکٹ پر مرٹڈا کے پاس ۳۴- ایک ٹینک تھے۔ اور گولڈنگ ٹینک میں فتح کا تاج رکھ کر ہو چکا مگر اسکے پاس سب سے ایک افسر لارڈ فٹس رائے سامرٹ کے اور کوئی بھی نہ تھا!

ولنگٹن جس ٹینک میں سے گذرنا تھا اس کے لوگوں سے نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آتا۔ اہل اسپین انگریزی فوج سے بڑھ کر اپنی فوجوں سے ڈرتے تھے۔ کیونکہ اہل اسپین کا جبر گھر گھر تباہ تاخت و تاراج کیا۔ صرف ہوجانے حالانکہ انگریزی فوج کو اس کی سخت ممانعت کی گئی تھی۔ مگر آخر الذکر کیچا رے زرا اور روزمرہ کی متعلق چیزوں کی طرف سے بہت تنگ تھے۔ جبکہ ولنگٹن کی فوج یسینا کا بیچھا کر رہی تھی۔ سپاہیوں نے کاؤنٹ کو سٹیلاو ملہور کی زمین پر سے کچھ لکڑیاں چلانے کے واسطے اٹھائیں۔ ڈیوک نے اپنی جیب سے اس لکڑی کی قیمت دیدی اور کہا: بے جرح نہ بھگو فوج کی بہتری اور جنگی کا خیال تھا اسپین ہر شے باشندوں کا تاسف بھی پیدا ہو گیا کہ ان سے کھانے پینے کی چیزیں یا دانہ گھاس ہرگز نہ لیا جائے گا۔ جب سپین کی سپاہ نے مختلف طور پر اور خصوصاً ٹالویرا کی لڑائی کے بعد انگریزوں سے دشمنی اور عداوت کا اظہار کیا۔ ڈیوک نے یہ حکم دیا کہ باسٹون گول سے جہانک ہو سکے شفقت اور مہربانی سے سلوک کیا جائے۔ جب سپین کی فوجیں ان میں پہنچیں انہوں نے فی الفور قتل اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ یہ دیکھ کر ڈیوک نے سیدم اسپین کو واپس جانے کا حکم دیا اور بغیر انکے جنگ آرتھریس فٹریک ہوا۔ یوں میں ڈیوک نے ڈان فریری

کہا: "میں ایسا کمینہ نہیں ہوں کہ ٹوٹ مار اور گشت و خون کی اجازت دوں اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے آدمی ٹ مار گریں تو ان کو کسی اور شخص کی کمان میں بھیجئے۔"

ولنگٹن کی اس ٹ مار میں اچھی طرح توقیر نہ ہوتی تھی۔ اس کو کچھ اختیار بھی نہ تھا کہ کسی بہادر سپاہی کو اس کی جوامردی اور دلیری کا صلہ سے اور اس طرح اس کا دل بڑھائے۔ فرانسیسی فسرانہی سپاہ کا دل اس کو عموماً کی ترقی کے لیے سے بڑھاتے تھے مگر ولنگٹن اپنے ماتحت بہادروں کی اسلئے کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ کچھ بڑیاں ملتی تھیں اننگستان میں جی ہلتی تھیں۔ اور وہ افسر جنہوں نے اننگستان سے کبھی قدم بھی باہر نہ نکالا بڑے بڑے اعلیٰ مراتب پر پہنچ گئے! ولنگٹن کے ماتحت افسروں اور سپاہیوں نے بڑے کارنامے کیے۔ اعلیٰ درجہ کی دلیری اور مردانگی دکھلائی اور یہاں تک کہ اپنے جان سے بھی دریغ نہ کیا۔ مگر کچھ بھی ولنگٹن ان کی قیمتی خدمات کی رپورٹ اننگستان کو کرتا رہا۔

اس کی سپاہ نے ان کی بہتری کی اسلئے اس کی آن تھا کہ کوششوں کی بہت قدر کی۔ اور ان کی جان کی خطرات کا جو اسے خیال تھا اس سے بہت متاثر ہوئی۔ یہ اس کی بے لاگی، راستبازی، انصاف اور پائندگی کے قابل تھے۔ اس نے افسروں و سپاہیوں میں لا انتہا اعتماد بھردیا۔ یہ صاف بہت زیادہ کرتا اور ضرورت کم دیتا یہ ضروری تھا کہ فوج کی قواعد برقرار رکھی جائے۔ لیکن جب کبھی خطرے کا سامنا ہوتا تو یہ اس کا سیکھتا کہ محاذ پر لڑنا ایک بار ایک افسر سے دشمن کے مقابلے میں کوئی امر بھی سزاوارہ نہ تھا۔ اس پر ٹوک دیا جائے اسے کورٹ مارشل میں بھیجنے کے مستحق ہونے کی فمائش کی۔ چنانچہ اس نے کہا: "میں تمام دنیا میں اسے بدنام ہونے سے اس کے مستحق ہونے کو ترجیح دیتا ہوں۔" ایک بار ایک سارجنٹ ایک کپتانی کی خواہ لیکر علیحدہ ہو گیا۔ یہ ایک عورت پر زور تھا اور اس کو عشق میں اندھ بن کر اس جرم کا مرتکب ہوا تھا۔ اور اس سے پیشتر اس سارجنٹ کا چال چلن قابل تعریف تھا۔ ڈیوک نے اسے صاف کر دیا اور پھر نوکر رکھ لیا جس کے بعد اس نے پنشن سولڈاریٹ میں عوامی دکھلائی۔ ولنگٹن اپنے ماتحتوں سے نہایت ہی خوش خلقی سے پیش آتا۔ ان میں اعلیٰ درجہ کا اطمینان خلق اور ادب اطوار کی عمدگی آئی جاتی تھی جو کہ یا تو شریف النسل کی وجہ سے تھی یا چال چلن کی عمدگی اور بے داعی کی وجہ سے۔ اس نے کبھی نہ کہا: "میں حکم دیتا ہوں۔" بلکہ "میں یہ فمائش کرتا ہوں۔" یہ التجا کرتا ہوں "اپنے ماتحت افسروں سے گفتگو کرتے وقت بیان کو سپاہیوں سے سخت کلامی کرنے سے منع کرتا۔ اس کا مقرر تھا:۔

ایسے کلام کی کچھ ضرورت نہیں اس سے انسان کا دل زخمی ہوتا ہے مگر کبھی نفع نہیں پہنچتا۔"

خواہ لڑائی کیسی ہی زور شور کی ہو اس کو اپنی سپاہ سے نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی ہمدردی ہوتی۔ نیپین کا بیان ہے: "بڑا بھونڈے کے محاصرے میں جس وقت خبر پہنچی کہ رات کو دو ہزار سپاہی کھلم کھلے میں ڈیوک کو

گر یہ وزارتیں دیکھا جسکا وجہ ڈاکٹر ہیوم ڈیوک کے کہنے میں آئی دیوں کی پورٹ کرنے آبا جو جنگ وائر لو میں کام آئے تھے باز بھی ہوئے تھے۔ اس نے ڈیوک کو بے خبر اپنے تن بدن سے بالکل غافل ٹپا ہوا پایا۔ اس کے بعد ڈیوک اٹھ کر بیٹھا اور فرست پڑھنے لگی۔ یہ فرست بڑی لمبی تھی اور جب ڈاکٹر نے سر اٹھا کر وولنگٹن کی طرف دیکھا تو اسکے دونوں ہاتھ موٹھے پر تھے اور آنسو رخساروں پر بہ رہے تھے۔ اسی روز اس نے اپنے دوست مارشل برسفورڈ کو کہا کہ ہمارے نقصان نے میری فکر توڑ دی اور مجھ کو اس قدر غم سے کیچھ پر وہ نہیں جو مجھ کو حاصل ہوا ہے میں خدا سے دست بدعا ہوں کہ وہ آئندہ مجھ کو اس قسم کی جنگ سے بچائے۔ کیونکہ اس قدر اپنے دوستوں اور ہمراہیوں کے نقصان سے تین شکستوں کا ہونا ہوا ہے۔ اس کے بعد اس نے لارڈ ایرڈین کو لکھا کہ اس قسم کی شادمانی میرے واسطے کچھ بھی طمانیت نہیں۔ اور پھر بھی اس نے ایک بڑی جنگ عظیم الشان فتح کی تھی اگر اکیس بعد جرنل قتل یہ میدان جنگ میں بھرتا تھا اس نے زخمی سپاہیوں کی دلہاش آوازیں سنیں اور اس وقت اس نے پوری پور انسانائی خیال کو ان قابل یادگار الفاظ میں ظاہر کیا: ”بجز شکست کے میرے خیال میں کوئی چیز بھی ایسی خوفناک نہیں جیسی فتح ہے۔“

جب ایک بار یہ آؤس آف لارڈز میں تقریر کرتا تھا اس نے کہا: ”میں اُن شخصوں میں سے ہوں جنہوں نے بہت لوگوں سے بڑھ کر بہت کچھ اپنی زندگی لڑائی میں سیر کی اور پھر خانہ جنگی میں۔ اور یہ کہتا ہوں کہ اگر کبھی صورت میں اس قابل ہوں کہ ملک میں خانہ جنگی ایک ماہ تک بھی ملتوی نہ سکوں تو اس کے واسطے میں اپنی جان قربان کرنے کو مستعد ہوں۔“

ڈیوک نہایت ہی حمد اور دقیق القلب شخص تھا۔ اس نے سپین کی رعایا کی انہیں کی سپاہ کے طلب سے حفاظت کی۔ جنگ ٹالویرا کے بعد انگریزوں اور کوسٹا کی سپاہ میں چھڑ گئی کیونکہ انگریز ان سپاہیوں کو زخمی فرانسیسیوں کے قتل کرنے ستانے سے روکتے تھے۔ سٹریمٹو بری انڈے کہا ہے۔ ہمارے دل میں لارڈ وولنگٹن کی اس قدر تعریف ہے کہ ہم اس پر اپنی خوشی کا اظہار کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ حقیقت ہم یہاں تک ترہستے ہیں کہ ہمارے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ عظیم شخص جنگال سے واپس آتے وقت ہر ایک شخص کو دو گنی دینے کا وعدہ کرتا ہے اگر وہ ایک فرانسیسی نہ ہلائے۔“

ڈیوک کی تمام شہر شہیقانہ کاموں سے بھری ہے۔ ہندوستان میں اس نے دو ندرھیا کے بیٹے کو زنیوں کے ڈھیر میں سے نکالا اور اسکا علاج کیا۔ اس نے جنرل فرمینیٹی کی نہایت شوق سے امداد کی اور اسکا علاج کیا جبکہ بل اسپین نے ایک پالی قیدی نے میں مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ اس نے

شاہ اسپین کے ظلم کے کئی ایک شکاروں کو جن میں ایک شخص جوان مسکاریناس بھی تھا بچا یا اپنے
پرتگیزوں کی تندہی اور غضب کے مقابلہ میں تہذیبی فرانسیسیوں کی حمایت کی اور بچا جو دشمن کی سپاہ
سے تقدیراً اس کے ہاتھ آگئے تھے۔ اس نے کہا: "تو انہیں جنگ کے مطابق سیریں حفاظت اور خبر گیری کے
مستحق ہیں۔ اور میں نے اسے پورا کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔" اس نے فرانسیسی ڈاکٹر کو اجازت دیدی کہ وہ
بے کھٹکے اگر ان کا علاج کرے اور فوج میں لے جائے۔

اسی طرح تو فریکو مد نظر رکھ کر یہ دشمن سے پیش آتا۔ چنانچہ جب ہندوستان میں اسکیہ تدبیر بتلائی گئی
کہ وہ زندہ حیا سے یہ لڑائی کا اس طرح خاتمہ کرے کہ ایک خبر اسکے مار دی۔ اسے فی الفور اس سے انکار کیا اور
اسکی تردید کی۔ اور اس طرح جب اسپین میں سولٹ کی فوج میں بغاوت پھوٹی اور اس سے کہا گیا کہ اس
فوج کی معاونت کرے اس نے قطعی انکار کر دیا۔ اس نے اس فعل کے لائق خود کو اور اس کام کو نہ سمجھا جگا
یہ بہادر تھا کہ کہنے جی بغاوت کے سلسلہ سے یہ وہ چیز حاصل کر لے جو وہ اہل لیاقت اور بہادر کی طرف

صلہ ہے۔
جب یہ طور پر ٹیڈراس میں تھا شاہزادہ اسپین نے انگریزی فوج کے ملاحظہ کا بہت تیار
ظاہر کیا۔ یہ ایک انگریزی توپخانے کی طرف بڑھا اور ایک سنی کی بجی ہی دیو اور دو برہمن رکھلائے کھینے لگا۔ انگریز
افسروں نے اسے دیکھ لیا اور گویہ کیا سنی توپوں کی بارود سے تمام سپاہیوں کے ہزار ہوں اور خود سپاہیوں کا کام
تمام کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے صرف ایک کو اچھلایا تاکہ شہزادی کو اپنی حالت کی خبر ہو جائے۔ نشانہ ایسا
ٹھیک تھا کہ جس دیو پر توپیں کھیں تھی وہ گئی۔ یہ سنا اس شخص خلقی کی اطلاع دی کہ فوراً سمجھ گیا۔ اس نے
توپخانے کو سلامی دی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔

یہی حال انگلنڈ کا فائر کو میں تھا۔ جب ٹوک ڈنٹھسی فوج کی حرکات سکنت دیکھ رہا تھا۔ توپخانے کا ایک
افسر کے قریب پر گھوڑے پر سوار آیا اور جس جگہ توپیں ہوا اپنے افسروں کے کھڑا تھا اس طرف اشارہ کر کے کہنے
لگا: "میں وہاں تک آسانی سے پہنچ سکتا ہوں اور یقین ہو کہ ایک کو بندوق سے گرا بھی دوں۔" ڈیوک نے
جواب دیا: "نہیں نہیں۔ وہ جبرل جو ایسے عظیم معرکوں میں فوج پر حاکم ہوں انھیں ایک دوسرے کے گولی
مارنے کے علاوہ کچھ اور بھی کرنا ہوتا ہے۔"

جب توپوں کو شکست ملی تو ڈیوک نے نہایت متنفذ ہو کر اس تجویز کی تردید کی کہ توپیں کو جہاں سے مار کر
پاس سے غلطی پائے۔ اس نے کہا: "ایلیفیل ہکوٹلوں تک بدنام اور بے عزت کر دیا۔ لوگ ہم کو کھینے
کہہ رہے ہیں کہ فوج ہینے کے قابل تھے۔" اور سرچارلس میٹوارٹ کو اس نے لکھا: "بلوٹر چاہتا ہے"

کہ اسے مار ڈالے۔ مگر میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ میں اسکی شکایت کروں گا اور اصرار کروں گا کہ کثرت رائے سے فیصلہ ہو۔ میں نے اس سے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ میں اسکو دوستانہ طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ ایسے عیوب اور بد کام سے باز رہے۔ اور یہ کہ میں نے اور اس نے ایسے ایسے کاموں میں خود کو منہ مار کیا ہے کہ جلاؤ بنانا لالائی ہے۔ اور یہ کہ میرا ارادہ ہے کہ اگر تمام بادشاہ اسکے قتل پر متفق ہوں تو ان کو چاہیے کہ ایک جلاؤ مقرر کریں مگر میں وہ جلاؤ دہنوں گا۔

ڈیوک نے نو نوکلین کی سلامتی پر اسقدر اصرار کیا اور اسکا عوض نہایت عجیب ملایا کہ نوکلین نے اس شخص کو ایک ہزار فرینکس دینے کا وعدہ کیا جو نوکلین کو قتل کر دے! ڈیوک نہایت راست باز شخص تھا اور یہ چاہتا تھا کہ اسکے ماتحت بھی اسی کی طرح بن جائیں۔ سنہ ۱۸۰۷ء میں اس نے جنرل کلرمان کو بلکھا۔ جب انگریزی افسر وعدہ کرتے ہیں کہ وہ بھاگنے کی کوشش نہ کریں گے تو آپ ان پر اعتماد کیجئے اور بے غم رہیں گے کہ وہ اپنے وعدے پر ثابت قدم رہیں گے۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر کوئی انگریز اسکے عکس عمل کریگا تو مجھے کوہِ گرز تا بل نہ ہوگا کہ فی الفور اسے گرفتار کروں اور آپ کے پاس اس جھجکیوں کا ڈیوک نہایت کشادہ دل شخص تھا۔ نہ تو رشوت سے اسپر کوئی قابو پاسکتا تھا نہ کوئی دھمکی اسے خوف زدہ کر سکتی تھی۔ جب ایک مکر خمدہ اسے ملنے لگا اس نے کہا: آپ مجھے کو حکم دیجئے اور میں سے بچاؤں گا۔ اس میں فائدہ داری۔ وفاداری اور صداقت کیل تحصیل اسکو مطلق اپنا خیال تھا بلکہ دوسروں کا۔ اور جس کا تو اس میں نام نہان تھا۔ اس نے کبھی دوسروں کی شہرت کی مخالفت نہ کی اس غرض سے کہ اسکی شہرت زیادہ چلبے جعفر اسکا کوئی شہرت کا خیال تھا اسی قدر اپنے ماتحت افسروں کی شہرت کا تھا۔ جب کوئی خرابی آپٹی جیسا کہ گروہ میں ہوا یہ تمام الزام خود پر لے لیتا۔ اس نے وہ تمام الزام خود پر لے لیے جو گروہ پر جمے۔ اور اگر ان فورڈ پر انگلستان میں لگائے گئے۔ اس میں وہ کامل اعتقادی اور روحانی ترقی تھی جو انصافی اور بہتان سے سخت متفرق تھی۔ جب میکڈونلڈ کی سینو پٹی نے اسکی تعریف اور مدح سرائی کی اسنے اپنی خدمت کا کچھ غرور کیا اور نہ تعریف کی بلکہ کہا: جنگ کا نتیجہ اسکا مطلق کے ہاتھ ہے۔

مگر نوکلین کے چال چلن کی سب سے بڑھ کر صفت فرض کی سجا آوری کا اسٹ خیال تھا۔ یہی صفت اس کے چال چلن کی نہایت تھی۔ اور یہ وہ فرمانروائی اور شاہنشاہی کا مادہ تھا جسکے تمام چیریں زیر فرمان ہیں۔ اسکی سوا تو یہ خواہش تھی اور نچتہ ارادہ تھا کہ جس کام کو یہ فرض سمجھے اسے یا اندازی اور وفاداری سے کرے کیونکہ یہ فرض تھا۔ یہ ایک چیز کے واسطے دنیا میں نہ رہا کہ بطور ایک سپاہی کے اپنا فرض ادا کرے۔ اسے اپنی تمام طاقت صرف کر کے اسے جان کر کرے۔ اسے نہایت ہی عمدہ طور پر کرے جہاں تک

اسکی لیاقت کا دسترس ہو۔ جہاں تک اسکی تجاویز کا دسترس ہو۔ اور سطح کرے کہ عید میل کا سیانی صیبت۔
اس مشاہد سے ایک طور کی تعلیم ملتی ہے کہ کسی بینائی کی سی سادگی اور کسی قوت کسی اصول کے بھی طرح
سمجھنے اور دائمی اسکی پیروی کرنے سے چال چلن کو حاصل ہو سکتی ہے۔ بریالمنٹ اپنے انونی نام
میں کہتا ہے: "دننگن سب سے بڑھ کر عظمت تھا کیونکہ یہ زمانہ حال میں سب سے بڑھ کر راست باز
تھا۔" یہ ان تمام خصوصوں سے بڑھ کر انا اور وفادار تھا جنہوں نے سلطنت برطانیہ کی خدمت کی اور
اسکی اعایا تھے۔"

ہم ذیل میں ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ کس طرح ایک قوم با اقتدار و متفق بن گئی۔ جب پاپا نیپولین کے
پیروں میں پانچل ہوا تھا۔ اسکی سلطنت کا نام بھی نہ تھا اور یہ سلطنت تو اس کا صرف ایک صوبہ تھا۔ ان
سٹیشن اپنے ملک کی باقی کو اگے نکلا۔ اکتوبر ۱۸۰۸ء میں سٹین کو خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کو آزادی ملنے
سے ملک کی راہ کی تدبیر ہو سکتی ہے۔ اسکی تجویز کالب لباب یہ موثر الفاظ تھے: "جو کچھ کسی سلطنت کا
اسکی عظمت کی وسعت میں نقصان ہوتا ہے اسے قوت کی زیادتی سے پورا ہوتا ہے۔" اسکا قول تھا
کہ کسی سلطنت کی سچی قوت امارت میں نہیں ہوتی بلکہ تمام قوم میں۔ کسی قوم کو ترقی کی منزل پر منزل سے
پہنچانے کی واسطے یہ ضروری ہے کہ اسکو آزادی دی جائے۔ غلامی دور کیجائے مظلوموں کو مال و متاع
دیا جائے۔ اور قانون کی وسعت سب کوں تک یکساں پہنچائی جائے۔ ہکو دھقانوں اور زمینداروں
کو آزاد کرنا چاہیے۔ کیونکہ آزادانہ محنت ہی کسی قوم کو موثر طور پر قائم رکھ سکتی ہے۔ دھقان کو وہ ضرور
دیدیا جائے جسے یہ کاشت کرتا ہے۔ کیونکہ خود مختار مالکان میں تو صرف اپنے گھر بار کی ہی حفاظت کر سکتا
ہے۔ باشندوں کو عام آزادی دو کیونکہ اسی آزادی نے جرمنی والوں کو مفتخر جگر پر پونچھا دیا ہے جسکے
ناماں ہیں۔ دو تین زمینداروں کو سمجھاؤ کہ امارت کا جائز تر صرف ملک کی بے لاگ خدمت سے برقرار
رہ سکتا ہے۔ اور اسکی جگر کھلی ہو جاتی ہے ناجائز حقوق حاصل کرنے اور محصول کی ادائیگی سے بری
ہونے میں۔"

غرض یہ تجویز تھی جسے سٹین کا رہنما ہوا۔ امیروں کا اسدا کرنے سے بد معاشی مفقود ہو گئی۔ قانونی نگاہ
یہ خصوصیت نہ رہی۔ انتظام کا مینوئل طریقہ قائم ہوا۔ پریشی کے نوجوانوں کو تدریج مگر عام طور پر آلات
حرب کے استعمال کی تعلیم ملنے لگی۔ اسی اثنا میں پولین نے ایک شخص "سٹین" کی حال سنا جو پریشیا کی
تغیر حالت میں مصروف تھا۔ اور اب شہر ازم میں چار سے کو مجبور اپنے عہدے سے استعفی ہو کر آسٹریا میں
پناہ گزین ہونا پڑا۔ مگر اسکی تجاویز پر اسکا جانشین کاؤنٹ وان مارٹنبرگ نہایت جانفشانی

خل کر رہا تھا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جنگ لیننرگ شروع ہوئی جس میں سپولین کی فوج فرانسیس کو
 چھگاد گئی تھی۔ سٹین کی بعض تباہ و برباد کردہ لڑائیوں اور وہ قومی نمونہ جو اس نے تجویز کیا تھا کسی سیدہ دولت کو
 واسطے ملوثی کیا گیا۔ تاہم بدعاشی کی بیخ کنی ہو گئی تھی اور پریشانی کی آئندہ ترقی کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔ سٹین
 آئندہ عیس فوٹ ہو گیا مگر اپنے بعد پرستہ کا سب سے بڑا سکڑا ہوا چلن اور باعظمت تہہ بہ تہہ کی شہرت
 چھوڑ گیا۔

کوئی تین سال گزرے جب سٹین کے یاگاری جوت کا نقاب برکن میں اٹھایا گیا۔ ڈاکٹر ٹیٹ فائل فرامینے
 لوگوں کا خیال اُن بڑے بڑے نمایاں لوگوں کی طرف متوجہ کیا جو اس بہادر نے پریشان کیا واسطے کیے تھے۔ اس نے
 بیان کیا کہ سٹین نے مذہب کو ہی اخلاقی زندگی کی بنیاد قرار دیا تھا۔ اور اس کے نزدیک خواہشات نفسانی۔ کاملی۔
 اور زندگی محبت بجز حیل و طعن اور اپنے مہم کی محبت کے دور نہیں ہو سکتیں۔ اور جب تک آزادی وجود ہو
 فرمانروائی کے طریقے بالکل قابل خیال نہیں۔ وہ شخص جس کے ہم اس تعلیم کے باعث ممنوع ہیں صاحبِ قوال نہ تھا
 بلکہ صاحبِ قوال۔ اور وہ بالکل جن کی بنیاد اس حال میں ہے جو حسبِ الوطنی بہت۔ صداقت اور امانت
 سے بھرا ہوا ہے۔ چونکہ خدا کا خوف اس میں ہے صدمہ کا تھا۔ لہذا تمام انسانی خطرات سے یہ بڑھتا۔ اعلیٰ
 اعلیٰ مدعا اس کی زیر نظر تھے جن کے حصول میں مشکلات اور مصائب کے موقع میں جانے میں اسے مطلق تامل
 نہ تھا۔ یہ صرف اصولوں کی ہی بنیاد رکھنے پر قانع رہا۔ اور ان کا عمل درآمد اور ہر داری اور مومنوں کی پسندیدگی
 اور اس میں پھونسا گیا۔ بے ہمتی۔ خود غرضی اور ریا کاری کی طرف سے اس کو دل میں شریعت نہ غضب تھا۔ غرور
 حلیہ بانی اور عورت جہاں ہر کار تھی وہاں اُس نے نہایت بہادری سے خدا اور مومنوں کے ساتھ کیا
 یہ خدا تعالیٰ کی محض حمی اور کریم تھی کہ یہ شریف سٹین۔ یہ ہماری اتفاق اور یگانگت کا قیمتی عمل۔ ایک تراشیدہ
 ہر تھا۔ جس کے چال چلن میں قوت اور کلام قدرت اصلاح کی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اس کی بھی چنداں ضرورت
 نہیں کہ ہم اس پر بھڑے ہوئے مذہبی یا دگاہ رکھنے سے خوش ہوں۔ کیونکہ تمام جرمنی پر اس کے جذبات دلی کا
 سکڑ چھا ہوا ہے۔ اور نہ کہ اس پر کوئی ضرورت ہے کہ یہ یادگار خوشی کی ایک نشانی ہے۔ خوشی کا تو صرف خیال
 ہی کیا تھا جس سے اس کی صاف روح متفرق تھی اور روح ہی نہیں بلکہ اس کی تحریر افضل اور قول سپ جیسا کہ
 اس کی یادگار پر کندہ ہے۔ یہ خوشی کی نشانی نہیں ہے بلکہ شکرگزاری کی۔ فتح اور نصرت کی یادگار نہیں
 بلکہ صامندی کی۔

ہم نے جو کہ اس وقت زندہ ہیں اپنی آنکھوں کے سامنے ایک قوم کو ترقی کے ریشے پر پڑھتے دیکھ لیا۔ چالیس
 برس گزرے کہ ان کی بڑی بڑی مجوش ہوا خواہوں کو اس کی سیاحتی حد سے بڑھ کر دکھائی دیتی تھی۔ وہ

خود حکمرانی کی ریاست پر کچھ عرصے تک انہیں جمہور کی باعث نافرمانی۔ اس کا چراغ کل معلوم ہوتا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ تمام قوم کے ہاتھ سے پرانی صفات دہریہ کی گلیں۔ جب یہ قبول ہو گا اور ہمارے گہر اس وقت اٹکی کا نام ٹماک چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں تقسیم تھا اور ان کے فرمانروا ان پر نہایت سختی اور جبر سے فرمانروائی کرتے تھے۔ اس لئے وہیں چارلس الہبرٹ شاہ ساؤتھینا نہایت بہادری سے آگے نکلا اور اس نے قومی حکومت کی اصول بنجائے۔ اس نے اس میں تمام یورپ میں ایک بڑی انقلابی جنگ برپا تھی۔ پیرس کی سڑکوں کے ناکے ٹک گئے تھے۔ اور لوئی فیلیپ انگلستان میں بھاگ آیا تھا۔ برلن میں فوج اور رعایا میں خیزبری کا بازار گرم تھا۔ پوٹسڈم میں بغاوت پھوٹی جو بہت کچھ کشت و خون سے فوکی گئی۔ پیرس میں آسٹریا کے برخلاف علم بغاوت بلند کیا شاہ فیلیپ نے مسینا پر گولی باری کی۔ پوپ گئو بھاگ گیا اور ایک رومن جمہوری سلطنت قائم ہو گئی۔ میڈان کے آسٹریا والوں کے مقابلہ پر آٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ان کو شہر سے نکال کر کیا۔ وینس نے بھی میلان کی تقلید کی۔ اور ٹرینٹ میں اس کے زیر حکم ایک عارضی سلطنت قائم ہو گئی۔

چارلس الہبرٹ ایل میلان کی امداد کو پروچا۔ آسٹریا والوں نے جن کی طاقت بہت بڑھ رہی تھی اس کو روکنا ممکن نہ ہو سکا۔ اور ناپارک اس کو شکست دیکر باقی شہر پر بھی قابض ہو گئے۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے وکٹر ایمینوئل کو تختہ پایہ اور خود اس سلطنت سے دست کش ہو گیا جس وقت جہاں بادشاہ نے تاج سر پہ رکھا انہو بہت کچھ آئندہ بادلوں کے زک نہیے کا دعویٰ کیا۔ اس وقت یہ ایک شیخی باوجود معلوم ہوا مگر تاہم جو اس نے کہا تھا وہ پورا ہوا۔ مارشل ریڈکسٹر کی لئے اس صلح دی کہ یہ قومی آزادی جو اسکے والد نے لوگوں کو دی تھی منسوخ کر دے۔ اور آسٹریا والوں کے ظامانہ اور جابرانہ طریق حکومت کی تہذیبی کورس۔ جہاں بادشاہ نے اس صلح کی تردید کی اور کہا کہ میں نسبت اپنی تجویز پر کاربند ہونے کے بہت جلد ایک صلح تو درکنار ہزاروں سال پر ہوئی ہوگی۔ مگر ان میں اس کا راستہ معلوم ہے کہ یہ عزتی اور بے عزتی کا راستہ نہیں معلوم ہے۔ یہ بات سن کر انہو نے اتفاق تھا پھر بھی اس نے نوجوان بادشاہ کی عظمت کو تسلیم کر لیا اور کہا کہ شیخہ نہایت شریفانہ آدمی ہے۔ یہ سب بہت کچھ کام لیا گا۔

بڑے بڑے تدبیرانہ عظمت سے بادشاہ کی مدد اور تائید کی۔ جو دن غم و سوچ اور مصیبت کا توڑ پڑا گیا کیونکہ اس کے بارے میں کہا کہ جو دن گذرے وہی غمیت ہے۔ جب اس سے جنگ چھڑی تو شاہ ساؤتھینا کی سپرہنہ فوج کو تیار کیا۔ یہ بھیجے۔ یہ بڑی مردانگی اور بہادری تھی۔ جب یہ کہ گیا کہ اسٹیشیا کی فوج نہ تو نہیں اور نہ بہت ہو سکتی تھی۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ فوجیں ہر کسی کے خلاف ہر کسی کی

برتری و برتری ہوگی۔ بادشاہ کی اس طاقت کی زیادتی پر آسٹریا کو بہت غم آیا اور اس نے سارڈینیا کو
 فوری جنگ کی دھمکی دیکر تیار رکھنے کا حکم دیا۔ وکٹر امیڈیول نے ایک شہنشاہ شاہجی کیا جس میں لکھا
 آسٹریا سرحد پر فوجیں جمع کر رہی ہے اور ہمارے ملک پر حملہ کر سکتی دھمکی دے رہی ہے۔ یہ کیونکہ یہاں
 حکمران کے ساتھ آزادی کا عمل ہے۔ کیونکہ یہاں رعایا اور حکمران میں اتفاق اور یگانگت پیدا ہو چکے ہیں۔
 کیونکہ اٹلی کے آڈنالے یہاں گونجتے ہیں۔ اور آسٹریا کو اس قدر خرابت ہوئی ہے کہ یہ کچھ جنموں نے صرف
 اپنی حفاظت کی واسطے تیار باندھے ہیں حکم دیتی ہے کہ ہم تیار رکھیں اور اس کی فرمانروائی کی تابعدار
 کریں۔ اس گستاخانہ اعتراض کا شافی اور شایاں جواب مل گیا ہے جس نے نہایت تحارت سے
 اس کی تردید کی ہے۔ سپاہیو! مستعد ہو۔

شاہنشاہ نپولین نے اپنے معاون شاہ سارڈینیا کی طرف داری کی۔ اور آسٹریا کے مقابلے پر
 آمادہ ہوا۔ لڑائی شروع ہوئی اور آسٹریا والوں کو کئی مقامات پر شکست ملی۔ تمام ریاستیں متفق ہو گئیں۔
 جنگ پر جگمگاتے ہوئے۔ اور کبھی کسی سلطنت کو کسی نفرت نہ دیکھ سکتی تھی۔ مگر زمانہ اچھا تھا اور لوگ
 اٹلی کے اتفاق کے طرفدار تھے۔

اٹلی میں علحدہ ایک سلطنت بن گئی۔ اور اتفاق نے اسے ایک نئی قوم بنایا۔ آج کل یہ بھی یورپ کی
 بڑی بڑی طاقتوں میں سے ہے۔ اور آئندہ کی عظمت اور شان شوکت کی واسطے ہونا معلوم ہوتی ہے جو ہمیں
 ایک نئے میں پیدا نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ یہاں ایک ایسی قوم کی تشکیل ہے جو نسل بعد نسل اس واسطے تیار ہو رہی
 ہے کہ اسے اپنے اعلیٰ حقوق کی دعویٰ دے۔ اور اس کی طاقت اور استحکام کو متفق سمجھے۔

ہم کو سپاہی اور محب وطن کی تشییل میں جگمگاتے کے مصائب اور خطرناکی بھی فراہم نہیں
 ہوئی۔ یورپ میں متفق فوجیں پھری ہوئی ہیں۔ علم کچھ بڑھے۔ سائنسی خونریزی کے وسائل پیدا
 کرنے میں مصروف رہا۔ رفل دار نوپس۔ ہنری مارٹی بندوقیں۔ تار پیڈو اور آلات حربی بجا دیے
 ہیں۔ ہر ایک قوم دوسری قوم کو تباہی دیتی ہے۔ اور ذرا سی بیڑ کی پیروی کے کی خاطر اور آزادی یا فتح کی
 خاطر مستعد اور کمر بستہ ہیں۔ اور جزئی۔ فرانس اور روس میں بھی کال ہوا ہے۔ یورپ میں سب سے
 آخری اٹلی سویڈن کا ترکوں پر حملہ تھا۔ اور بہت سی خطرناک جنگ کے بعد ترک فسططیہ تک
 بھگا دیے گئے۔ آج ہم لڑائی کے اور میدان جنگ کا سامن کھاتے ہیں۔ مئی ۱۸۵۹ء میں سٹ
 روفر جنرل کو کچھ کہہ رہا ہے کہ وہ شہنشاہیں گئے۔ شہنشاہ کا بیان ہے۔ شہنشاہ کے جنموں کے پاس
 جنرل اس کا ہوا۔ اسے بھیج دیا۔ اور اپنے تیار ہوئے کو لیکر ہم اس تمام کام کی تکمیل میں مصروف ہوئے۔

ہم ابھی چند قدم چلے ہوئے کہ ایک چوہی صلیب پر کھڑی ہوئی جو ایک شاہ بیوت کے درخت کے نیچے تھی۔
جنرل نے فی الفور سر سے ٹوپی اتار لی جس کی سب سے تقدیر کی۔ اور تھوڑی دیر تک یہ خاموش عالم سکوت میں
کھڑا رہا۔ پھر یہاں سے ہم نے قدم اٹھائے۔ اور جنرل نے کہا: "یہ ایک شجاع کی قبر ہے۔ اور خصوصاً
جنگ کے روز میں نے حکم دیا تھا کہ ایک چوہی صلیب اس کی قبر کے نشان کیواسطے یہاں کھڑی کی جائے۔
یہ شجاع ایک پندرہ سو سال کا رومی لڑکا اسراف و الدین کا بیٹا تھا۔ اس نے جنگ میں اس کے لیے دیر
اور مرانگی سے جوش مارا۔ چنانچہ اسکول اور گھر بار چھوڑ کر بھاگا اور میدان جنگ میں آ موجود ہوا۔ میں نے
اسے بطور دانشور کے بھرتی کر لیا اور یہ نہایت بہادری اور شجاعت سے لڑا اور بعد میں عثمانی پاشا
کے قلعہ کے سر کرنے میں شریک ہوا۔ یہ ایک چھوٹے سے دستہ کا افسر تھا۔ یہ اپنی سپاہ کو لیکر اپنے
مہم جوں سے کچھ دور آگے چل کر گولیوں سے بچنے کے لیے فیصل کے نیچے جا پہنچا۔ لیکن یہاں
خبر نے اس کا کام تمام کیا گو اس کی زندگی تھوڑی تھی۔ مگر بہادری تھی ا۔"

بہادری کا تو یہ حال ہوا۔ اسے تیرہ سو نو ندی کو عبور کر کے ہم قلعہ میں پہنچے۔ مگر اُسے کیسا سا
جاری آنکھوں نے دیکھا اس طرف ٹوٹے ہوئے پیچے۔ گولیوں کے ٹکڑے اور در دیوں کے چھوٹے
اس طرح پڑے ہوئے تھے گویا لڑائی چند ہی روز پہلے ختم ہوئی ہو۔ مگر اس ہولناک نظارے نے
میرزا کو ہلا دیا۔ کئی سو آدمی جلد ہی میدانِ فنِ کرڈیے گئے تھے۔ مگر بارش اور برف نے مٹی ان پر
دھو ڈالی تھی۔ باقی بھٹیڑوں اور گتوں نے کام تمام کیا تھا۔ اور دُور دور تک چاروں طرف انسان
کی ہڈیوں کا ایک ذخیرہ تھا۔ ہاڑوں اور پیروں و پنجوں کی ہڈیاں کچھ عجیب سی طور پر کھوپڑیوں میں ملی ہوئی
پڑی تھیں۔ دیکھو کس طرح اس بے جان بھد میں غیر دم کے حالت نکلے ہوئے ہیں! دیکھو ان کو کس قدر
نفرت اور تعارض دل میں پیدا ہوئی ہے۔ مگر کچھ بھی یہ وہی میں جو تم تھے۔ جس وقت ہم نے مردوں کی
ہڈیاں رکھنے کے مکان کی طرف نگاہ کی جنرل کو بلاتے تھے کہا: "اور اس کا نام شامانی ہے!" اپنے
جواب میں بے بیشک "مگر کچھ بھی جنرل۔"

کسی کی آنکھ کا صرف ایک ہی آنسو سکھانے سے

بہت ہے نیک نامی عین کے دریا بہانے سے

اسے جواب دیا: "آپ بخاواتے ہیں۔ مگر تاہم میں صرف ایک سپاہی ہوں اور بس"۔

بائیں

نیک عملی ہیں بہادری

جو کوشش کرتا ہے غالب آتا ہے +

(سکاٹ لینڈ کی ضرب اٹھل)

اس دنیا میں فرض کاراستہ دوسری دنیا میں نجات کی ٹرک ہے +

(یہودی ولی)

نہ تو کوئی ہم میں سے اپنے واسطے زندہ رہتا ہے۔ اور نہ کوئی ہم میں سے اپنے واسطے مرنے لگتا ہے +

(حضرت پولوس)

زمانہ قدیم میں بہادری اور نیکی مترادف الفاظ تھے۔ قدیم اہل روم کی بہادری بڑی بیش قیمت تھی۔ یہ جتنی قوت، طاقت جو کہ شریفانہ اغراض کی واسطے حاصل ہو سکتی تھی۔ وہ شخص جو اپنے اہل ملک کی سب سے بڑھ کر خدمت کرتا ہے۔ وہ شخص جو ان کو ملین پایہ بناتا ہے۔ وہ شخص جو ان کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ سب بڑھ کر بہادری اور جو اعمدہ ہے +

انسان میں ایک اندرونی بہادری ہے یعنی ضمیر میں مزہ کی دیانت کی۔ ریشہ کی سعادت کا دہری کی زور۔ اس حق کام کرنے کی جب تک کام دنیا خواہ قضیہ یک کرے۔ اسکی سب سے بڑی علامت اعلیٰ درجہ کی دشمنی ہے۔ بڑی بہادری اور مع کی دگنی بیش قیمتی یعنی بہادری ہیں +

وہ بہادری جس کا اکھاڑہ میدان جنگ ہے۔ اعلیٰ ترین درجہ کی نہیں۔ بلکہ اوروں کی چھاپاؤں اور توپوں کی گولہ باری میں انسان دلیری سے پرجوش ہو جاتا ہے۔ اور اپنے ملک کے نفع کے واسطے اپنی جان سے گزرنے کو کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ اور سب کی عزت کرتے ہیں !

عورتیں جب کبھی خاصہ شکل اور بربادی معلوم ہوتا ہے۔ مردوں ہی کی طرح بڑبڑا رہتی ہیں۔ جنگ کے خوبی انداز میں شاید اس عورت سے بڑھ کر کسی چیز میں کمزور یا دہ پچھی اور بے لطف نہیں۔ حال تھا جو ارد گرد لگا کر میدان جنگ میں اپنے عاشق کے ہمراہ گئی۔ اور جب یہ مارا گیا تو اس کے پاس کھڑی رہی۔ اور اپنے

عاشق کے دردِ جسم سے کتنا نہ نہ کرنے کی خاطر اسے موت کا سامنا کیا۔ بھلا دنیا میں کس قدر ایسے سپاہی ہیں جو ہمیشہ سستی کی جنگ میں شغول ہیں۔ تیرا اور نصیب کی واسطے اور کچھ بھی نہیں ملتا۔ کبھی تو ضرورت کا تو بچانہ ان کے سپر لکھاڑتا ہے۔ کبھی نہ نک پاتے ہیں۔ ہر سال ہوتے ہیں۔ چار و نظرتِ بحر یا پوسی اور نا اُمید کی کچھ بھی نہیں دکھائی دیتا۔ مگر کچھ بھی ثابت قدم ہیں!

منہ بشی شجاع کو کسی سپاہی شجاع کی طرح دلیرانہ کاموں کی تحریک نہیں کیجاتی۔ جس لکھاڑے میں اس کا رنگ ہوتا ہے وہ جاہ و منصب کا نہیں ہوتا۔ بلکہ مصیبت اور ایثار کا۔ نہ تو اس کے سینے پر کوئی شاہی نشان ہوتا ہے۔ نہ اس کے سر پر کوئی علم لہرتا ہے۔ اور جیسا کہ اکثر ہوتا ہے۔ جب یہ اپنے فرض کی بجائے اور میں گرتا ہے۔ اس کے سر پر کوئی توفی ہمار نہیں ہوتا۔ نہ کسی کو تو فر سے اسکا ماتم ہوتا ہے۔ بلکہ لوگ جاتے ہیں اور چھٹکے اسکی گوری پر کھنڈ بھرا چلے آتے ہیں۔

انسان تو دنیا میں شہرت کے واسطے پیدا ہوا ہے۔ دشاد دانی کے واسطے اور نہ کامیابی کی واسطے۔ بلکہ جو کچھ دنیا کہتا کر سکتی ہے اس سے بڑھ کر کسی اعلیٰ اور عظیم الشان امر کے واسطے۔ جرمی ٹیلر کا متولہ ہے۔ ”موتنے انسان کو اس دنیا میں بہت تھوڑا عرصہ ملتا ہے۔ اور کچھ بھی اسی تھوڑے سے عرصے کے بعد کا دار و مدار ہے۔ یہ کو یاد رکھنا چاہیے کہ بہت سے دشمنوں پر بھروسہ غالب آتا ہے۔ بہت سی شکلات کا مرحلہ طے کرتا ہے۔ بہت سی باتوں کو روکتا ہے۔ بہت سے خطروں میں چڑھتا ہے۔ بہت سی ضرورتیں کو مہیا کرتا ہے اور بہت نیک کام کرتے ہیں۔“

مذہب کی واسطے یا شہرت کے واسطے یا خدمت کے واسطے یا مرد اور عورتیں کبھی خود طلب نہیں کرتیں۔ یہ خود کو بغیر شادمانی یا شہرت کے کھانا کے دوسروں کے ساتھ مخصوص کر دیتے ہیں۔ یہ فرض کی بجائے اور میں کی خود اعتقاد ہی میں اپنا صلہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور کچھ بھی ہزاروں سال سے کو بیج کر جاتے ہیں جن کو ”مرجا“ کا لفظ بھی ان لوگوں سے نصیب نہیں ہوتا جن کی انھوں نے خدمت کی ہے۔ نہ تم بھی دوسروں سے اسی طرح پیش آؤ جس طرح تم چاہتے ہو کہ وہ تم سے پیش آئیں۔“ ایسا حکم ہے جس پر کار بند ہونا لازماً ہوتا ہے۔ اور کچھ بھی یہ کہ انکم ان کے واسطے جو بے لاگی اور بے نیاکاری کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں آسان نہیں کہ اسے کام میں لائیں۔

اگر ہم صرف غم و رنج سے ہی کام لیں تو کوئی چیز بھی دنیا میں غیر ضروری نہیں۔ اور ہمارا ایک تجربہ بھی ایسا نہیں جس اسکا بخوبی کشائیدہ ذکر نہ بشیر طیکہ ہم صرف اسکو دیکھ ہی سکیں۔ نیز مصیبت بھی اکثر انسانی ذہانت اور ہوشیاری کی اقل درجہ کی کسوٹی ہے۔ جرمنی کا ایک شہر شاعر کہتا ہے۔ ”وہ شخص جس نے

اُن سہوکار نواز نہیں ٹھہرایا۔ شوخص جس نے گریز رازی میں رشتہ نہیں سہی۔ آسمانی قدرت کو ہرگز نہیں مانا۔ جب درخواست اور جانگزا حادثات پیش آتے ہیں تو وہ صرف ہماری آزمائش اور شہوت کی واسطے بھیجے جاتے ہیں اگر ہم اپنی آزمائش کی گھڑی میں ثابت قدم رہیں۔ تو یہ ثابت قدمی اُن کو سنجیدگی بخشتی ہے جس سے کہ فرض کی سوافقت سے عمل کرنے میں ہمیشہ طمانیت اور شفقت حاصل ہوتی ہے۔

نیکی کرنے کے موقعے اُن سب کو ملتے ہیں جو اُسے کرتے ہیں اور جن کی مرضی ہوتی ہے۔ سرگرم مادہ دوسروں کے دلوں میں اپنا راستہ نکال لیتا ہے۔ جس اور استقلال سب چیزوں پر غالب آتا ہے۔ کس قدر بزرگ دنیا میں تجربہ گروں کی تحدید آفرین کے مرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں۔ یہ غریبوں اور غفلوں میں اپنی اوقات بسر کر دیتے ہیں۔ مریضوں کی تیمار رازی کرتے ہیں۔ اُن کی خاطر تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ اور پھر وہ سریع امراض ان میں پیدا ہو جاتے ہیں جن کا شہ کار بنتے ہیں۔ چنانچہ یہ طرح بہت سی جانیں فرض اور ہم کی خاطر خاتی رہیں۔ سچو محبت اور شفقت کے ان کا کوئی صلہ نہ تھا۔ اپنے واسطے نہیں بلکہ دوسروں کی واسطے جان گنوا بی جاتے تو ہمیشہ اس کی تہدیس ہوتی ہے۔

اپنی مہینڈرس جو تہذیب کا ایشیاء اور فلسفی تھا۔ وہاں کے انسان کو واسطے تہذیب کو بلایا گیا یہ یہاں گیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ مگر اس نے سچو اسکے کوئی صلہ نہ لیا کہ اہل تہذیب کے لوں میں باشندگان تاسو کی طرف سے جاں کا یہ باشندہ تھا جس میں پیدا ہو جائے۔

زمانہ قدیم میں باہنیت دہشت ناک فتنہ تھی۔ لوگ اس کا نام نہ کر سکتے تھے۔ اور ایک دوسرے سے دوجہلتے تھے۔ چنانچہ اکثر وہاں کے مریض تہنا موت کے وہ میں چھوڑ دیے جاتے تھے۔ مگر کچھ بھی بہت سے اشراف و علیربط طبقہ زرق و برق و شہرت کے اندر لپکے ٹھہرتے تھے۔ کوئی تہن تو برس گذرے کہ شہر سیلان میں دبا چھوٹی۔ کارڈنل چارلس بریوچو جو کراچہ تہن تھا اس وقت (۱۸۷۷ء) کو دی میں مقیم تھا۔ یہ فوراً اس باقی تہہ امپر جانے کو تیار ہو گیا۔ اسکے تخت پادری نے اسے نصیحتا کھا کہ آپ یہاں ٹھہریں جیت تہن کم نہ ہو۔ مگر اس نے جواب دیا "نہیں! ایک تہن جب کہ فرض ہے کہ سب آدم کو واسطے اپنی جیاں سے بھی دریغ نہ کرے۔ ان کو اپنی خطرناک حالت میں کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔" اس پر جواب ملا "بیشک ان کے ہمراہ رہنا اور تہن کی حالت بہت ناہایت اعلیٰ کام ہے۔" "اچھا تو کیا ایک پادری کا یہ فرض نہیں کہ وہ یہ کام کرے؟" اور بعد میں سیلان کو روانہ ہوا۔

وہاں کی چار تہنیں تھیں۔ اس شہر میں یہ مریضوں کے پاس خود جاتا۔ ان کے مکانوں پر پہنچتا تھا۔ پتہ لگا کر ان سے ملتا اور جہاں کہیں پہنچتا تھا اُسے ہرگز جانے میں غارت ہوتا۔ لیکن ان کی نگرانی کرتا۔ ان کو غارت لے کر دوا

دیتا۔ خدمت کرتا اور غرضی وقت کی رعایت مذہبی بھلاتا۔ اس کی مثال کی اور پاروں۔ نیس بھی پیروی کی۔ اور
اسی کی طرح مریضوں کی تیار داری کی۔ اور جب تک سہجی دبا فرو نہ ہو گئی۔ یہ اپنے اس نیک کام سے
دست کش نہوا۔

اس پادری کی ایک اور وجہ سے بھی توفیر کی جاتی ہے۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے توار کے ن غریبوں کے
بچوں کو واسطے درجہ پڑی کیا۔ اس کا قول تھا: "بہ نسبت انسان کا واسطے بنا ہے۔ انسان بہت کے واسطے"
اس روز بھی اور دنوں کی طرح ہر طرح کا نیک کام ہو سکتا ہے۔ یہ پادری ہر توار کے سپہر کو شہر کے لڑکے میلان
کے تھیل میں جمع کرتا۔ اور ان کو لکھنا پڑھنا سکھاتا۔ اپنے ساتھ اپنے کچیاں اور سیلیٹیں لے لے اور جو بیکتا
ان پر لکھتے۔ اس کے ماتحت پادریوں نے اسے مدد دی اور روزہ کی بہت ترقی ہوئی۔ تین سو برس گزر گئے
ہیں اور کارڈنل بارومیو کا سنڈے سکول اب تک موجود ہے۔ ششہ عریض ہفت نے چشم خود
دیکھا کہ لڑکے اپنی سیلیٹیں اور کاپیاں لے ہوئے اس مدرسہ کی کر جمع ہوئے۔

یہ کارڈنل اپنی تمام آمدنی سکولوں اور کالجوں کی تعمیر اور خیراتی کاموں میں صرف کرتا۔ اس کے عہد میں
اور بدعاشی کی خوب رونق تھی اور جلد اس سے ہر سکا اس نے دوسرے میں بھی کی۔ یہ پہلے اپنی ہمیشہ
جماعت شروع ہوا۔ اس نے پادریوں میں پہلے اصلاح کی۔ انہوں نے لڑکوں کو تعلیم دینے کے بجائے شکی
ہنسی اڑائی۔ اور اس کو سخت۔ مگر جا اور پادریوں کی رہے ادبی کرنے والا نکھا۔ اس کا تہہ سکول "لیک
خطرناک دراج" سمجھا جاتا تھا۔ اس کے مخالفوں نے ایک شخص کو اجرت دیکر جابری کی رڈنل کے گولی مارنے
کے واسطے مقرر کیا۔ چنانچہ گویا میں یہ تھا کہ گولی اس کی پشت پر لگی۔ مگر جیشیہ جیشیہ چنے تھا اس سے گولی اٹکا
نہیں ہر گڑھی۔ مگر کارڈنل براجا نرو اور متعل خراج تھا۔ سب آگ تو اس کے چاروں طرف مخالف تھے اور یہ
اس طرح اپنی گرجہوشی سے خداست میں صرف رہا۔

انگلتان کی بھی ایسی ہی آئی اور یہاں باپھیلی اور اس حالت میں کہ لوگوں کو ایک تو خوراک اچھی طرح دستیاب
نہوئی تھی۔ دوسری ان کی تنہا بہت کچھ خراب ہو رہی تھی۔ لندن میں اس کے مانتوں بہت خوریزی ہوئی۔
اس شہر کے کوچہ غلیظ۔ تنگ تاریک اور بند تھے۔ اور پانی کی بہت قلت تھی۔ ہر مین میں سے نہ ملے عام
شکل نکھلائی۔ ابھی انگلن کی پادری سن مانے کی آباری کے مقابلہ میں پہن تھی۔ مگر کچھ بھی اگلا کہ آدمی عدم
سدا رہا۔ اور شاہ جی ہر ایک محمد روزہ ہی بلکہ دیات بھی سکی پڑی میں آگئے۔ گو بہت سے آدمی مریضوں کا
چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مگر کچھ بھی بہت سے شریف خیال درعا بھو ملہ رہ گئے۔ ان میں سے ایک شخص مارٹن
نویا رک کا شپ تھا۔ اس کو اپنا مطلق خیال تھا بلکہ اپنے بھائی جی آدم کا۔ ایک ہسپتال غرا کے آرام دہ

تعمیر ہوا۔ یہ اپنے خراب خستہ مکانوں سے نکال کر اس میں رکھے گئے اور اچھی طرح یہاں لگے علاج معالجہ ہوا۔ اور گوان کیواسطے تیار دار ملنا مشکل تھا مگر شب یہاں موجود رہا۔ یہ سپاہی کی طرح اپنے فرض پر ثابت قدم رہا۔ جب ہسپتال میں خوراک کی قلت ہوئی تو یہ اپنے گانوں میں اپنے مزید پر جاتا اور گیہوں کے تھیلے گھوڑوں پر لاد کر لاتا۔ اور یہاں تک لگ لگائی خطرناک امر ہوتا تو اس میں بجز اپنا اور اپنے نوکروں کی شمولیت کے کسی کا ہگز روادار نہ ہوتا۔ علاوہ اسکے یہ خود ہی گھوڑوں کو کستا اور کھلتا۔ اور مکان کی پشت پر چور وازہ تھا یہ اسی سے نکلتا اور اسی سے اندر آتا۔ تاکہ اور لوگوں میں ملنے جلنے سے انہیں نہ اسکی وجہ سے وبا کا اثر ہو جائے۔ یہ شب ایک خود انکار۔ فیاض۔ عالیجوصلہ۔ کشادہ دل اور سبقت بخشا اسکی تمام عمر خدا ترسی اور نفع خلاق میں گزری۔

لندن سے سسڈ تھم اور آڈر بہت سے ڈاکٹر فراہم ہو گئے۔ مگر بہت سے رحل اور شریٹھیا خاص باقی رہ گئے۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر صاحب تھا جو اپنے فرض پر ثابت قدم تھا۔ یہ لگاتار دویزیوں کھدیتا رہتا تھا۔ اسکو بجز اپنی ضرورت کی رضا مندی اور خوشنودی کے اور کوئی اس کی شرمیشت سے نفع نہ حاصل ہوا۔ یہ چارے کا بال بال مقدس ہو گیا۔ لڈ گیٹ کے حالات میں رہنا نصیب ہوا۔ اور آخر کار شہ ۱۹۱۸ء میں اس نے نیائے فانی سے کوچ کر گیا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ لندن سے ہیضہ کی ہوا دیہات میں بھی پہنچی۔ ایک بعض دور وراز دیہات میں ایسی جگہ ملتی ہے جہاں قبل یہاں کے باشندوں کے انہوں نے ہیضے کو دفن کر دیا ہے۔ مثلاً آیام کے موضع میں لندن سے ایک بچہ کپڑوں کا ایک دزدی کے نام آیا۔ ابھی یہ بچہ ان کو ہٹا ہی سے رہا تھا کہ وہاں آدیا اور چوتھے روز چل بسا۔ وہ پھیل گئی۔ یہاں کے باشندے جو کل تعداد میں ۳۵۰ تھے گاؤں چھوڑ کر بھاگنے پر آمادہ ہوئے۔ مگر پادری ولیم مامپیس نے اپنی بہادری سے ان کو اس ہیودہ حرکت سے باز رکھا۔ اس نے ان کو سمجھایا کہ ان کے وسیلے سے وبا دور دور پھیل جائے گی۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

مسٹر مامپیس نے ارادہ کیا کہ موضع کو ایک طور پر بند کر دے یعنی باہر سے لوگوں کی آمد و رفت بند ہو جائے تاکہ مصافات اس آسانی قہر سے محفوظ رہے۔ ارل آف ڈیون شائر نے حتی الوسع تمام ضروریات مہیا کیں یعنی خوراک۔ ادویات وغیرہ سب ہم پہنچائیں۔ اس خاطر کو لوگ گرجا میں یکجا جمع نہوں۔ یہ کھلے میدان میں عبادت کرتا۔ اس نے ایک اونچا ٹھکانا پسند کیا اور اس پر یہ کھڑا ہوا لوگ اسکے سامنے نشیب میں بیٹھ جاتے اور اس کا کلام سنتے۔

سات ماؤں کی عزت کا خوب بازار گرم رہا۔ معبد میں جن بدن لگ کر ہوتے گئے۔ عیسیٰ خلیفہ پوری روزمرہ اپنی بیوی کے ہمراہ مریضوں کے نکاح پر جاتا۔ ان کی خدمت کرتا اور ان کو دعا دیتا۔ آخر کار اس کی عورت کو ہسپتال سے آدیا اور اپنی نازک اندامی اور جفاکشی کی وجہ سے بہت جلد جان بحق ہوئی جس وقت فیض ہوئی اس کے شوہر نے آبدیدہ ہو کر اور اس کی خدشات کو یاد کر کے اس کی قبر پر کہا:۔
 ”وہ شخص بابرکت ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فرمان پر اپنی جان تقدیر کر دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی محنت اور جفاکشی کے بعد آرام کرتے ہیں۔“ پادری بھی مرنے پر کمر بستہ تھا مگر اس نے اپنے زندہ بچاؤ کوئی سچا ہتھیار دیا کا شکار ہوئے۔ اور ایک پٹری پر دفن کیے گئے۔ ایک خط میں لکھا تھا: ہمارا موضوع تو جنگل خاصہ قبرستان بن گیا ہے۔۔۔۔۔۔ میرے گرجا میں ۷۶ خاندان عبادت کو آتے تھے جن میں سے ۲۹۵ آدمی عدم کو سراہا ہے۔ ”سٹریمسینر“ واپسی معمولی عطیہ تک زندہ رہا۔ اس کو انکس کے ڈین کا عہدہ ملنے لگا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس نے یہ قبول کیا کہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ موضع میں رہے اور اپنی پیاری بیوی کی قبر پر۔ اس کا شہداء میں تھیں ہوا۔ تعجب ہے کہ کوئی ۵۰ سال بعد کچھ مزدور اس جگہ کو کھود رہے تھے جہاں قبول بیاتوں کے ”ہیوٹل“ بیٹھ دفن کیا تھا، کہ اتفاقاً ایک کپڑا یہاں سے نکلا جو غالباً کسی مرد سے کاٹھا۔ کپڑے کا نمکنا لگائی دہریلی ہوا پھیلی اور ان کو پتہ چڑھنے آدیا۔ تین مزدوران میں سے فوت ہو گئے۔ اور اسکے علاوہ مریض میں یہ ہوا پھیلی جہاں اس نے کوئی قریباً ۷۰ آدمیوں کا کام تمام کیا۔ یہ مریض بھیجے گا جانشین معلوم ہوتا ہے جس سے کہ ہر سال ہزار باندگان خدا گور کا منہ دیکھتے ہیں۔

مصطفیٰ کو ایک بار جب یہ لکھ دیکھتا تھا تو کوئی ۳ سال گزرے تب محو کا پھینکا یاد ہے۔ پہلے تو یہ مرض غرابہ پھیلی اور پھر کمزوری اس نے زور پکڑا۔ ایک خاطر میں مکانوں کے ۲۸ آدمی بیمار تھے جن سے تین کے پاس بستر نہ تھا۔ اور علیٰ ہذا القیاس ہی سال اور مصلحت اور مکانوں میں تھا۔ ایک مکان میں ۱۲ آدمی بستے تھے۔ اور سب اس مہلک مرض میں مبتلا تھے۔ یہاں جو بڑے بڑے ہسپتال تھے ان میں لہیوں کی کثرت سے تل رکھنے کو بھی جگہ نہ تھی۔ اس لیے ایک چوبلی عارضی ہسپتال مریضوں کے آرام کیلئے بنانا پڑا۔

ڈاکٹر ایک لیٹر کا وکرا اور پادی جی طبعی مضمونہ انتہا تھے آتے۔ اور جہاں مکان کا بس چلتا مریضوں کی خدمت اور علاج کرتے۔ اسکے علاوہ جو تھلاک پادری تھے وہ بہترین اس قسم کے کاخیر میں صرف تھے۔ یہاں ایسے مکان بھی تھے جن میں کثرت سے نہریلی ہوا بھی تھی اور

جہاں کہ سانس لینا فوراً ہی تھمتی۔ مگر یہ بکھٹے دل سخت ہو کر ان میں چلے جاتے۔ بہ وقت یا تو
 قریب لڑکے شخاص کے پاس جاتے یا نوراضوں کے پاس۔ کوئی خطہ اور آفت ان کو مستقل دل کا ٹوٹ
 نہ پھیر سکی۔ ان کو موت کی شکل سامنے نظر آرہی تھی۔ مگر ان کے دل میں ایک شمر خوف کو بھی جگہ نہ دیتی تھی۔
 آخر کار یہ ہسکملن سے بھی ہو کی اور کیے بعد دیگرے یہ جان بچت ہوئے۔ سب سے پہلے پادری
 واسے کا انتقال ہوا۔ اسکے بوائے کے ماتحت کا اور پھر سطح ہر ایک کی باری آئی گئی۔ اور گوسطج
 جلدی جلدی یہ موت کا ننگا رہو رہے تھے۔ مگر ان کے بعد ان کے جانشین بلاکشیخ و دھڑکے کل
 کھڑے ہوئے۔ مگر ان بچاروں نے بھی گور کا راستہ لیا۔ اسپر ایک یا دو گارن کی بنائی گئی حیر کنہ
 کرایا گیا۔ وہ لوگ اپنے مقتدر فرائض کی بجائے آوری میں شائع میں بخار سے فوت ہوئے۔

اسکے علاوہ ایک گرجا کا انصر بھی ہوا۔ ایک اور بھلا مانس جو تلو سے اور پرہیزگار کی بہت حامی تھا
 کوچ کر گیا۔ شہر کے دو ڈاکٹر بھی جایا پڑے جنہیں سے ایک کا انتقال ہو گیا۔ غرض کل ۴۰۰ آدمی فوت
 ہو گئے۔ ڈاکٹر اور طبیب خواہ مرض کیسا ہی پر راج ہو ہمیشہ مریضوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ لوگ ہر صورت
 سے موت کے مقابل میں سینہ سپر ہوتے ہیں۔ اور ضعیف سے بھی صلہ کی امیڈل میں نہیں ہوتی۔ جہاں
 بلاؤ داں موجود۔ اپنے فرض کی بجائے آوری سے ذرا بھی نہیں تھکتے اور بعض اوقات تو کوئی ان کا شکریہ
 بھی نہیں ادا کرتا۔ یہ محنت و مشقت۔ جانفشانی اور عزیزی کے دامگیر رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ
 ان کی صحت متزلزل اور دل بیمار ہونے لگتے ہیں۔ اور پھر جبکہ ضیخوئی ان کو اپنے پنجے میں پکڑ لیتا ہے
 یہ عدم کاراستہ لیتا ہے۔ ایسے شعلے چپ چاپ سکوت میں عمر بسر جاتے ہیں۔ اور شہرت کبھی ان کے
 پہنچنے بھی نہیں پاتی۔ مگر صلح ہے کہ سب سے بڑے شعلے دنیا کے وہ ہیں جن کا عہدیت سے جہان کو
 علم بھی نہیں ہے۔

ڈاکٹر میں ان جنگ میں بھی اپنا فرض بجالاتے ہیں اور مکانوں میں بھی۔ یہ لوگ گولیوں کی بوچھاں
 گئے ہیں جنہیں سپاہیوں کو مسلحانہ کے واسطے اٹھا لائے ہیں۔ اس طور پر فرانسیسی ڈاکٹر لاری پور پورا
 شعلہ تھا۔ جب نیو کیس کا شکریہ اس سے راحت کر لیا تھا اس نے دراصل گولیوں کی بوچھاں میں اپنا
 فرض ادا کیا۔ ایک اور مقام پر ہر کے جلتے ہو کر گیتان میں اس ڈاکٹر نے بڑی بہت اور دلیری کا اظہار
 کیا۔ انگریزوں کی لڑائی میں جو زخمی ہوئے ان میں جنرل سٹیلی بھی تھا جس کے زانو میں گولی لگی۔ ڈاکٹر نے
 دور سے ٹیٹا اور یہ سوچا اگر گولی ٹیٹا فوراً اس کی ٹانگہ نہ کاٹی گئی تو اس کا نتیجہ بہت صدمہ ہوگا۔ فوراً اسکے پاس
 پہنچا۔ اور جنرل کی مرضی سے انگریزوں کی گولیوں کی بوچھاں میں اس نے ٹانگہ کل ۳ منٹ میں

کاٹ دی۔ مگر انگریزی سالہ بڑھتا چلا آتا تھا۔ اور اس حالت کو دیکھا ڈاکٹر اور جنرل دونوں نلیت مضطرب ہوئے۔
 لاری کستا ہے۔ بیٹس نے پہلے تمام اتنی فرصت پائی کہ جنرل کو اٹھا کر فی الفور اپنے کاندھے پر رکھا
 اور بے تحاشہ اپنی فوج کی طرف بھاگا۔ ہاری فوج بھی بھاگی جا رہی تھی۔ اور میں اس تک پہنچنا چاہتا تھا
 مجھ کو آگے لکھی ایک گڑھے نظر پڑے جن کو میں کو دنا بھانڈنا نکل گیا۔ اور انگریزوں کو مجبوراً چھوڑ کر
 آنا پڑا۔ عرض اس طرح میرا خرکار اپنی فوج تک پہنچ گیا۔ اور پھر اپنی فوج کے ساتھ میں اس معرزہ زخمی
 افسر کو لیکر سکڑ رہیں آیا جہاں اس اچھی طرح علاج کیا گئے۔

اب ہم ایک اور شجاع کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ شخص ڈاکٹر سالڈوزف پیرس کر سچن کا
 سیکس ملازم تھا۔ جنگ بگرام میں ایک گولے سے اس کا پیرا لٹ گیا۔ یہ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے چند
 قدم پر مان شیر دی کر رگ کو جو ایک گانگاہر تھا دیکھا کہ ایک گولی کھار زمین پر گر پڑا۔ اور اسکے زخم سے
 خون جاری ہو گیا۔ ڈاکٹر نے سوچا کہ اگر اسے فوراً کچھ علاج نہ کیا گیا تو یہ فسر بالضرور مر جائیگا۔ چنانچہ یہ سوچ کر
 اس نے زمین پر ریٹنا شروع کیا یہاں تک کہ اسے فسر کے پاس پہنچ گیا۔ اور اس کا فوراً خون بند کیا اور
 اس طرح اس کی جان بچائی۔ مگر کئی کرگ لبرق بل بھی نہ تھا کہ اپنے محسن سے جھگڑے۔ زخمی ڈاکٹر کی حالت
 دانتا میں لگیے۔ مگر ایسا ضعیف نہ تھا کہ چار روز بعد دنیا سے کوچ کر گیا۔

فوج کے کوچ پر عموماً ایسا ہوتا ہے کہ زخمی سپاہ کی سائش کیلئے گاڑیاں بھیجے جاتی ہیں۔ جب
 کوئی زخمی ہوتا ہے وہ ڈاکٹر کے پاس علاج کو بھیجا جاتا ہے۔ جب فوج بھاگتی ہے تو ڈاکٹر وہاں اور زخمی
 سپاہیوں کو بھی بھاگنا پڑتا ہے ورنہ قید ہو جائیں۔ جنگ آلماکے موقع پر روسی بھاگے اور فرانسسی
 اور انگریزی فوج نے ان کا تعاقب کیا مگر اتفاقاً بہت سے زخمی روسی بچے رہ گئے۔ کسی سٹورڈی
 میدان جنگ کے مشرقی حصے میں لائے گئے جہاں یہ ب دریا ایک سایہ دار مقام پر رکھے گئے۔

خوش نصیبی سے یہاں ایک ڈاکٹر بھی موجود تھا جس کے فرض اور دفر کے ماتھے کو قومی مرغی۔
 اتھا کہ بہت۔ اور اس انصاف اور پرہیزگاری کے اعلیٰ درجہ سے معاونت پہنچتی تھی جو شاؤناؤ
 ہی کسی میں علی طور پر موجود ہوتا ہے۔ یہ شخص ڈاکٹر ٹامپسن م م دیں جرنل کا تھا۔ گورڈسین نے
 تمام دیہات جلا دیئے تھے۔ مگر پھر بھی اسکو ۴۰۰ پونڈ بکنٹ اور جس قدر آدمی درکار تھے دستیاب
 ہو گئے۔ اس نے فے الفور ان زخمی سپاہیوں کو کھانا دیا کیونکہ چوبیس گھنٹے سے ایک دن بھی ان کو نہ صیاب
 ہوا تھا۔ اسکے بعد ان کے علاج میں مصروف ہوا اپنا پورا کام میں اسکو سات بجے صبح سے ساڑھے
 گیارہ بجے رات تک مطلق فرصت نہ ہوئی۔

اس غصے میں جس قدر انگریز زخمی تھے سب جہاز پر سوار کر کر روانہ کرنے کے واسطے یوٹاپوریا کو بھیجے گئے اور اب ڈاکٹر نامپسن اور سکاترنگار زخمی روسیوں میں رہ گئے۔ تین شہداء روزنامہ یہاں تنہا رہ کر چلپاتی دھوپ رات کی بندھت سر دی میں رہے۔ آخر کار روسیوں کو نصحت کرنے اور صلح کا نشان دیکر روسی ہند گاہ پر روانہ کرنے کا وقت آگیا۔ مسٹر کنگسٹن ایک کتے ہیں۔ جب آخر کار ۲۶ تاریخ کی صبح کو آلبین جہاز کے کپتان کو شکسٹن آکر گئے اور انہوں نے اپنے دو موطوں کو اپنے مصیبت ناک فرض پر عین پایا تو یان کی بردباری اور اس ہمدردی پر خوش کرتے رہ گئے جسکی خاطر انہوں نے تکلیف برداشت کی تھی۔

اسی طور پر ڈاکٹر کے جو بغاوت ہند میں بنارس کے ہسپتال کے ڈاکٹر تھے اپنی جانب ملی پر رکھ کر اپنی خدمت پر قائم رہے۔ کیونکہ دشمن کی فوج انکا اوزیر ان کے مریضوں کا کام تمام کرنے کو پڑھتی چلی آتی تھی۔ سہ لاکھ شخص کو کٹانپور کا خوفناک ہنگامہ ہو گا جہاں ایک ایک مرد۔ ایک ایک عورت اور ایک ایک بچہ تیغ کر دیئے گئے مگر تاہم انگریز باغی سپاہ کی شمع سحری کے مقابلہ میں انجام کٹا بہت قدم بہت مسٹر کالیر ساکن نیویارک کہتے ہیں۔ یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ کوئی شخص جیسا کہ قاعدہ ہے مذہب کی طرف سے نہایت ایمان سپاہی کے زیادہ تہمیدت ہو۔ اس سچا رہے کہ اپنی تمام عمر میں اس کا کچھ خیال ہی رکھنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ سچا ہی نہیں لگا خیال ہوتا بھی کم ہے۔ مگر بغاوت سپاہیان ہندوستانی کے نائنے سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ بہت سے انگریز فوج کے سپاہیوں سے کہا گیا کہ یہ عیسائیت کو ترک کر دیں اور باغیوں کا مذہب اختیار کر لیں۔ ورنہ نہایت سنگدل اور بیرحمی سے قتل کیے جائیں گے۔ لہذا کوئی یقین ہے کہ یہ سب کے سب گئے۔ چنانچہ اتنا کوئی شہادت اس پر تھ نہیں لی کہ کوئی عام سپاہی اپنے مذہب سے خوف ہو گیا ہو۔ ہر ایک سپاہی عیسائیت پر ایسا ثابت قدم تھا کہ نہ تو کوئی تیار ہو سکی دل کی مردانگی کو زائل کر سکتا تھا اور نہ اس کے جوش کو گل کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس طرح جہاں غولی قریباً مفقود ہو وہاں مردانگی ہو سکتی ہے۔ ورنہ غولی سے مراد وہ برتری جی بے لوث اور قدس زندگی اور دیانت سے مذہب کی پابندی۔

اب ہم دو اور افسروں کے ایثار کا حال بیان کرتے ہیں۔ یہ دونوں افسر، دین جنت کے نشان میں تھے جہاں حال ہی میں ہندو بچپن لٹا تھا۔ عورتوں کی عدم موجودگی میں یہ یونینوں کی تیار داری کرتے اور قریب لگ ان شخص کے شریک ہر دم ہوتے۔ غرض اس طرح یہ وہائی ہسپتال میں نہ مشغول رہتے۔ کارپورل ڈربلی شاعر اپنی جانفشانی اور نکان کے باعث چل بسے مکان کی جگہ ایک دوسرے لکھڑا ہو گیا یعنی

دوسرے افسر کارلورل پر نے بھوشی توپا کے ہسپتال میں مریضوں کی خدمت گزار بنی ہوئی کی۔ اور یہاں اسکو محکمہ جنگی اور ڈاکٹری دونوں کے افسروں کی خوشنودی حاصل ہوئی۔ یہ دونوں اکثر اپنی اپنی جگہ مستعد رہتے اور ہر خطرات کو موت کا سامنا دیتا۔ جس وقت کتا نڈر آپیف ملان میں آیا۔ اس نے علامہ طوطہ پر ڈوبی شایر اور بائیر کان کے ہراسیوں کے سامنے شکریہ ادا کیا۔

مگر بعض اوقات انہی ہم کی صفات حمیدہ گولوں اور گولیوں کی بوجھا میں ظاہر ہوتی ہیں۔ انہیں فریڈ نیسیوں نے لکچر کا محاصرہ کیا۔ مرد اور عورتیں بازاروں اور مکانات میں نہایت سنگدل سے قتل ہوئیں۔ جس وقت ڈومنگ ایک گولہ چلتا۔ شہر کے ٹرے گھسنے کی ایک آواز سے ہی سیدم تمام اہل شہر ہوشیار اور ضرور ہوجاتے۔ ایک روز ایک گولہ چلا اور سپر گھنٹہ بجار۔ مگر یہ گولہ گھسنے کو آکر لگا جس سے کٹر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ مگر جو اسب گھنٹہ جلنے پر معین تھا۔ چپ چاپ نہایت اطمینان سے گیا۔ اور سب گھنٹہ بجایا۔ اور اس طرح انہی سخت نے موت کے خوف پر غلبہ پایا۔

مگر سب محاصرے کے دوران میں ایک عورت نے اپنی جان سے بڑی بہادری کا کام کیا۔ ماکو روٹا شہر کے باہر ایک قلعہ تھا کہ جس میں خندق تھی اور نہ گولوں سے بچنے کا کوئی سامان تھا۔ اس میں ۴۰۰ انگریزی سپاہ فرانسیزیوں کے مقابلہ کو تعینات تھی۔ سپاہیوں کا ایک چھوٹا سا جنگی جہاز بھلی اس محاصرے میں فرانسیزیوں کے مقابلہ پر تھا۔ مگر سپاہیوں کی باڑہ یہی پرسی کی اسے بندرگاہ کیڈز میں سپاہ کیڈ اسٹے آنا پڑا۔ اس پر اس چھوٹے سے قلعہ پر ۸۰ توپوں کی مار چوسنے لگی۔ ایک دن میں قلعہ کے تمام کنگڑے ہوا کی طرح اڑ گئے۔ اور اب جنگی تفصیل اور محصور سپاہ کے جاننا بزل گئے۔ غرض میں گھنٹہ کا ملن طوطہ بانا پر پارنا اور اسب ہم مانا گورڈا کی اس بہادری کا حال بیان کرتے ہیں۔

تاجرت کی عورت سٹی رٹسن نیچے خانہ میں ایک زخمی سپاہی کی خدمت کر رہی تھی۔ مریض تھا۔ تھا اور پانی مانگتا تھا۔ اس عورت نے ایک بلے والے لڑکے کو بلایا۔ اور گولوں پر جا کر پانی لاسنے کو کہا۔ مگر لڑکے نے پس پیش کیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ گولوں میں پر گولوں کی بوجھا ٹپڑ رہی تھی۔ عورت نے اس کے ہاتھ سے جھپٹے ڈول لے لیا اور خود گولوں میں پر گئی۔ اس نے گولہ باری کا بہادری سے سامنا کیا۔ ڈول میں پانی بھرا۔ اور گولہ ایک گولی کے لگنے سے ڈول کی تری اس کے ہاتھ سے کٹ گئی۔ مگر اس نے پھر اسے اٹھا لیا۔ اپنے مریض کے پاس پہنچی۔ اور اس طرح اپنا فرض بجالائی۔

اس قلعہ پر بڑے زور و شور سے گولہ باری ہو رہی تھی۔ سپاہیوں کا جھنڈا اچھے قریب گولی کھا کر ٹوٹا مگر آخر کار سمرٹامس گر جم نے یہ دیکھا کہ مقابلہ لاجل تھا بہت سی شہتیاں ان سپاہیوں کے لینے کی سبب

بھی جس جو زندہ بچے تھے میجر لفری کے حکم سے ایک برچ اڑا گیا مگر یہ نوکام آئے۔ اور یہ آخری شخص تھے جن کے خون سے اس قلعہ کے کھنڈر سرخ ہوئے تھے۔ اسکے بعد سپاہی شہیدوں میں سربراہ کو کیڈز کو واپس لگئے۔ اور ان کی ہمراہ مانا گورڈا کی وہ بہادر عورت بھی گئی ۛ

کیا کوئی فرد بشر یقین کر سکتا ہے کہ جنگ کے موقع پر عورتیں سپاہیوں کی تیمارداری کر سکتی ہیں؟ تاہم یہ سیکونہایت بہادری اور شرافت سے سرانجام کرتی ہیں۔ قاعدہ تھا کہ جس باہر کی نوکریاں رکھی جاتی تھیں۔ اسی باہر کی عورتیں تیمارداری کے واسطے مقرر ہوتی تھیں۔ مگر جب سے مس نائنگیل نے اپنی شریفانہ شخصیت کا باعث جو اسکو مریض اور زخمی سپاہیوں کی واسطے حاصل تھی۔ اس کام کو اپنے واسطے تو انہی میں معزز اور باوقار جگہ دی ہے۔ اسوقت سے لوگوں کی آنکھ کھلی کہ تیمارداری کھینچنے کے قابل ہے۔ اسپینڈانت۔ رضامندی۔ اور قابلیت۔ نیز سخاوت۔ الفت اور انس و کار ہے مس نائنگیل کو ملتی ہیں۔ یہ سپاہیوں پر تہہ بیکھا گیا اور کہا گیا کہ عورت نہایت عمدہ تیماردار ہو سکتی ہے۔ مگر اسکے عکس مجھ کو یقین ہے کہ تیمارداری کے اسباب سے اب تک لگا واقعہ ہیں ۛ

مگر کس طرح مس نائنگیل نے تیمارداری کا پیشہ اختیار کیا؟ صرف الفت اور فرض کے خیال سے۔ کیونکہ اسکو کچھ ضرورت نہ تھی کہ ایسے پرشقت اور ناگوار کام کو اختیار کرتی۔ یہ ایک بڑی صاحب کمال اور صاحب سخت تھی۔ یہ اپنے مکان میں اسو حال سب کی نظروں میں عزیز تھی اور ہر ایک کی زبان پر اسکی تعریف تھی مگر جس قدر سامان اور ضروریات زندگی ہیں وہ اسکو ذریعہ انجلی میسر تھے۔ مگر اس نے سب کو نہ کشی کی اور اس راہ پر چلنے کو نہ جج دی جو مصیبت اور رنج و الم کو جاتا تھا۔ اسکو ایک طور پر اپنے بھجنوں کی ترنایاں میر محبت تھیں۔ چنانچہ یہ یدرسوں میں تعلیم دیتی۔ عورتوں سے راہ و رسم لکھتی۔ اور جب یہ بیمار ہوتے تو ان کو خوراک دیتی اور ان کی تیمارداری کرتی۔ گو یہ انگلستان کے ایک گوشے میں یعنی ہمیشہ سار کے قصبہ آرمیلے میں رہتی تھی۔ مگر انسان تنگی اور وسعت دونوں میں یکساں بہت کچھ نیکی کر سکتا ہے ۛ

بانجی اور نگیلی نیا اس کے پیش نظر تھی اور جن شغلوں میں قصیدے کی اور نوز عورتیں مہینی ہوتی تھیں یہی ان میں شریک ہوتی تھی۔ مگر اس کا دل ایسے کسی آدمی طرف کھینچ رہا تھا۔ اسکو مصیبت زدوں۔ کرشن آرم کے شکاروں اور زندہ بچے کے ہاتھ سے پائمال آدمیوں میں ملحق ہونا۔ یہ سب پتالوں۔ قید خانوں اور صلاحی مدرسوں میں جایا کرتی۔ جب اور سب یا تو اپنے میوہ بار سو طر زلفہ رنگاٹ لٹایا سال بھر پر بسر کرتے چیر جن کے مدرسہ تیمارداری یا ہسپتال میں اپنا وقت صرف کرتی۔ اس نے ابتداء سے تعلیم شرف کی۔ یعنی پہلے اس نے جب تیمارداری کے قواعد سیکھے تو کچھ دھوا۔ ہر شہادت کرنا وغیرہ سیکھا تھیں ۛ

تک میرا رشب و روز ریخوں کی خدمت کرتی رہی۔ اور سچے ہسپتال کے تمام فرائض اور خدمت میں اس نے تجربہ بخوبی حاصل کر لیا۔

مسن ٹانگیل جب انگلستان کو واپس آئی اس نے اپنی محنتوں کو ماتھے سے دیا۔ یہاں ہسپتال انتظام نہ ہونے کی باعث ٹوٹے کوٹھا کہ اہلی نگرانی اس نے اپنے ذمے لے لی۔ اس نے اپنے لکھنؤ کی الفت اور کھلے لکھنؤ کی تازہ ہوا سے کنارہ کیا۔ اور اس ہسپتال کی خاطر اپنا وقت وقف کر دیا جس میں یہ مدد دیتی اور مددوں کی تیار داری کرتی۔ اور وہ ہسپتال ٹوٹے سے بچ گیا مگر اس کی محنت بوجہ یادتی کا روبرو کے مستعمل ہو گئی۔ چنانچہ اس نے کچھ عرصے کو واسطے ہمیشہ شکر کی مفرح نیم سحری کارنامہ لیا۔

مگر ادا کو واسطے ایک نئی صلاح بلند ہوئی۔ جنگ کریکا اس وقت شروع تھی۔ اور بوشیا ریتا ردا وودوں کی بہت کچھ ضرورت تھی۔ زخمی سپاہی یا سفوس کے ہسپتالوں میں قریباً لارڈ اسی اور غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ مسن ٹانگیل نے اپنی شہداء نہ تحریک کی متابعت کی اور فی الفور یہ ان کی معاونت کو پہنچی۔ ایک جہاز سقوطی کو جاتا تھا۔ یا سپہوار ہو گئی۔ یہ سقوطی اپنی جانب تیلی پر رکھے ہوئے نکالیف، خطرات اور ہر قسم کے خوف میں جا رہی تھی لیکن کچھ شخص سے جو جان جانے کا خیال کرتا ہے جب فرض سے تحریک کرتا ہے کہ وہ اپنے دل کو باہر دینا ہے، مسن ٹانگیل سے جو نمائش ہوئی اس نے پوری کی۔ یہ انسانی مصائب کے اندر گئی۔ اس نے زخمی سپاہیوں اور ہزاروں کی تیار داری کی۔ تیار داری کی طریق تشریف کیا۔ اور اس کا اہتمام دانتظام اپنے ذمہ لیا۔

اس انگریزی عورت کی صابر خبر گیری اور نگرانی سے زخمی سپاہیوں کو ناممکن البیان آرام و تسکین نصیب ہوئی۔ جو وقت جہاز ران سکواپنے ملنے رات کو دیکھتے اسکے واسطے خدا سے برکت سے خواہش کرتے ہوئے۔ یہ اس کا نام مانتے تھے۔ اور اس واسطے صرف "ملکہ فانوس" کے نام سے یاد کرتے تھے۔

"مخروج سپاہی ہو رہی۔ اپنے گھوڑوں پر چڑھ کر اور ایک شہنشاہی اس در میں۔ مگر ایک ہی حسرت اس پر رہی ہے جو۔ نہ کوئی مددگار ہے نہ معاون۔ نہ دوست نہ رفیق۔ چاہی کہ ریلے جی سپر جہانی ہوئی جو دیگر کوں جو جو اس طرح سعادت اور ہول سے جھکا ہو؟ خدا کا کوئی فرشتہ ہے؟ نہیں انسان ہے مگر ملکوتی صفت۔ (مسن ٹانگیل)"

یہی نہیں بلکہ سپاہی اس کی پرستش کرتے تھے۔ ان کی زبان سے کبھی کبھی ایسا ناشائستہ اور خلاف تہذیب لفظ نہ نکلتا جس سے اس کو کچھ آزادی یا ناراضگی پہنچتی۔ جب کبھی کسی خیمے کے چیرنے پھاڑنے یا کوئی عضو کاٹنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ کچھ کہے اس کی جان کنی کو برداشت کر لیتے۔ اور جہاں ممکن ہے ہوسکا انہوں نے اس کی نصیحت اور تشیل کی پیروی کرنا چاہی۔ اور اس کی پوچھ تو بھی بجا ہے خود عام سپاہیوں کی الفت میں

ڈوبی ہوئی تھی۔ پھر فلان کے زوالی آرام و آسائش کی خبر گیری نہ کرتی بلکہ انگلستان پر توجہ دے کر اس کا
تک میں بھی جہاں جہاں ان کے عزیز و آشنا ہوتے وہاں ان سے خط و کتابت کرتی۔ فلان کا رویہ یہ تھا کہ
اپنے پاس رکھتی۔ اور ہر شے کی سہ پر اس کا کام ہوتا کہ ان کی کمائی ان کے عزیز و اقارب کو انکے وطن میں
روانہ کرتی۔ سبحان سدا! سپاہی اسکے کیسے مشکور تھے! اور اس کو ان کا کقدر خیال تھا!

یکہتی ہے۔ سادہ دلیری۔ متحمل قناعت۔ نیک فہمی اور چپ چاپ مصیبت اور تکلیف کا برداشت
کرنا۔ یہ چیزیں ہیں جو کوئی قوم ہے کہ اپنے عام سپاہی سے بڑھ کر میدان جنگ میں کھلا سکے؛ لوگ جو چاہیں
کہیں۔ وہ شخص جو اپنا وقت۔ اپنی طاقت۔ اگر ضرورت ہو تو اپنی جان تیلے۔ اپنے واسطے نہیں بلکہ
اسکے واسطے جو خواہ اس کی ملکہ ہو۔ اس کا ملک ہو۔ یا اس کی فوج ہو۔ اس شخص سے کس قدر بڑھ کر ہے۔ جو عادی
روزہ رکھتا ہے۔ حد درجہ کا انکسار پس پایا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی گناہ یا خطا سرزد ہوئی ہے تو اس کا
صاف صاف مقرر ہے۔ اور یہ امر کوئی شخص اپنی جان دیدے اور اس کو تصدیق نہ سکے۔ فی الحقیقت بجز
انگلستان کے اور کہیں نہیں ملتا۔ لہذا ہم ایک اونٹ سے اونٹے درجہ کے سپاہی کی زندگی سے
بھی بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں +

مس سٹینٹے سنٹانگیل کے پیچھے آویسا کو روانہ ہوئی۔ تیار دار عورتوں کی ایک جماعت اسکے
ماتحت تھی۔ یہ ان کو قسطنطنیہ لے گئی اور وہاں رہنے کے واسطے اس کو ان میں سے ایک کو قسطنطنیہ لے گئی اور وہاں رہنے کے واسطے
اور ان میں کوئی ایک کے جنگی ہسپتال میں مدد دیتی رہی۔ جب ان کو ان سے زخمی سپاہی آئے اس کو اس نے
دیکھا تو اپنے ایک دست کو انگلستان میں جس نے بل لکھا: "میں نہیں جانتی کہ کون سا نظارہ زیادہ دردناک
ہے۔ آیا اس شخص کو دیکھنا جو توانا اور تندرست مگر اب گھل گیا اور جس پر قوت کا گل ہو چلا ہے۔ یا ان کو
دیکھنا جو نہایت خوفناک طور پر زخمی ہوئے چلے آئے ہیں۔ کل تمام دن میرا تو شکوں کے جوڑے پھرنے کو
دھونے اور زخموں کی مرہم بٹھی کرنے میں لگتی رہی۔ اور وہ دیکھنے میں صرف ہوا۔ اور اپنے بھینس بنی آدم کو
۵ ہفتہ تک جہاز پر غفلت میں پڑے رہنے کے بعد آج اس حالت میں کھیکھکھا کہ کس قدر فرصت ہوئی۔
مريضوں کی گیارہ بار کہیں میری نگرانی میں کی گئیں۔ جن میں سے گیارہ آدمی جرات آئے اسی رات مر گئے
اور وہ دیکھ سکی یہ ہوئی کہ یہ حد درجہ کے ضعیف اور کمزور تھے اور زخموں نے ان کا بخوبی کام تمام کر دیا تھا
مگر اس نہایت انکساری سے کہتی ہیں کہ اگر میرے ہتھیرے لگتے۔ اور میں حب ضرورت ان کی خبر گیری
اور نگرانی کرتی۔ تو ہرگز ان میں سے ایک بھی نہ مرنے کا تجربہ کرتے۔ انگلستان کو واپس آئی۔ اس نے
سپاہیوں کی حیوہ و عادتوں اور بیویوں کی نفس رسانی کا کام شروع کیا یعنی اس نے تارک شریٹ میں

ایک مکان خریدار اور یہاں کیسے ڈھونڈنے کا کارخانہ کھولا اس نے گورنمنٹ سے فورج کے کیڑوں کا ٹھیکہ لیا۔ اور اس طرح بیس عورتوں کو واسطے اس نے نوکری کی قلت کو دور کروایا۔ اس نے نہایت ہمت سے خود کو لٹڈن کی غریب عورتوں کی امداد اور تیار داری میں مصروف کیا۔ یہ ایک ایسے مقام پر تھی جہاں بجائے ایک خدمت کے دس ہزار خدمت کی ضرورت تھی مگر نہایت اور صادق عورت اس کام کو اختیار کرتی ہے جو اسکے قریب ہو۔ یہ روز تو اپنا وقت دوسروں کی خدایت میں صرف کر دیتی۔ اور فنی بحقیقت یہ شائستہ تھی۔ اس کا کچھ مہنا آؤ نہ تھک لیا اس کو خوشنودی عام کا بار پایا نہیں بعض کو جنہوں نے اسکے قدم پر قدم چلنے کی خواہش کی کہنا: "ڈاکٹر آرنالڈ کو کچھ نہ بھولو۔ میں اس کے سالہ کے آخری الفاظ ہر روز دہرایا کرتی ہوں۔" بھجھو کو خدا کی مرضی بچت کو نہ دو ورنہ یہ نہ ہو کہ میں اس امر کا مشتاق رہوں کہ بجائے میرے کوئی اور کو کہ اگر خداوند تعالیٰ کی مرضی اسے کرانے کی ہے۔"

نیک تھیل سے نیک فوائد ہی حاصل ہوتے ہیں۔ اور عورتیں بھی اسکے قدم پر قدم چلیں۔ ان میں ایک مسفلر نرس **سپیس** بھی تھی جس نے تیار داری ہی کی بلکہ دوسروں کو علمی تیار داری کی تعلیم بھی دی۔ نہایت سخت عجب ہے کہ کس طرح پہلے پہل نیک عملی کا شعلہ دل میں روشن ہو جاتا ہے۔ مسفلر نرس کے بارے میں اسکی طبیعت چچین میں اپنے بھائی کی موت سے بہت کچھ خوش ہوئی شیخ شخص گھائی کے بھائی پتال میں فوت ہوا تھا۔ اور اسکی بہن کو حبس خیال آیا کہ جہنمی آدمیوں نے اسکی خدمت کی تھی تو اسکے دل میں بھی دلولہ پیدا ہوا کہ جہنمی اسکے بھائی سے ایسا سلوک کیا تھا یہ بھی ان سے ایسا ہی سلوک کرے۔

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب یہ لڑکی تھی اس نے شپ آف ونچٹر کی صلاح لی مگر اس نے کہا کہ ابھی اپنی تعلیم کے باعث ایک کام کے لائق نہ تھی۔ جب تک تمہارا دل بکا نہ ہو جائے اور تمہارا رنج و الم فروغ نہ صبر کرو۔ مگر اسکے دل میں اتھال اور بہت بھری ہوئی تھی۔ اور میں ناٹنگھیل اس کے دل کی شجاع تھی۔ چنانچہ اس نے اسکا شو لیا۔ اور بہت ہی عمدہ نصیحت اور امداد دلائی۔ انجام کار تین سال بعد سینٹ ٹاماس اسپتال میں داخل ہوئی۔ اور وہ تیار داری کچھنا شروع کی۔ بعد ازاں کنگس کالج اسپتال میں گئی جہاں اسکو نہایت بیش قیمت تجربہ حاصل ہوا۔ اور اپنے علم تیار داری کی تکمیل کے واسطے اس نے کئی سال آئنڈر ڈنمارک۔ فرانز اور جرمنی میں بسر کیے۔ جرمنی کے شہر کمبرور تھے میں اس نے حسب تنوع علی تیار داری کھی اور یہاں اسکو کئی تحصیل کی ایک سند ملی۔ فرانز میں فرانز کے اسپتالوں کے ڈاکٹر جنرل کی مہربانی سے اسکو پیرس کے بڑے بڑے اسپتالوں میں کام کرانے کی اجازت مل گئی۔ یہ یہاں کھلاک توں کے تحت کام کرتی۔ اور گوان کے واسطے نہایت خیالات میں خلافت تھا مگر اس نے اس طرح ان کے ساتھ بیکمل ہر کوشش میں خاطر کام کیا کہ ان کو بہت اطمینان حاصل ہوا۔

یہ عورتیں جو مہربانی اسپر کرتی تھیں وہ الفاظ میں بیان نہیں سہوتی نسبت اس شخص کے جو ان کے خیالات نہ سہی۔ ملک اور طرز زندگی کے لحاظ سے غیر جو اسپر یہ بہنوں سے کسی قدر بڑھ کر شفقت کرتیں۔ علاوہ اس مشقی علم کے جو اسکو یہاں حاصل ہوا۔ اس نے ان سے مصائب میں بار آور فحشی و خرمی کا سبق پڑھا۔ آمید اور غمناک انداز کے قادر مطلق کی ذات میں اس کے ذہن نشین ہوا اسکو تعلیم ملی کہ اسوقت بھی جبکہ تمام زمانہ انسان کی مخالفت پر مگر یہ نہ ہو۔ اوئل میں یاس اور نا امید کی دخل جو نیگے۔ بکواسخی انت پاک پر اپنا تکیہ کرنا چاہیئے۔ یہاں اس نے یہ بھی سیکھا کہ ان لوگوں کیواسطے مریضوں کی تیمارداری اور خدمت نیکی کی بھری ہوئی شادمانی تھی جو اس کام میں صرف ہوتے تھے۔

مس تیس کو اپنی آخری اور نہایت بیش قیمت تعلیم جنرل لیویف فرانسیسی نرسنگ کی مہربانی سے ملی تھی۔ اس شخص کی بدولت فرانسیسی جنگی ہسپتال میں لاشوں کرنے کی جارت لگ گئی اور تعلیم میشل لیوی ڈاکٹر جنرل کی عنایت کے باعث ڈگنی مفید ثابت ہوئی۔ یہ ڈاکٹر جنرل قبول کھسے مس ٹائٹیل کا کریسیا میں ہمراہی تھا۔ اور سن ٹائٹیل کی بی بی اس نے مس تیس کی ان تعلیموں اور مشقوں تک دستبردار کی جو کسی فرانسیسی تیماردار عورت کو نصیب ہوتا مگر تھیں جو علی تعلیم اسکو انشیر میشل لیوی کی بدولت ملی وہ اسکو اپنے جیسے جی بھولی۔

ابھی یہ ایک عرصہ ملازمت تیمارداری کی شق ہمہ پہنچ کر انگلستان کو واپس آئی ہی تھی کہ فرانس اور جرمنی میں لڑائی چھڑ گئی۔ اخبارات ان خونخوار مقابلوں کے نتائج سے سیاہ ہوتے تھے۔ فلاح فوج اگے لگے تھا واکرے بڑھ جاتی تھی اور زخمی ہوتے کے بس میں چھوڑ دیے جاتے تھے۔ سینکڑوں ہزاروں کھلے میدان میں پڑے رہتے۔ نہ کوئی ان کی خبر لیتا نہ ان پر تیس لکھاتا۔ اس تیار دار کے دل میں ہمدردی اور ہوس کا شعلہ مشتعل ہو گیا۔ چنانچہ یہ فی انو جرمنی کو روانہ ہوئی۔ تین جرمن لیڈیاں اسکے ہمراہ تھیں مگر انہوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ یہ بلجیم سے ہو کر کلون پہنچی جہاں اس نے ریلوے اسٹیشن کے چوڑے پر زخمی سپاہیوں کے قطاروں کی قطاریں ڈکھیں۔ یہاں سے یہ کابلنٹر کو گئی۔ وہاں سے ٹروڈ کو اور پھر میسنر کو جہاں یہ قیام کرنے کو تھی۔ جب یہ آگے بڑھی تو سفر آگے نہایت سخت تھا۔ اور سپر طرہ یہ ہوا کہ اسکا سامان سفر جو یہ ہمراہ لائی تھی جاتا رہا۔ اور اب یہ تنہا رہ گئی۔

مارشل برین میسنر میں پناہ گزین ہوا تھا۔ اسکے ہمراہ فرانسیسیوں کی ایک فوج کثیف تھی اور پرنس ٹیڈک جرمنی اور برین فوج سے شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ مس تیس پرپس کی فوج کے عقب میں ایک ہسپتال میں تعینات ہوئی۔ یہ ایک غریبہ کے متعلق مکان تھا اور جیل کی طرح بھی پوری پوری آرام آسائش تھی۔

خود تیار کر کے ایک تھیلے میں بھر لیا تھا۔ اور علاوہ اسکے دو الگ الگ انداز حرکت کی قلمت تھی۔ یہی بیماری بیان پہ مقرر کی تھی۔ جو کہ زیادہ تر خند توں کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی۔ اس ہسپتال میں کل ۲۲ بڈنگ رخصتوں کیلئے تھے۔ اور یہ بھی ہمیشہ بھرے رہتے تھے۔

میدان جنگ کے ہسپتال میں جو تیار دار ہوتی ہے اسکے واسطے کچھ سہل کام نہیں ہوتا۔ جب پہلے پہل بخار سے متھے ہوئے رخصت آتے تھے تو ان کو نہانا اور صاف کرنا ہوتا تھا۔ جب رخصتوں سے آتے تو ان کے پتھر ایکٹھ اور غلامت میں بھرے ہوتے کہ دھونے سے پیشتر ان کو پوچھنے کی ضرورت پیش آتی کہ جب صاف دھو کر صاف کیے جاتے تو بڈنگ پر لگا کر ان کا علاج شروع ہوتا۔ ان کے موٹے دھونے کی ضرورت پڑتی۔ ان کی جسمانی صفائی کا خیال رکھنا پڑتا۔ باغیالی اور غنیمت میں خلعت کو روکنے کے واسطے ان کے سر سے بچانا پڑتے۔ ان کے تھکے پیر دھونے ہوتے۔ اور تشرکی غماش سے زخم کو دھو رکھنے کے واسطے بستروں کی تبدیلی کا خیال رکھنا پڑتا۔ اور پھر ان سب سے نہیں نہایت جانفشانی اور قریبی درکار تھی۔

بعض اوقات یہ لوگ نہایت خطرناک طور پر فاعل ہو جاتے۔ رستیس نے خود اپنی زانی اپنی کمانی میں سنائی ہے۔ ایک ایسی ہی ہسپتال میں تھا تھی۔ اس نے اوپر کی منزل میں کچھ شور مٹا۔ اس نے اوپر ہو چکا دیکھا کہ ایک سپاہی فاعل اور مضبوط الہوس واہ کھولنے کے لئے زور لگا رہا ہے۔ یہی زانی معلوم ہوا کہ اپنے گھر جانا چاہتا تھا۔ اس نے دوسرے رخصت اپنی دو بیلے بلایا اور اس کی تسلی کر کے کہ صبح گھر بھیجا جائیگا اسے اسکے بستر پر بچھ لایا۔ نیچے کی منزل میں ایک اور سپاہی مضبوط الہوس اپنے ایک ہمراہی کے تکیہ کے نیچے چاقو ڈھونڈ رہا تھا۔ رستیس نے فی الفور یہ چاقو ہیاں سے نکال لیا اور اسے کسی پوشیدہ جگہ چھپا دیا۔ اگرچہ ڈاکٹر آیا اس نے اس سے التجا کی کہ آئندہ یہ بات کو ہسپتال میں نہ تکرار رکھی جائے۔

رستیس نے اس ہسپتال میں کچھ عرصے تک کام کرتی رہی۔ بہت سے مرگئے بعض کو آرام ہو گیا اور گھر وں بھیجے گئے۔ اور کچھ اپنی اپنی نوکری پر گئے۔ آخر کار تیز ترین مطیع ہو گیا۔ اس کے قیدی جرمین کو روانہ کیے گئے اور ہنزہ کے لئے فوج کے ساتھ جرمین کے صحارے کے واسطے کوچ کیا۔ اب تیز میں رستیس کا کام ختم ہو چکا تھا۔ مگر ابھی اس کے خود اختیار کی کام کو اختتام نہوا۔ یہاں پر سوار کر کے امریکہ میں لے گئی۔ اور زخمی سپاہیوں کے ایک ہسپتال کا کام لے سہرہ ہوا۔ یہ ہسپتال شہزادی پرتیہا کے تحت تھا۔ یہاں سے بڑی مشکل جیسے غالب نا تھا۔ یہی کئی عرصہ طور پر ہوا۔ اسانی کا سامان کیا جائے۔ جرمین کے ڈاکٹر ہوا اور اسے متفرق جرمین میں لے کر بھیج دیا اور اس کی مدد کی میں ڈاکٹر لے اور اسے بند کرنے کا حکم دیتے چنانچہ انجام کار اس کے شہزادی کو روٹھ لگی اور پھر اسے ہوا۔ اسانی کا مناسب نظام کو نہ کیا سکرم گیا۔

میں تیس کی تاریخ بیان کرنا لاحال ہے۔ چوتھی سے واپس کر لینا کا اور ریاست ٹیٹے متحدہ کے سفر پر آمادہ ہوئی۔ تاکہ یہاں کے ہسپتالوں کا ملاحظہ کرے۔ یہ ارادہ اسکا ٹیٹے کے موسم بار میں پورا ہو گیا اور جو کچھ یہ چاہتی تھی اس نے پہلی فاکس۔ کیوبک۔ مانٹریل۔ ٹورونٹو۔ کلیولینڈ۔ نیویارک۔ بوسٹن۔ فلڈیللفیا۔ واشنگٹن میں دیکھا۔ حال میں میں تیس ہجرتی سفر کی مجلس تیار داری کی ڈاکٹر کٹرس مقرر ہوئی ہے۔ اور اب تک اپنے نیک کام پر مامور ہے۔

بہت سی عورتیں خواہ جوان خواہ ضعیف اپنے کو ایسے مومن میں قف کر دیتی ہیں۔ یہ شہروں اور قصبوں کے محلوں اور گلیوں میں جاتی ہیں۔ اور ان کی بدادرتیاداری کرتی ہیں جو بچارے قریب لگ جاتے ہیں۔ جبروت لینے برادرینی نوع کی نفرت انگیز اور کینیسی کی مصیبت میں انکی امداد کیلئے تھوڑا سا ہی ہیں۔ ان کے ہاتھ کو کوئی دھتورہ نہیں لگتا۔ کچھ ضرورت نہیں کہ ہم مسٹر واکر کا حال بیان کریں جس نے غریب اور مفلس لڑکیوں کی امداد کی اور جس کی لکھنویا بل۔ مسٹر واکر اس اور مسز رانڈیس وغیرہ کا تذکرہ کریں۔ یہ ضروری ہے کہ ہم ان کو درجہ شہریت سے ہمیں۔ اور اس امر کے مقرر ہوں کہ اب تک دنیا میں بے یار و مددگار معرکوش ایلم کے ماری ہوئے۔ غریب مفلس لوگ بے شمار ہیں۔ پھر سے ہیں جن کی کوئی معاونت نہیں کرتا۔

عام طرز زندگی میں بہت کچھ بہادری ہے جو کبھی معلوم نہیں ہوتی۔ شاید امیروں سے بڑھ کر غریبوں میں زیادہ بہادری ہے۔ کیونکہ آخر الذکر اپنے مہسایوں سے زیادہ ہمدردی رکھتے ہیں۔ ایک فقیر کا قول ہے کہ اسکو سب آدمیوں سے بڑھ کر غریبوں کی اڑکیاں زیادہ پیسے دیتی تھیں۔ اور اسلئے کہ یہ کہہ سکتی تھیں کہ غریبوں کی لباس میں ہر قابل ادب عزت ہے۔

مسٹر مینے کہتے ہیں کہ لوگ بہادری اور بہادری کی مادہ کی باتیں کرتے ہیں۔ اور دنیا میں آخر الذکر کے اظہار کیلئے اپنی ادب کی طرز زندگی میں بہت کچھ گنجائش ہے۔ اور بہت سے اول الذکر اشخاص دنیا میں آئے اور شریفانہ کام کئے۔ مگر لوگ ان سے انجان ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ شریفوں کے حالات زندگی ہمیشہ ہی نہیں لکھے گئے۔ شخص بڑے عظمت اور شجاعت گزرے ہیں جنہوں نے اپنے روزمرہ کے فرائض میں انوشانی کی مصیبت اٹھائی۔ قربان ہو گئے۔ اور اپنی ایمانت و داری برقرار رکھی۔ اور وہ جنہوں نے خداوند تعالیٰ کی خدمت کی۔ اپنے عزیز و اقارب کی معاونت کی۔ اور ترقی دی۔ اور جنہوں نے اس میں حالی صلیں دل۔ ریلری اور نیکی کی صفات کا اظہار کیا۔ جو کہ ہم مل بھی کر کسی شپ کسی خیر یا کسی جج کو عزت بخشی۔

حال میں ایک عورت مسکرل ریڈیٹر کا نام آتا ہے جو بھی سخی تھی۔ اپنی عملی زندگی کے دوران میں اس نے غربا کی بہتری کا بیڑہ اٹھایا۔ اس نے برکٹل میں ایک صلاھی مدرسہ کھولا اور اس کا اہتمام اپنے ہاتھ میں

لیا۔ اس سلسلہ کی کامیابی ننگ میں بہت کچھ ایک طور پر اہم ثابت ہوئی۔ اپنی اغراضی نیکی جتنی سے یہ سہا
ہو کر ان محکموں اور گروہوں میں جاتی جہاں پولیس والے کی بہت بھی شکل سے قدم مارنے کی جرأت کر سکتی۔ نہ
کسی امر نے اسے پیچھے ہٹایا اور نہ کوئی چیز اسے متفرق بنا سکی۔ اس نے جگہ جگہ سے اپنے مدرسوں کو واسطے
بچے حاصل کیے۔ اور اصل اس نے جان باور ڈکے ہٹا کر کام کیا۔ اس کی تمام ہوشیہ صرف رہتی۔ اور یہ اپنا
اغراضی مضمون ہمیشہ عوام الناس کے سامنے بلاناغہ پیش کرتی رہی۔ آخر کار اس کو ایک بڑی بھاری فتح
حاصل ہوئی کیونکہ گورنمنٹ نے اس کی تجویز اختیار کی۔ اور صلاحی اور صنعت و معرفت کے مدرسے قائم ہوئے
جن سے غریب کو بہت کچھ نفع پہونچا۔ انگلستان کی بحری اور بری فوج میں اور صنعت و معرفت کے کاغذات
میں ہزاروں اشخاص میں جن کے واسطے سس کارپنٹری کے نام کو دعائیں سنا سب سے بڑھ کر نے اس کی حیثیت
کارروائیوں کو نہ دیا۔ ۹۰ سال کی عمر میں یہ ہندوستان میں پہونچی تاکہ مشرقی دنیا میں اپنے طریق تعلیم کی
تعمیر فرمائی کرے۔ یہ کل چار ہجرت ہندوستان میں آئی۔ اس کی آخری مدت ۱۸۷۸ء میں تھی۔ جب اس کی عمر قریباً
۷۰ سال کی تھی۔ اپنی مشقت کے اُن ثمروں کو دیکھنے کو واسطے زندہ ہی جو ہر اطراف میں پیدا ہوئے یعنی
مردوزن کی اس نسل میں جن بغیر اسکے ہدی اور گنا کے حصہ میں پڑی رہتی لایسی عورتوں اور اُن کی لایسی
خود انکاری کی مشقتوں کو بھجرا سکے ہم اُن کو کیا خیال کر سکتے ہیں کہ نسل انسان کی توفیر اور اُمید کی ہی
جزو اعظم ہیں؟

مردم مستشرقین نے اپنی نیکی کاری کو واسطے یہاں میدان اختیار کیا جس نے خود کو اُن نوجوان
عورتوں کی مدد میں وقف کر دیا جو تارک الوطن ہوتی تھیں۔ اور یہ اُن کی جیب تک خبر گیر رہتی جیب تک ان کو دینا
مناسب بندوبست نہ ہو جاتا۔ جب یہ ایک کثیر التعداد تارک الوطنوں کی جماعت کے ساتھ ساؤتھمپٹن
سے روانہ ہونے لگتی۔ یہاں اس کا خاوند ایک ضیافت میں مصروف ہو گئے۔ جہاں اس نے اس طریق کا حال
بیان کیا جس سے اس کو اپنی مشقت کی تحریک ہوئی تھی۔ اس نے بیان کیا: یہ زندگی کا خیال چھوٹا کیا لیا
کلہ ہے کہ اگر یہ جوبلی ملے ختام کو پہونچایا جائے تو بہشت کی ناممکن البیان مسرتوں تک لیا جاتا ہے۔ یہ میں نے
ایک رچمانڈ کے زونپر بٹھکر سیکھا تھا جب میں بیچ رہی تھی۔ اور مجھ کو خود یاد ہے کہ اسکے بعد اُن نام
مظنی میں تین افرادوں کے چھلکوں کو کشتہ یوں کے طور پر کھیل میں مسند میں بٹھانے لگی۔ اپنے خاندان کا
ایک ایک آدمی فرما اُن پر چٹلاتی تاکہ مسند رکے گنا سے دوسرے ملک میں جا کر یہ باہر ملیں۔ یہ بھی مجھ کو
اچھی طرح یاد ہے کہ ایک ریتیں نے اسی طرح اپنی کھیل میں ایک رومر کے خٹک اور ایک ویٹلیں پوری
دونوں کو لڑکھائی میں بٹھا کر روانہ کیا تھا۔ اس قسم کے خیالات میرے اُل میں اُس جہ سے پیدا ہوئے ہونگے

میرنی اللہ مجھ کو اس کرے میں ٹھیکالتی میں سہاٹے جمع ہوتے بعض ان میں سیل جھوٹے اور بعض بڑے بڑے پر خیال آدمی جو اکثر مشنوں کا ذکر کرتے کیونکہ اس وقت عوام الناس کی زبان پر یہی ذکر پھیلا ہوا تھا۔ جتدر میری عمر بڑھتی گئی یہ خیالات میرے ذہن نشین ہوتے گئے۔ یہی میری خوش نصیبی تھی کہ والدہ ایک ایسی چھکولی تھی کہ جو کچھ میرے دل میں کی قوت ہے وہ اسی کی بدولت ہے۔ کیونکہ بار بار مجھ کو میرے سکہ سنایا کرتی کہ نہ تو کبھی کوئی آنسو بہاؤ اور نہ اپنے دعا سے کسی قسم کا خوف کھا کر پھر جاؤ۔

جب یہ سن بلوغ کو پہنچی یہ ہندوستان کی فوج کے ایک فرسے گردیدہ ہو گئی۔ مگر اسکے ساتھ نسبت ہونے سے پہلے اس نے اس سے کہدیا کہ خدا کی طرف سے اسکو ایک نہایت بڑی چیز ملے گی کہ یہ اپنے تمام قومی کو انسانی مصائب کے دور کرنے میں وقف کر دے جبکہ بھی اسکے خاوند کو باہر نوکری پر جانا پڑے۔ اس کا خاوند زیادہ تر اکیلی بے داغ صاف ٹاٹنی کے باعث اسپر شیدا تھا۔ چنانچہ جو اس نے کہا اس نے مان لیا اور بعد بہت جلد ان نو صینیوں کی شادی ہو گئی۔ اسکا خاوند نہایت دفا داری سے شادی کی شرائط پر تہمت لگا رہا۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے اسے اسکے کام میں مدد بھی دی۔ اب وقت آئی گیا جب ان مارکال لوٹوں کی کیلئے سامان مہیا کرنے کی ضرورت پیش آئی جو شہداء میں روانہ ہوئے۔ اور کپتان چشمو طم خور اپنے خراج سے ٹھہریا کو جہان پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ جانے سے پیشتر انھوں نے اپنے قلیل سرمایہ کو باہم نصف تقسیم کیا اور ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

اس کے بعد ستر چتر گولم ہندوستان پہنچی۔ جہاں اس نے وہ مدد فراہم کیا جہیں یورپین سپاہیوں کی لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں اور جو کہ اب تک موجود ہے۔ شہداء میں یہ اور اسکا خاوند دونوں تبدیل آب و ہوا کیلئے آسٹریلیا کو روانہ ہوئے۔

یہ کہتی ہے۔ یہاں میں نے کئی تونا کھذا عورتیں بے روزگار اور جن کا کوئی خبر نہ تھا اور ان سے بڑھ کر اور بھی جہازوں میں آتی ہوئی دیکھیں۔ اور قریباً سب کی سب کو جیسا کہ لازمی نتیجہ تھا باخلاقی کی حیات بسر کرنا کا شکار ہوتے دیکھا میں نے ان عیالوں کی حفاظت کا کام اختیار کیا اور ان کیلئے خدمتگاری کی نوکری کی جستجو میں مصروف ہوئی۔ سب طرف سے مجھ کو مایوسی کا سامنا ہوا۔ مگر میں مستقل رہی اور اپنی جستجو میں کامیاب ہوئی۔ انجام کار گورنر نے مجھ کو مارکال لوٹوں کی مارکوں میں لڑکیوں کے ساتھ ایک ہی کمرے میں رہنے کی اجازت دیدی۔ فی حقیقت جیسا کہ مجھ کو یہاں پہنچنے پر معلوم ہوا یہ جوہل سے بھر ا ہوا تھا۔ مگر میں نے ان کو نہ ہر دیا اور اپنے کام میں مصروف ہوئی۔ اور اس طرح پیتس لڑکیوں پر ناتی رعب داب جانے کے قابل ہو گئی۔ پیتس نے ایک نالیج ان کی تعلیم کیلئے فراہم کیا تاکہ ان میں ان کو نوکری

ملے۔ اور کئی سو لڑکیوں کو اچھے عمدوں پر مامور کرادیا۔ اس مدعا کی سرانجام میں مجھ کو آخر کار معلوم ہوا کہ
 نبش میں نہ کسی حامل لڑکی واسطے مجھ کو کثیر التعداد لڑکیاں درکار تھیں۔ اور میرے واسطے ان کے ہمراہ
 جانا ضروری تھا۔ چنانچہ چند سال تک میں ہی کرتی رہی۔ کبھی تو... اکی جماعت ہو جاتی کبھی ۵۰ لڑکیاں
 بہت برسوں تک میں اس طریقہ میں کام کرتی رہی میں نے مارک لوطنوں کی آمد کی واسطے بہت سارے
 صرف کیا۔ مگر ایسی ہیانت داری سے مجھ کو اس بچے کا عوض ملا کہ اس تمام اشنا میں کبھی مجھ کو ۲۰ نوڈی
 بڑھکر نقصان ہوا۔ اور خداوند کریم کے فضل و کرم سے میں ان کے واسطے نوڈی کا وسیلہ بنی۔ یعنی مجھ
 واسطہ ایک زار عورتیں مجھ کو میرے رخصت ہونے سے پہلے ملیں۔ جن میں بہت سی نوجوان عورتیں
 یہی تھیں جو دنیا می کے غار میں گرنے سے بچ گئیں میں ہرگز اس گمبوشی کو نہ بھولوں گی جن کی میری
 آمد پر اظہار کیا گیا۔ اور اس سرت کو جو میرے شوہر اور میرے بچوں کی زندگی پر ظاہر کی گئی اور وہ
 بچے جن کو میں نے اس مسئلہ پر پیش کیا کہ خود پر اعتماد کرو اور خود اپنے واسطے شقت کرو۔ اور جن کو
 میں نے بیکھلا یا کہ اگر ان کو اپنی والدہ کی یادگار کا کچھ خیال ہے تو نہ کبھی گورنٹ کی سرپرستی چاہیں اور
 نہ اسکی تنخواہ لیں۔

بعض کا خیال ہو سکتا ہے کہ یہ بہادری کی سچی مثالیں نہیں ہیں۔ ہم ائمہ مردوں اور عورتوں کی مثالیں
 پیش کرتے ہیں۔ بہمنوں نے اپنی کوسند میں جہاز کے تباہ شدہ سپاہیوں کی جانیں بچانے میں وقف
 کر دیا۔ چنانچہ مغربی آسٹریلیا کی ایک حکایت ہے جس میں ایک نوجوان شریف عورت سملی گریس
 ورنن لیل کے بہادرانہ کاموں کا ذکر ہے۔ جیوریٹ نامی آگاہ پر تھ کے قریب ریت میں قتل
 کے پاس پیش گیا۔ ایک کشتی تیار کیا گئی جس پر عورتیں اور بچے سوار کیے گئے۔ مگر عورتوں نے سکوتہ دیا اور کہا
 جس قدر بچا ہے ہم سوار تھے سب اپنی میں قہر بار ہے تھے۔ کشتی کو چلے جاتے تھے۔ اور ان کی جانیں
 اس وقت نہایت سخت خطر سے تھیں کہ اچانک ایک اونچے چٹان پر ایک نوجوان عورت گھوٹ پے
 سوار نظر آئی۔

اس کا پہلا خیال یہ تھا کہ کسطرح ان ڈوبے بچوں اور عورتوں کو بچائے۔ اس نے گھوٹے کو چٹان کے
 نیچے سر پٹ ڈال دیا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کس طرح اس کو دلدل میں لگیٹی اور موجوں کی دوسری طرف
 جا کر کشتی کے پاس جا پہنچی۔ اور بچوں اور عورتوں کو کنارے پر لائے میں کا سیاب ہوئی۔ مگر ایک آدمی
 اب بھی باقی رہ گیا چنانچہ دوبارہ سمندر میں گھسی اور اسکی بھی جان بچائی۔ دلدل اس قدر تھی کہ شہنشاہوں کے
 آثار نے میں ہم گھنٹے صرف ہو گئے۔ ان شخصوں کا کہنا ہے کہ پہنچنا تھا کہ یہ بہادر عورت سمندر کے گھنٹوں

لنٹھڑی ہوئی اور تھکن سے نیم بیہوش اپنے مکان کو دوڑی جو کہ سہیل کے قاصد پر تھا۔ تاکہ ان جانبر لوگوں کیلئے امداد اور کسانیش روانہ کرے جو ساحل بحر پر تھے۔ اب کلام اسکی ہمیشہ نے اختیار کیا۔ جنگل میں ہر سال پر وائیں لگتی۔ اور اپنے ہمراہ چاسے۔ دودھ۔ شکر اور ڈالائی۔ دوسرے روز جو جانبر ہوئے تھے وہ اسکے مکان پر لائے گئے۔ اور جب مکان کی بخوبی خبر گیری کی رہی جب تک ان کو استعداد آرام نہ ہوئی کہ یہ اپنی اپنی منزل مقصود کو روانہ ہونے کے قابل ہو گئے۔ ہر کو یہ بیان کرتے ہوئے کہ سوچ آتا ہے کہ مرستہ کبرکس اسکی ہمیشہ کو اپنی کوششوں میں کام ہو گیا۔ اور داعی بخار سے یہ لکنت کم کو سدھاری ہے۔

سٹیشن میں اس جوان عورت کا چلن بھی کم دیر اندہ نہیں جو اس وقت میں چند ماہی گیروں کی جانیں بچانے سمندر پر لگی جب کسی کی بجز اسکے ہمت نہ پڑی یعنی اسٹ کے دور و دراز جزیرے میں ایک نہایت سخت طوفان برپا ہوا۔ اور یہ وقت تھا جب یہاں کیے شندوں کا ماہی گیری کا بیوجو اگلا سب سے بڑھکر روزی کا وسیلہ تھا سمندر میں تھا۔ ایک ایک کر کے کشتیاں صبح و سال کو اس سے پہنچ گئیں۔ مگر ایک کشتی ابھی دوڑتی اور ساحل بحر پر جو لوگ تھے ان کی بانی معلوم ہوا کہ یہ بہت مصیبت میں مصیبت ہوئی تھی۔ ایک گئی اور ملاح پانی میں تھکے تیرا تے ہوئے دکھائی دیے۔ اسیم ایک ڈبلی پتلی لڑکی مسمی مہلین پھیری لگے بڑھی اور اس امر کی تحریک کی کہ غواہ کچھ ہو جان مار کر ان کے بچانے کی کوشش کی جائے۔ لوگوں نے کہا کہ جو لوگ ایسے طوفان میں سمندر میں جانا چاہتے تھے ان کی موت یقینی تھی +

مگر کچھ بھی نہیں پڑی بہادری سے موت کا سامنا کرنے کو تیار تھی۔ چنانچہ ایک کم میں یہ ایک چھوٹی کشتی میں سوار ہوئی۔ اسکی بھانج اسکی شریک ہوئی اور اس کا والد جو ایک تھکا کٹھا پتھر پر بیٹھا۔ ماہی گیری کی کشتی کے دو ملاح رہتا۔ نظر سے غائب ہو گئے تھے۔ مگر دوبائی تھے جو اپنی اشی ہوئی کشتی کی تہ کو پکڑے ہوئے تھے۔ اور یہی ملاح تھے جن کے بچانے کو یہ عورتیں روانہ ہوئی تھیں۔ بہت کچھ سچی و کوشش کے بعد آخر کار یہ کشتی تک پہنچنے میں کامیاب ہوئیں۔ مگر کشتی کے پاس پہنچنے ہی تھیں کہ ایک ملاح بگیا اور یقیناً یہ دوب جانا اگر سہلن اسکا بولوں سے پکار کشتی میں کھینچ لیتی۔ دوسرا ملاح بھی بگیا اور یہ ساحل بحر پر صبح و سال پہنچ گئے۔ مہلین پھیری اچھیں بطور قدم نگار کے اپنا پیٹ پالتی رہی۔ اور ابھی اگلے دن جب اسکا انتقال ہوا اس وقت لوگوں کو اسکی مرگشت معلوم ہوئی۔ یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں ایسے تھا پیش آسکتے ہیں شجاع عورتوں کا کمزور ہونا ضروری ہے +

اور پھر گیس و رائنگ! لائیکس کیسٹ کے مینار روشنی کی اس شجاع عورت کو کوئی موش

کر سکتا ہے، تاہم برٹش کے شمال مشرقی ساحل پر ویران جزائر قرن واقع ہیں۔ اور تمام سنگ موسیٰ کے سخت چٹیل سیاہ اور ویران مجموعہ ہیں جن کے سراسر خطرناک جزائر موجود ہیں۔ بحر ان بحری پرندوں کے جو ان چٹانوں کے گرد چلاتے پھرتے ہیں یہاں کوئی باشندہ نہیں ہے۔ مگر اس سے آگے ایک نفاذ یعنی لائکس گیس کے چٹان پر ایک روشنی کا مینار ان جہازوں کی خبر داری کو ایسے تعمیر ہوا ہے جو انگلستان اور ککٹ لند کے درمیان سے گزرتے ہیں۔ ایک بڑھا اسکی ضمیمہ عورت اور ایک لوجوان عورت ان کی بیٹی تیرہ برسہ عمر میں ایک فانی رات کو اس روشنی کے مینار کے محافظ تھے۔

فارغ شاز نامی بگروٹ اہل سے ڈنڈی کو جا رہا تھا۔ جہاز کی حالت خراب تھی۔ اسکے پانی کے چٹن ایسے ناقص تھے کہ اہل سے تھوڑی ہی دور چلکر آگ بجھنا نا پڑی۔ مگر پھر سچی یہ چلا گیا یہاں تک کہ سٹنٹ ایس میں کو بہرہ نچ گیا۔ کرتے میں ایک سخت طوفان نے اسکو چھپے ہٹا دیا۔ یہ ہوا کے رخ پر تمام رات سطح سمندر پر پھرتا رہا۔ یہاں تک کہ اگلے صبح اسکو ہاکس کی چٹانوں سے نہایت سخت ٹھوکرا لگی۔ آگروٹ کی پشت ٹوٹ گئی۔ اور اسکے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ۹ مسافر ایک کشتی پر جھپٹ کر اس نے میں ہو کر پلے جبکہ بحر یہاں سے کوئی آؤنگا سن تھا۔ ان کو سمندر سے لوگوں نے نکالا اور شیلڈس میں لیگئے بہت سے مسافر اور ملازمان جہاز سمندر میں بہ گئے اور غرقاب ہو گئے۔ جہاز کا انگلستان سمندر میں چٹان سے چٹا رہا۔ اسپرٹ شخص سارے جوہر کیلئے چلا رہے تھے۔

روشنی کا مینار یہاں سے دھکیل تھا گر ٹیڈل کے کان کے کسان کی تجویس پر پچیس بلووم آؤنگا کے تحت روشنی گل کی جاتی تھی اور یہ غری پر ہٹا۔ گریس اسے تعینات تھی۔ گو کھڑا سوت چھائی ہوئی تھی اور سمندر آب تک موجزن تھا۔ اس نے ان مسافروں کو جہاز کے اگلے حصے پر اس گل کے ساتھ چھپے ہوئے دیکھا جس سے بار جہاز پر کھینچا جاتا تھا۔ اس نے اپنے والد سے التجا کی کہ یہ کشتی سمندر میں چھوڑ دے اور ان کو دیتے ہوئے لوگوں کی جان بچائے۔ ولیم ڈارلنگ (اسکا والد) نے کہا کہ یہ حرکت یقینی موت تھی۔ مگر پھر بھی اس نے کشتی سمندر میں چھوڑ دی اور گریس ڈارلنگ سے پہلے اسپرٹ ہوا ہوئی۔ اسکا ضمیمہ لائکس گیس کے کچھ کشتی پر پہنچا۔ خطرہ کا تو نام ہی نہ ہو سچا ڈارلنگ کے قتل کے موقعے پر سیدھے مگر ذرا بعد میں اس عورت کے لڑکے کو پتہ دی تھی ویسی ہی اسکے بازو کو تھوپت، دی۔ اور خوف و ہراس میں یہ دونوں گناہ سے بچ گئے۔

اسکا والد نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے انکار چٹان پر اترنے میں کامیاب ہوا یہ اس شکر سے جہاز پر پہنچا۔ اور گریس لہروں پر اوجھڑا گشتہ تھے پھرتی تھی تاکہ بار بار لڑکے کو ٹھٹھکے ہو جائے۔

کیے بعد دیگرے یہ نو شخص کشتی پر بچھا کر مینار روشنی پر لائے گئے۔ تین تین تک یہاں رہے جب تک کہ طوفان کم نہ ہوا اور ساحل بحر پر بچاؤ کے قابل نہ ہوئے۔

اس یاد دہانہ کام سے تمام قوم میں جوش پیدا ہو گیا۔ لانتھا تھنے گریٹ ارنلنگ کو بھیجے گئے مرسور بڑی بڑی مسافیتیں طے کر کے اہلی شہر آتا رہے۔ ورو سور تھ شاعر نے اسپر ایک قصیدہ لکھا۔ اسکو ایک شہر کے واسطے بیس نو ٹروئے گئے تاکہ ادینی کے تماشہ گاہ میں ایک جہاز کی تباہی کے موقع پر یہ جہازیں بیٹھے مگر اس نے اپنی بحری چٹان کو نہ چھوڑا۔ اور کیوں اسکو چھوڑتی؟ ایسی ملکہ کے واسطے اس سے بڑھ کر کسی اور موزوں اور مناسب جگہ ہو سکتی تھی؟ ایک شخص جن نے اس سے ملاقات کی ہی اسکی بے داغ صدا کی سطح میں آداب اطوار۔ اور بے لگاؤ نیکی کا معترف ہے۔

اس مذکورہ الصدر واقع کے ۳ سال بعد دق کی علامتیں نمایاں ہوئیں۔ اور چند ماہ میں کیرام سے خوشی سے اور دینداری سے دم کو جھڑی۔ اپنے منے سے کچھ عرصہ قبل قبول مٹھ فلیپس اسکی ایک بھینس نے اس سے اور ادا ملاقات کی اور نکسر لباس میں اسکے پاس آکر اسکے آخری سفر پر اسے خدا حافظ کہا۔ یہ عزت و جبریں آثار تھمیر لٹھ تھی۔ اور اس کا نام اسکی اہل شہر آئینہ اور مناسب الوداعی تحفہ زیادہ چمکیگا۔ جون آف آکر اسکی یاد گاہ ہے کچھ مضائقہ نہیں اگر گریس آف تار تھمیر با کی کوئی نہیں۔ مگر اسکی کارروائی نامہ اعمال میں درج ہو چکی۔

رہیگو جھرنک محفوظ بے شک آسمانوں پر

فشتوں کے لیے اس سے نہیں کی نشان بڑھکر

ہمیشہ تاکہ ہو اس پر نزول رحمت اکبر

تار تھمیر لٹھ کے ساحل بحر پر جزائر قرن کے قریب مقابل قلعہ جہاں ایک بلند شہر چٹان پر واقع ہے۔ زمانہ قدیم میں ایل سکاٹ لٹھ کے حلوں کے مقابلے میں بڑی جاسے پناہ تھا اور نیز انکا ستان کی غارتگیوں میں رہنمائی شہر و قلعہ تھا۔ حال میں یہ کستہ بہازوں کے بحری سپاہیوں کی واسطے لارڈ وکر پور ڈیم کے لٹھ اور آریج ٹو بکین شہر اپ کے دریچے سے جاسے پناہ بنا ہے۔ لارڈ وکر کی اس قلعہ کی شہر فیا پسندیدگی سے ملک میں تمام شے کے طور کی نفع رسانی سے بڑھ کر فائدہ حاصل ہوا ہے۔ سال بحر کے قریب اکثر جہاز ٹوٹتے ہیں۔ اور مصیبت زدوں کو قبرس کی حتی الوسع مدد ملتی ہے۔ ۳ بحری سپاہیوں کی واسطے کرے یہاں موجود ہیں طوفانی شب کو برابر ساحل بحر پر آٹھ میل تک شب گشت کیجاتی ہے۔ اور اگر کوئی جہاز خطر میں نظر آتا ہے۔ فی الفور لائٹ بوٹ روانہ کیا جاتا ہے۔ جب کہ ہوتا ہے کشتیوں کو خبردار کر کے اسے

گھٹے جیسے جاتے ہیں۔ جب کہ فی ہزار مصیبت میں کھلائی مینا ہے۔ ایک پٹائی جاتی ہے۔ اور اگر جان
ریت میں بہن طے یا چٹان پر ٹکرا کر ٹوٹ جائے تو دوسری پٹائی جاتی ہے۔ اسی کو ایک بڑا جھنڈا کہتے
کیا جاتا ہے تاکہ مصیبت زدوں کو معلوم ہو کہ اس معاملہ پر ان کی مصائب کی خبر ہو گئی ہے۔ یہاں پہلی
آٹکٹ کے باہی گیروں کی ٹانگہ دہی کیسے بھی نشانیاں ہیں تاکہ یہ سوت خزیروں سے رہا نہ ہوں جب
کوئی کشتی کنارے سے چاکر لہروں پر سے نہ گزر سکے۔ اس قلعہ سے ہر طرح کی امداد ان کو جو خواہ خشکی پر
ہوں خواہ تری پر دیا جاتی ہے۔

ولیم ہاوس کا قول ہے۔ اس طرح ایک زبردست محافظ فرشتے کی طرح یہ عورت قلعہ کھڑا ہے
جو کہ طوفانی اور خطرناک سمندروں پر نگہبان ہے۔ اور یہ رضائے خدا کے مطابق سخاوت ایک زندہ مثال
ہے کہ انسان کو دنیا کو چھوڑ جائے مگر کیا مفید فائدات اور کیا کام اس کو ارض پر کر سکتا ہے جب کوئی
شخص اس سچی پاکیزہ سخاوت کے کچھ فائدے سے مرافا نہ ہو چکا ہو۔ اور وہ عورت جو اپنی شکل اور عمل
دونوں میں نفع رساں اور سودمند ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنے بھری اندر بہت سی نعمتوں کو الگ الگ سے طاق
رکھ کر لاڈ کرے کہ یا دگار کو دکھائے خیر سے جیسا کہ خیر اور انیسویں نے مفاسد کے غم میں اور آدھی
رات کی تاریکی میں لایا کیا ہے۔ اور جب ہم اسے گویں لیٹا دیکھیں گے اس وقت بھی ایسا ہی کریں گے۔

باب دہم

بہار دی

”سر بہتہ بہار دی۔ چاند کی زنجیر اور ریشم کی گرہ۔ دل سے دل کو اور بڑے سے جگر کو روح و روان
میں سسل کرتی ہے۔“ (سکات)

”میں تو صرف ایک ایسا دل چاہتا ہوں اور اس کا طالب ہوں جو دانشمندی سے میری
نگاہداشت کرے۔ اور میرا ہر طرح ہمدرد ہے۔“

”انسان انسان کو عزیز ہے۔ غریب سے غریب اور بیکس سے بیکس بھی اس مکان آور اور پرمصائب
زندگی میں دل سے خواہشمند ہیں کہ کوئی ہمارا ہمدرد اور نگاہداشت کرے۔ اگر جگر ضرورت ہو تو ہمارا
مشرک ہو اور عکساری کا حق ادا کرے۔“

ہمدردی زندگی کے بڑے بڑے اسرار میں سے ایک ہے۔ یہ بدی پر غالب آتی ہے اور نیکی کو تقویت دیتی ہے۔ یہ مزارحت کو لاچار کر دیتی ہے۔ منگدل سے سنگدل کو موم کر دیتی ہے۔ اور فطرتِ انسانی کا عمدہ ترین حصہ مکمل کرتی ہے۔ ایک دوسری محبت کرو "ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے کرنا یا از سر نو عمدہ کر سکتی ہے۔ سنٹ جان کا ذکر ہے کہ جب یہ بہت ضعیف تھا اور ایسا ضعیف کہ نہ اپنے پاؤں میں کتا تھا اور نہ چھٹی طرح بل سکتا۔ اسکے دوست اسکو اٹھا کر ایک عیسائی لڑکوں کی مجلس میں لے گئے۔ یہ اٹھا اور کہنے لگا "بچہ۔ ایک دوسرے سے محبت کرو" اس نے پھر کہا: "ایک دوسرے سے محبت کرو" جب اس سے پوچھا گیا: "آپ کچھ اور نہ کہیں گے؟" اس نے جواب دیا: "نہیں یہی مکر سے زبردست ہوں کیونکہ اگر تم اس پر عمل کرو گے کسی اور چیز کی تکوین درست نہ ہوگی"۔

اسی صداقت کی نامائیز یافت ہوتی ہے۔ ہمدردی کی بنیاد پر ہے۔ اور بے غرضی اور الفت کے واسطے صرف ایک دورِ لفظ ہے۔ ہم دوسرے شخص کے اُن کی حالت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہم اپنے آپ سے نکلتے ہیں اور دوسرے کے ہم میں پیش اختیار کرتے ہیں۔ ہم اس سے ہمدردی کرتے ہیں۔ اس کی مدد کرتے ہیں اور اسے سبکدوش کرتے ہیں۔ محبت بغیر ہمدردی کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ رحم کی طرح ہمدردی اور سخاوت ہو گئی برکت حاصل ہو سکتی ہے۔ جو کہ اس کے واسطے اور نیز جس سے کیجائے اُس کے واسطے۔ اور جو ہمدردی اور سخاوت کرے اُس کے دل میں خوشی مسرت کے بکثرت یہ فرماتی ہے۔ اور اُدھر جس سے کیجائے اُس کے دل میں جہاں ملی اور سخاوت کو روئیدگی بخشی ہے۔

کائنات میں قرار کا بیان ہے۔ ہم اکثر اپنی محنتوں سے بڑھ کر اپنی ہمدردی سے زیادہ نیکی کرتے ہیں اور دنیا کی ایک زیادہ بات بات اور پائدار خدمت کرتے ہیں۔ حسد اور انتہا ز استعداد کی عدم موجودگی سے نہ بہت اس کے کہ ہم ذاتی حرص کی کشمکش جلد و جلد سے کر سکتے ممکن ہے کہ کشتی جس کے ہاتھ سے عمدہ۔ رعنا باب دولت اور غیر تندرستی نکل پڑے۔ اور تاہم وہ آرام اور آسائش سے قناعت کر کے رہ سکتا ہے۔ مگر یہاں ایک ایسی چیز ہے جسکے بغیر زندگی ایک بوجھ ہو جاتی ہے اور وہ چیز انسانی ہمدردی ہے۔

اس میں تو کام نہیں کہ حقیقتہً کار گزار ہیں کی ہمیشہ تنگ گزاری نہیں نیچائی۔ مگر ہمدردی معاہدوں کو اس سے کبھی ایسے ہو کر کہ نہ ہارنی چاہیے۔ ہمدردی زندگی کے ساتھ حرکت کے میں یہ مشکلات کا ایک مہل ہے جسے طے کرنا چاہیے۔ اِدُن سے اِدُن سے اِدُن سے اِدُن سے کتنے بھی باہمی عاقبت کے قابل ہے جو کام نئی نوب پر آتا ہے کی فرض ہے۔ جیسا کہ غلبہ حق نے بالکل سچ اور درست کہا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر شخص کی خوشی اس قدر عام انسانی خوشی کا ایک پورا پورا حصہ ہے جیسا کہ یہ عمدہ سے عمدہ اور شریف سے شریف انسان کا ہے۔

اور پھر کوئی شخص کبھی دوسروں کے حق میں نیک یا بد نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خود اپنے حق میں نیک یا بد نہ ہوئے +

نسل انسانی کی مشققتوں کے بیدار کرنے کے واسطے کوئی رعب ایسا زبردست نہیں پایا کہ ہمدردی ہے شاذ و نادر ہی اور وہ بھی نہایت ہی کم ہے اور غریب و غلط شخص میں جن کو یہ مؤثر نہیں کرتی۔ یہ طاقت ہے بڑھکر کام کرتی ہے۔ ایک شفیقانہ لفظ یا مہربانی کی نظر ان پر بہت کچھ کارگر ہوگی جن پر جبر کی بنیاد پر آزادانہ کی گئی ہے۔ ہمدردی تو محبت اور متابعت کی طرف دعوت کرتی ہے۔ اور جبر مخالفت اور مخالفت کو جو جس میں لانا ہے۔ وہ شاعر سچا ہے جو یہ کہتا ہے ”حلم سے خود طاقت میں نصف بھی قوت نہیں“ +

ہمدردی کو اگر زیادہ وسعت دیا جائے تو یہ عام بھیجی انسان کی اعلیٰ شکل اختیار کرتی ہے۔ یہ انسان مؤثر کرتی ہے کہ وہ اپنے ہم خلقوں اور مصیبت کی حالت سے ٹکرائے میں کوشاں ہو ورنہ ان کی حالت کو ترقی دے۔ جن جن میں شایستگی اور تہذیب کے تیار ہو جو بی رونق کرے۔ اور بنی آدم کی پھوڑ مہر کی مانند کے اخوت اور امن کے تعلقات کو پوسہ کرے۔ اور یہ فرض ہے اس شخص کا جو مقابلہ دوسروں سے۔ خوش نصیب ہے۔ جو دولت کا عالم کا یا رعب معاشرت کا غلط اُٹھاتا ہے جس سے کہ دوسرے محروم ہیں کہ وہ اپنی دولت اور وقت کا کچھ حصہ اپنی خواہی امر کی ترقی میں وقف کر دے +

جو چیز ضروری ہے وہ ترقی کی بہت کچھ طاقت ہے اور نہ دماغ کی۔ روپے کی طاقت کا حد سے بڑھکر اندازہ کیا گیا ہے۔ پلو لوں اور اس کے شاگردوں نے آجھی رد میں دنیا میں عیسائیت پھیلائی۔ اور روپے کے پاس شادی ہی کچھ اس سے بڑھکر ہو جو کسی بائکے اور رنگیلے بازار میں گداگری سے مل سکتا ہے عیسائیت کے وہ بڑے مسائل جو معاشرت کے متعلق ہیں اخوت کے خیال پر مبنی ہیں۔ دوسروں کے ساتھ بھی وہی سلوک کر دھیا کہ تم چاہتے ہو وہ تمہارے ساتھ کریں۔ ایک کو دوسرے کی مدد کرنے کا حکم ہے۔ زبردست کو کمزور کی۔ امیر کو غریب کی۔ عالم کو جاہل کی۔ اور اس کے عکس ترتیب سے ان کو حکم ہے جن کے پاس کچھ نہیں کہ وہ ان کی امداد کریں جن کے واسطے بہت کچھ ہے۔ یہ کچھ اعلیٰ درجہ کی قوم پر منحصر ہے۔ کیونکہ تو شاگرد اپنے استاد بناتے ہیں۔ اور نہ جاہل اور لاچار ان کو جو ان کی معاونت کرنے اور تعلیم دینے کو ہوتے ہیں +

انسان اپنی زندگی کو بھیا چاہے بنا سکتا ہے۔ یہ سکو یا اپنی شین قیمت بنا سکتا ہے اپنے واسطے اور اوروں کے واسطے جیسی کہ اسکو طاقت عطا کی گئی ہے۔ جب سبب اس کے مخالف نہیں ہوتے۔ اس کا اپنی اخلاقی اور روحانی عظمت پر پورا پورا راسخ ہوتا ہے۔ یہ اپنے واسطے بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اور جو کچھ خدا

بجائے اپنے اس کے واسطے انسان اور اسکی کوششوں میں سے گزرنے ضروری ہے۔ یہی طرح جیسے کہ گویا یہ
اسکا اپنا خاص کام ہے۔

گو ممکن ہے کہ ہم تقریباً اپنے حواس پر توجہ ہوں۔ مگر یہ صرف محبت ہے جو خوشی کو واسطے بہو غما
اور تکلیف کرنا چاہیے۔ ہمیں انیثار کا جو اثر شامل ہے۔ اور ہماری نیکیاں ہماری اولاد کی طرح بہو اسی غما
ہو جاتی ہیں کہ ہم ان کو واسطے طرح کی تکلیف اور مصیبت کا سامنا کرنے کو مستعد ہوتے ہیں۔ مگر
خدا اپنی سچائی میں بیان کرتی ہے۔ "میری اللہ کے رب کی ان کے پرنے دوست ڈاکٹر
کاٹنگٹن نے اچھی طرح بیان کیا ہے۔ اور ہم اسکو زندگی کا اسباب کہہ سکتے ہیں۔ میری اولاد
کی سترہ سال کی عمر میں ڈاکٹر ناگہ ایک خط میں اسکو لکھتے ہیں۔ "مجھے کو کچھ کوئی ایسا اور بشر نہ مل سکی
محبت ہر ایک کے لئے میں صادق۔ پاکیزہ اور عالمگیر چوسی کہ تمہاری ہے۔ اور مجھ کو یقین ہے کہ
اسکی وجہ محبت کی گنجائش ہے جو تمہارے دل میں موجود ہے۔"

وہ آدمی جو بہت ہی قابل ترس ہیں وہ ہیں جن اپنے پر کوئی اختیار نہیں جن کے لئے میں مطلقاً
فرض کا خیال نہیں جو دوسروں کا ان پر واجب ہے۔ جو زندگی کے میدان میں اپنے عیش کے واسطے
بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یا وہ جو نیک کام کرتے بھی ہیں۔ تو کینے اعتراض سے۔ دعا میں ایمان کے خیال سے
یا میر میریہ کے لونی طعن کے خوف سے۔ ان میں سے بعض اشخاص جو اپنی عمدہ خیالی پنازاں ہیں۔
اپنے کو بدل محبت کرتے ہیں۔ مگر ان کے اس پاس جو بندگان خدا ہیں ان کا کچھ خیال بھی ان کے
دل میں نہیں۔ یہ غیر سوسائٹی میں بہت کچھ خوش خلقی سے پیش آتے ہیں۔ مگر تکلف جیب ہر جیبان کے
مکان تک کوئی پیچھے اور دیکھے کہ کس طرح اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب سے پیش آتے ہیں۔
وین کیسی نے ایک چھوٹے لڑکے کی نہایت غما کی حالت بیان کی ہے کہ جب اس سے بہشت کا
اور وہاں بچھے ہوئے لوگوں کے ملنے کا ذکر کیا گیا تو اس نے پوچھا "اھ! بابا جان بھی وہاں ہوں گے؟"
اور جب اسے کہا گیا کہ بے شک وہ وہاں ہوں گے۔ تو اس نے بے ساختہ کہا۔ "تو میں جاؤں گا؟"

جھوٹی ہمدردی تو بہت عام ہے۔ شارب کا بیان ہے کہ پرنے و فسانوں کی تصانیف پر جو بہت
زبردست اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ ان سے ترس یا عیش کے خیال کی طرف رجحان کا مادہ پیدا ہونے
لگتا ہے۔ مگر حقیقت صیبت سے سبکدوشی یا ظلم کی راحت کا نام نہیں ہوتا۔ اور اس طرح یہ سب
نے مرہ بند کے ساتھ ہمدردی کی اور اپنی بیوی کو فاقہ کشی میں چھوڑ دیا۔ ماشین بنان کو بہت عجیب
خیال کرتا ہے یعنی "جتنے رائے زنی کی جائے اس سے بڑھکر اور جس قدر بچھا جائے اس سے بڑھکر"

طبلہ کی کتابت میں جواب میں بے لاش احسان و مدد بخاہشت کی دعا بازیوں کی چھٹی طرح گرفت کی گئی اور کھینچی گئی ہے۔

فائل میں کا بیان ہے ”گوٹھ مصائب کی راہ ہے پھار اور کیونکہ اس سے اسکو غم و الم ہوتا تھا اور مل جاتا تھا۔ اس سے صاف ثابت تھا کہ اس میں نہ تک ممکن تھا اپنے براہ بنی نوع کی مصائب میں پڑنے کی قابلیت تھی۔ مگر جب کبھی اس شخص کی واسطے اسکی ضرورت پڑتی یہ صاف انکار کر جاتا۔“

سنٹ آگسٹائن۔ بیکسٹر۔ جون تھین۔ ایڈورڈس اور الگرنڈر ٹاکس
کی تصانیف میں نظریں کو معجزہ دکا کر ان کی دینداری کی صداقتوں کے عقاید میں مذہبی محبت کو نقش و رنگ چکڑی۔ اور اس کے ساتھ ہی اس فرض کو برپا آدم کا ان پر واجب تھا۔ ”الگرنڈر ٹاکس کا بیان ہے۔“
”خیال میں ہمدردی سے بہت کچھ بھرا کر سرگرمی پیدا ہوتی ہے۔ اور بات کسی اور طرح سے نہیں مائل ہو سکتی۔ دل کو دل پہل کرنا چاہیے۔ کیونکہ زندہ آدمی کا خیال دل کی تمام راہ و رسم واسطے ضروری ہے۔“
جواز دہی جب یہ موجود رہتی ہے جب تک کی طرف اسی کی ناراضی جو کچھ جانتے۔ اور خواہ اسکا پڑھ فرض کا ایک نئے علم قانون سمجھا جائے۔ خواہ نیکی کے دلفریب متن سے اس کا خیال ہو یہی ایک ایسی چیز ہے جو انسانی چال چلن پر منکس ہو کر عمل کرتی ہے۔“

انسان دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔ انتھاری طور پر صداقت سے بہت کچھ نہیں بلکہ ربانی تحریک سے جو انسانی نیکی اور ہمدردی کی معرفت ہوتی ہے۔ یہ تندرست کی مس ہے۔ جو تمام دنیا کو ایک گنہگار بناتی ہے۔ وہ شخص جو اپنے کو دوسرے کی تہی میں ڈال دیتا ہے اور حتی الوسع ہر طرح سے اسکی امداد میں سعی کرتا ہے۔ خواہ یہ امداد اخلاق کے متعلق ہو خواہ معاشرت کے خواہ مذہب کے۔ جو انسانی اثر کو کام میں لاتا ہے۔ یہ مضبوط سے مضبوط پشت پناہ سے محفوظ ہوتا ہے۔ یہ خود غرضی کو دھکیلتا ہے اور خود اپنی آزمائش سے منکسر مگر شریف ہو کر نکلتا ہے۔ گیدہ تن مونر لے نے نہایت حال کا طور نظام کر دیا ہے کہ رحم اور یا ہی امداد کا اصول جو کہ ایک ایسی خوشی میں تغیر ہوتا ہے جو کہ مسو سناٹی کیلئے بیشمار مفید ہے۔ اور بصیرت اور تکلیف کی تخفیف عیسائیت نے نہایت کیا تھا۔ اور یہ دنیا بطور ایک علمی نئے اصول کے تھی۔

عہد ترین اور اعلیٰ ترین اشخاص نہایت ہی ہمدرد ہوتے ہیں۔ بیشپ ولبر فورس اپنی ہمدردی کی طاقت سے متاثر تھا میرے اپنے ست سے کسی نے پرچھا۔ ولبر فورس کی کامیابی کا اسرار کیا ہے؟ یہ ساختر جواب ملا۔ ”اسرار اسکی ہمدردی کی قوت کا یہ کشادہ دل رفیاض اور آزاد تھا۔“

یہ بے دریغ کیے آگے ہو جاتا۔ اور جو تیکڑا عا اسکا ہوتا اسکی ہر ایک تجویز میں بدل جان مصروف ہو جاتا جو کام اسکو قابل عملد کر دے معلوم ہوا یہ ہمیں ہمیشہ سب سے پہلے رہا۔ اور توجہ کامیابی ہوا ۛ

ہمدردی دوسروں کی ہمیں مشکلات اور مصائب کے خیال کی گنجائش ہے۔ کہتے ہیں کہ مارٹن مکیو کے پال ملن کی ابتدائی اور انتہائی چیز ہمدردی تھی۔ اسکو انسانیت میں اپنی لچک سی کیڑی بہت کچھ مل گیا۔ ایک لوہار کا بیان ہے، ”جب میں نے آگر کچھ سے ملاقات کی تو اس طرح گفتگو کی کہ گویا یہ خود ہنکر تھا۔ مگر میں کو میرے ذہن نشین کیلئے بغیر یہ مجھ سے رخصت نہ ہوا۔ اسب سے بڑھکر آدمی انسانی افعال کا راز ہے کیونکہ جو کچھ ہمیں تھا اور جو کچھ اُسکے ہاتھ سے گیا وہ ہی حرف نہایت ہی ضروری ہے۔ جو انسان اپنی دنیاوی زندگی میں ہمدرد اور چالاک ہو وہ ہمیشہ دوسروں کے خیالات میں شامل ہو جاتا ہے۔“ مگر ہم بھی ہم تنہا اُس راستے پر چلتے ہیں جو نہایت ہی ضروری ہے۔ اور جو کہ دنیاوی حالتوں کے بند باندھن سے بچ جاتا ہے ۛ

گلاسگو میں جب مارٹن مکیو ڈا اپنے بیرن کے عہدے پر پہنچا تو اُس نے کہا، ”ہم کو زندہ آدمی دیکھا ہیں! اور ان کی کتب اور مطالعوں میں ہے جو درکار ہے بلکہ یہ خود غریب اور اہل غرض ہنگے اور خاندان پر فضول خرچ ہو کر بدل اس دنیا میں سب چیزوں سے بڑھکر دیکھ سکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں۔ محبت جو برادری کے اس کچھ میں چمکتی ہے۔ اور اندرونی اطمینان اور روشنی کا حال بیان کرتی ہے۔ اور وہ آرام کی جگہ جیکو خستہ اور اندھ دل ریافت کرتا ہے اور اسکا حظ اٹھاتا ہے۔ یہ میرے غرضی کو کچھ سکتے ہیں اور اُسکی قدر کر سکتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو شاید ہی ایک انسان کے خواب و خیال میں آئی ہو۔ اور جس سے کہ آرام و آسائش اور پشت سے مکان سے کسی بچان یا علیحدہ کے گھر جانے کی تحریک ہو۔ اور جو کہ اپنے کو ان شیخانہ الفاظ اور بالافت مدارات میں ظاہر کرتی ہے جو اُن کی خداتہ کے ہمراہ ہوتی ہیں۔“ مارٹن مکیو کے یہ الفاظ گلاسگو میں ایکے تمام کام کے اسرار کی گنجی ہیں ۛ

پھر یہ کہتا ہے، ”تین نہیں خیال کرنا کہ ہماری قوم کو اگر ہوشیاری سے تربیت کیا جائے تو یوں کہ اس قابل بنا دے کہ یہ اپنے ذاتی فرائض ادا کرے۔ جیسے عقل و شجاعت کی حفاظت۔ سنجیدگی۔ سہرا بانی۔ کفایت شاعری۔ پاکیزگی۔ بطور والدین کے اُن کے فرائض معاشرت۔ صداقت اور خوش خلقی کے بالست میں۔ جویشیت ایک۔ سو سائشی کے مہر کے اُن کے فرائض۔ وعدہ و وفا کی متانت۔ جو جویشیت ایک۔ جویشیت کی آزادی ہے۔ یہ سب ہر سلطنت کے تابع ہیں ان کے فرائض تمام اس سے مراد ان کے حاکم ہیں۔ یا قانون ان سے نیز ان کے مطلب کی کوئی نہ اور تو اس طرح کی آگاہی۔ ایسے نکات پر ان کی تعلیم ہے صرف کچھ

عفت کی گئی ہے۔ اور ضرورت ہے کہ اسکو بہت وسیع ترقی دیجائے۔ اور سچی اصول پر بیستی اور اس سے چڑھو۔

ڈاکٹر مکینوڈ کا لفاظ لندن پر بخوبی صادق آسکتے ہیں۔ اور لندن وہ شہر ہے جو تمام دنیا میں سب سے بڑھکر ایلور سب سے بڑھکر غریب ہے۔ شاید اور بھی لوگ ہیں جو لندن کے مشرقی تھتے سے واقف ہوں اور اسکی یہی ضروریات۔ شرارتوں اور کھیتیاں کو جانتے ہوں بعض تو لوگوں کی ترقی کیواسطے اپنا زور دیتے ہیں۔ مگر بہت ہی کم ہیں جو اپنا وقت یا داغ دیں مگر جو مایہ ناز و رُخ و دنیویں ایک استثناء تھا یہ بدل جان لندن شرقی کے غبار کی بہتری میں مصروف ہوا۔ اس نے یہ سمجھ کر کہ کشتی نفس کی اصلاح کی پہلی سیڑھی یہ ہوتی ہے کہ اسکی کمالی کمال خانے میں جانے سے روکی جائے اور اسکے خاندان اور آئینہ کیواسطے سامان مہیا کرنے کی کوئی صورت نکلے۔ اس نے قیمتی بنائے ہیں مگر قیمتی کیے۔ اس نے ایک نئی تہ تیغی کا کوہ۔ اور اپنی گر جا کی تیر مشرق کی۔ ایک حد تک اس نے ان لوگوں کو مصیبت سے بہتری کی منزل پر پہنچا دیا۔ مگر اسقدر جم غفیر میں اسکی کیا نسبت تھی؟ اسکا بیان ہے یہ یوں کیا ہونا کہ ہے کہ اس ملک میں جو تمام دنیا میں سب سے بڑھکر مشغول ہو۔ ہر سال بے شمار لوگوں کو فائدہ بخشی اور موت نصیب ہو حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس عجیب ترقی کو جو بیس سال گزشتہ سے ہوئی ہے قبول کر لیا۔ مگر جو کچھ اس کے متعلق تھا اسے نہ سوچا۔ اور نہ اپنے کو اس کوشش اور تصدیق کے واسطے طیار کیا جو اس کے سرخام کے لئے درکار تھی۔ "مشر ڈینیسن صرف تہید کر سکا۔ یہ اپنی محنت کے درخت میں ٹرکے سے پہلے فوت ہو گیا۔ لیکن اگر کوئی ایسا ہو جو اسکے قدم بقدم چلنے پر اطمینان ہو تو اب بھی وہ فرض کا میدان موجود ہے جو اس نے بتلایا ہے۔"

اب جو زونٹوسی میسٹر کا ڈاکٹر منو جو اسکی سخت اور عمر زدہ محنت کی عمر کے انجام پر اس کے موافقت نکلا۔ "میں نہیں جانتا کہ کسی غایان کی زندگی کیسی ہوگی۔ کیونکہ میں خود کبھی غایان نہیں بنا۔ مگر ایک مشہور شخص کی زندگی بکروہ ہے۔ وہ لوگ کس قدر کم ہیں جن کا راستہ اس حق دنیا میں دراصل مفید اور نیک اعمال سے متاثر ہے۔ میں اس کے سامنے زمین تک جھک جاتا ہوں جبکہ باسے میں یہ کہتا جا کہ "یہ نیک کام کر رہا ہے۔" اور جو کہ اپنے ہم غلو توں کو سبکدوش کرنے کی سعی میں ہے اور تعلیم دینے میں کامیاب ہوا ہے۔ جس نے فی الحقیقت نیکی کرنے کی خاطر اپنے تئیں قربان کر دیا ہے۔ اور وہ خاموش سخاوت کا شجاع جو اپنے کو چھپاتا ہے اور اپنی نیکیاں کچھ حد کی امید نہیں رکھتا۔ مگر انسان کی عام طرز حیا پسند اس سے مشابہ ہے؟ اور ہزار آدمیوں میں سے کس قدر ہیں جو بے خوف ہو کر اپنے سے پوچھتے ہیں "یہ کیسے"

اس نیا میں کیا کیا ہے؟ غام کام کو میں نے کہا تھی سی؟ اور اب بدی یا نیکی کے واسطے میری لیے کیا رہ گیا؟

آخری الفاظ جو جج طاہر نور کی زبان سے نکلے وہ یہ تھے: ”اگر مجھ سے یہ پوچھا جائے کہ انگریزی سوسائٹی میں بہت بڑی ضرورت کس چیز کی ہے تاکہ اس کے اعلیٰ سب درجہ کے آدمی باہم مل جائیں۔ تو میں ضرورت پر ٹوک جواب دوں کہ ”وہ ہمدردی کی ضرورت ہے۔“ ہمارے زمانے کی یہ سب سے بڑھ کر بدی سے۔ ایک بڑی کٹاؤ خنق ہے جو سوسائٹی کے مختلف طبقوں میں پھیل رہی ہے۔ امرغریب سے عجیب کر بھیجے ہوٹ جاتا ہے اور غریب امیر سے۔ ایک ملوث اپنی ہمدردی اور نرمائی باز رکھتا ہے اور دوسرا اپنی متابعت اور عزت۔

بجائے پڑنے اصول کے کہ دنیا کی فرمانروائی شفیقانہ اور صادق محافظت سے کی جائے جہیز دولت کی کئی قدر سے قدر سے ان لوگوں کی طبیعت سخاوت اور الفت سے پوری ہو جو اعلیٰ نسل ہوں۔ اب فرمانروائی ہے کہ خود خوضی ملا خیال غیری۔ ہماری نیاوی جولان گاہ میں عصا کا کام دیتی ہے۔ اور جو چیز کہ ہمارے سد راہ ہو وہ ہمارے گرسند قدموں کے نیچے پائمال کر دیا جائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ نوکر اور قاصدین ہمدردی خدوم ہوتی جاتی ہے۔ بڑے بڑے صنعتی شہروں میں قاصد اور نوکر ایک دوسرے سے جدا رہتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ اور ان کے ل میں ایک دوسرے کی مطلق ہمدردی نہیں۔ اگر ضرور زیادہ محبت لینا چاہتے ہیں یکم بند کر دیتے ہیں۔ اگر مالک مزدوروں کو کام اجرت دینا چاہتے ہیں کارخانہ بند کر دیا جاتا ہے۔ دونوں طرف جتنے جھگڑتے ہیں۔ پھر ایک مجلس منعقد ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ بعض اوقات اچھا ہوتا ہے بعض اوقات بُرا۔ شورش جاری ہوتی ہے۔ اور بڑی بیچ مرکاست ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ بعض اوقات مالک کے گھر کو آگ لگا دی جاتی ہے۔ اسپر فوج کے دستے اور سپاہی طلب ہوتے ہیں۔ اور پھر کوئی سانس نہیں لیتا۔ مگر افسوس دونوں فریقوں کے ل اور دماغ کو کیسا صدمہ پہنچتا ہے!

اور اب ہم خانگی نوکری کا کیا تذکرہ کریں؟ ہمدردی کی ضرورت کم از کم بڑے بڑے شہروں میں کاہم ہوتی جاتی ہے۔ ہمیشہ علے التواتر ایک انقلاب پیدا رہتا ہے۔ یعنی ایک گروہ نوکروں کا جگہ خالی کرتا ہے اور دوسرا جانشین اُن کی جگہ آکر موجود ہوتا ہے۔ اور پھر ہمارے خاندان صرف تبادلے کے اصول پر جیات بری نہیں کرتے کیونکہ جتنے دام آنا کام والا ساما ہے۔ ہمارے جیسے کہ جب نوکر ہمارے گھر میں پہلے پہل قدم رکھیں ہم اُن کو اپنے خاندان کا ایک کن سمجھیں۔ مگر اب حاملہ بالکل دیگر گروہ ہے۔ نوکر کو اسکی ادوا ہماری روزمرہ کی

آسانیش کے واسطے ضروری ہے۔ ایک مزدور سمجھا جاتا ہے جو کہ تیرا سکہ خواہ دیکھا سیکھ کر تیرا کام کرنا، یہ بات چینی نہیں کرتا ہے۔ اور سب سے الگ ہوتا ہے۔ اس کے سوا اس کا کسی جگہ سے کچھ خلق نہیں۔ سبز اس کے کہ جہاں اس کا نام نہیں ملتا۔ یہ موجود ہو۔ آقا اور نوکر میں باہم ہمدردی کا نام نہیں۔ اور یہاں یہاں ہے لگنا یہ مختلف ممالک میں رہتے ہیں۔ اور مختلف زبانیں بولتے ہیں۔

ایک لکڑی جھکا رہی تھی لکے کے حال گھٹتی ہے۔ جو کہ اپنے آثار پر ٹھٹھک کے ساتھ رہتی تھی۔ اور گونڈو کو کچھ سالیہ تھی نہ اُجرت۔ مگر اس کا نام اسکی وفات کے بعد وہ نہ ہوا۔ یہ لکڑی گھٹتی ہے۔ اسکی مختلف طرح فی الحقیقت بہت قابل اور مزدار ہے۔ اور نہایت غم تھا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ انسانوں اور زمینداروں میں بھی یہ کیا ہوئی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا شخص ہے کہ جہاں یہ ہواں اسکی تمنا ہو۔ کیونکہ فی زمانہ فیہ ایسا ہوتا اور تیرے تمام پرانے خیالات معکوس ہوتے جاتے ہیں۔ اسن کر کو جو اگست اپنے آقا سے ملتی جو کلاس کے اور اسکی اولاد کے ساتھ کا عدم ہو گئی۔ سمجھا کہ خوف ہے کہ آبی جو نسل دنیا میں قدم رکھیگی بالکل اس سے بالکل ہو گئی۔ میں اکثر بہت پریشان تھا کہ کھاتی ہوں۔ جب آقاؤں اور نوکروں میں باہم ہمدردی کی مفقود ہوتی جاتی ہوں۔ یا اسکے بارے میں کسی کی رائے پڑھتی ہوں۔ گویا۔ ریل۔ گوبوٹار۔ اور قدر سے علم کی شدت اس قدر کو برقرار رکھینگے جو ہماری طرف سے نوکروں کے دل نشین ہوتا جاتا ہے۔ یہ تغیر کے آرزو مند ہیں۔ انہیں بغیر اسکے ممکن نہیں ہو سکتے۔

ہمدردی کی ضرورت سوسائٹی میں پھلتی جاتی ہے۔ یہ کیا کہ ہم چاہیے۔ نہ تو ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ اور نہ ایک دوسرے کی کچھ پروا کرتے ہیں۔ خود غرضی کی جڑ ہمارے دل کی تہیں چھٹی ہوئی ہے۔ شہنائی یا دولت کا شائق بننے سے انسان جنت اور بے پروا ہوتا جاتا ہے۔ ہر ایک شخص اپنے راہ جانے کا خواہاں ہے اور دوسروں کے خیالات کی اسے مطلق پروا نہیں۔ ہم یہ گریز خیال کرتے کہ ان کو بددعیا کے جن کے بوجھ ہمارے بوجھ سے زیادہ وزنی ہیں۔ مرحوم ٹالٹھو روٹس کے آخری الفاظ نے اس قسم کی حالت کی حضرت خوب سمجھا دی ہے! یہ انسان کو جرم اور ذنبا بازی سے لاپرواہ کر دیتی ہے۔ آخرت ہماری کو مطلق نہ ہوگی یہ شخص خود غرضی سے اور غیر فطری سے اپنی سودمندی کے درپے ہوتے ہیں۔ نہ تو کسی بن کا خیال ہے نہ کسی روح کا۔ نہ کسی کی جان کا اور نہ کسی کے مال کا۔

کابل اور خود غرض شخص دنیا کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ یہ لاچار یا مفلس کی اساد کو دیکھنے نہیں کرتا۔ یہ کہتا ہے۔ "جسکے ان کو کیا غرض؟ یہ جانیں ان کی کام جانے میں کہیں ان کو ملے کروں؟ انھوں نے تو میرے واسطے کچھ کیا نہیں۔ یہ مصیبت میں ہیں؟ یہ ہمیشہ دنیا میں رہیں گے۔ یہ نہ گت ہیں گے جس کا کچھ چارہ نہیں ہے۔ بڑا شست

کرنا چاہئے خواہ سینکڑوں برس گزر جائیں۔ ہنوز روزِ اتوار! ”
 وہ شخص جس کا مقولہ ہے ”کچھ پرواہ نہ کرو“ شاید ہی اس مرد سے میں کسی آواز سے بیان پڑے۔ اپنی
 حدیثِ عشرت۔ اپنے کاروبار۔ یا اپنی سستی میں ایسا پھنسا ہے کہ وہ دوسروں کی پرزور دعاوی
 کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ غلی۔ جہالت یا سمیٹ کی بحث سے یہ ذوق ہوتا ہے۔ یہ کہتا ہے۔ ”اُن کو
 خود کام کرنے دو۔“ اس میں شک نہیں کہ اگر سلاخ (ایک قسم ہے بندر کی جو سستی میں ہلکتا ہے) کا اس
 شخص سے مقابلہ کیا جائے جس کا مسئلہ ”کچھ پرواہ نہ کرو“ ہے تو اول الذکر بہت چالاک نکلے گا۔
 اگر اس شخص کو بھی ”کچھ پرواہ نہ کرو“ پر کاربند ہے ایسی سانی نہیں رہتی جیسی یہ خیال کرتا ہے۔ وہ
 شخص جو دوسروں کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ شخص جو دوسروں کی نہ معاونت کرتا ہے نہ اُن سے بددعا
 کرتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہی صلیا ہے۔ وہ اس مبالغہ کی پرواہ نہیں کرتا جو اس کے مکان سے
 دو چار کچے ٹکڑوں کو نصیب ہوتی ہے مگر جو بخار و ماں پھیلتا ہے۔ وہ اس کے مکان تک
 بھی پہنچ جاتا ہے۔ اور ان کا شکار کرتا ہے جو سب سے بڑھ کر اس دنیا میں اس کے پیارے اور
 آرام جان ہیں۔ اس غلی۔ اس جہالت اور اس گنگاری کی پرواہ نہیں کرتا جو ماں جمع ہوتی ہے مگر
 چور اور ڈیرے کی گوشہ نشینی میں بھی اسکو آدبا ہے۔ یہ غریبی کی پرواہ نہیں کرتا۔ مگر غریب خانے کا
 شہا ہے چندہ اسکو دینا پڑتا ہے۔ یہ ملامت سلطنت کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ مگر جنگ کا ٹیکس لگانا
 ہے اور وہ اُسے ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور پھر جدیدوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ”کچھ پرواہ نہ کرو“ بھی یہی
 کچھ ہے۔ اور یہ کوئی سستی حکمت علی نہیں۔

”کچھ پرواہ نہ کرو“ وہ شخص تھا جن پر بل کا شہور الزام عاید ہوتا ہے۔

”اگ کلیل کے ہونے سے گھوڑے کا تھا جوال

بدقسمتی سے راہ میں ایچھا اتر گیا

گھوڑا عدم کو راہی ہوا ناں گرنے سے

مکب چلا عدم کو تو راکب بھی مر گیا“

گیلیو ایک ایسا شخص تھا جو ”کچھ پرواہ نہ کرو“ کا بندہ تھا اور جنگی بابت کہتے ہیں کہ ”وہ کسی
 چیز کی پرواہ نہ کرتا تھا“ اصل یہ ہے کہ وہ ”وہ شخص جو گیلیو کی طرح ”کچھ پرواہ نہ کرو“ کے بندے ہیں

لے رہے ہیں معمول غریب نے جس چندہ بڑھیکس کے ادا کرتے ہیں۔

بد انجام کو پہنچتے ہیں +

وہ شخص جو سیاست مدن سے بہرہ ور نہیں کھتے ہیں کہ نوکر اور آقا کا تعلق صرف ایک قسم کا تبادلہ زر ہے۔ یعنی جتنے دام آتا کام۔ علم سیاست مدن میں تو شک نہیں کہ ان کو اس تفوق کی تیز گرائی لادی ہے۔ لیکن عالم اخلاق فلسفی۔ مذہب اور انسان کو آقا اور نوکر کے تعلقات کو ایک معاشرت کے سلسلہ پر مستند تسلیم کرنا چاہیے جس سے کہہ دو فریق پر جہت بنی نوع کے وہ فرائض اور عقیدتیں واجب ہیں جو عام سہروری سے وجود پذیر ہوئی ہیں اور ان جہتیتوں سے جو ان کی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ فی الحقیقت دونوں طرف سے ہر بانی ہونی چاہیے اور ساتھ ہی وہ ادب جو انسان کا واجب ہے۔ بغیر اس قسم کے ادب کے جو کہ صرف اپنی ہر گز موجودہ سکتا ہے جہاں انسان کا مرتبہ جہتیت جاندار روح کے گھر کے گھر کے ہوئے ہے۔ یقین ہی صرف نہیں بلکہ سوسائٹی کی حالت کی افلاح اور بہبود کے خیالات بھی مایوسانہ ہیں +

مصلحتی سمجھ کا بیان ہے:۔ اس میں شک نہیں کہ وہ شخص جو بنی نوع کی بہبود سے بے بہرہ ہے اس مدرسہ تعلیم یافتہ ہے جس میں اپنے ذاتی نفع کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ شخص ایسا سخت متوہ ہے کہ اگر اس پر ایک گاڑی کیوں گزر جائے اسے باطل خبر نہیں ہوتی۔ اگر ایک برادریک آئینیں سوراخ کیے جائیں تو بجز زیادہ خوب کچھ نہ نکلیں گا۔ اس مدرسہ میں اس طور پر تعلیم ہوتی ہے کہ گویا انسان صرف تو اوروں کے لیے ہے۔ اور دوسروں کے خیالات۔ اول کا کبھی ان کے فہم میں گزر بھی نہیں پاتا +

ہماری امانداری۔ نمک حلالی۔ اور بے لالی کہاں گئی؟ وفاداری کا موعوم معلوم ہوتی ہے یہ معاملہ ہے نہ رکا۔ باہمی ادب نہ تھا ہو گیا ہے۔ ہر سر پرٹ کا مقولہ ہے:۔ جو کچھ کا ادب نہیں کرتا کوئی اس کا کچھ ادب نہیں کرتا اگر کوئی کہہ دے رہنمائی مسائل نہ کھینا سوں تو بہکد زمانہ قدیم میں پہنچنا چاہیے کیونکہ فی زمانہ افروز و رکاب کا لحاظ آؤ گئے لہذا نہیں۔ اور آقا کا لحاظ نوکر کے لیے نہیں ہوتا۔ بہت برسوں تک انکسار تھان میں یورپ کے دیگر ملکوں کے مقابلہ میں مزدوروں کو زیادہ اجرت ملا کرتی تھی۔ مگر اب وہ زمانہ ختم ہو گیا ہے۔ ریلوے اور گھوٹ کا متعقد یہ ہے کہ قریباً تمام ملک میں اجرت یکساں ہو جائے اس پر وہ زمانہ آگیا ہے کہ بلا امتثال ہر مرتبہ کے آدمی کو اپنی طرز زندگی اختیار کرنا پڑے گی +

عظیم ترین بات نہیں ہے جس کی انتہاء ضرورت ہے جتنی رعادت۔ خوص۔ فکر اور خیال ملن کی۔ دولت سے علم سے اعلیٰ قسم کی شادمانیاں نہیں خرید سکتے۔ بلکہ دین ہے۔ مذاق ہے اور قوت فیصلہ ہے جو انسان کی شادمانی کو دینا کرتی ہے۔ اور اسکو اعلیٰ درجہ کی انسانیت کے مرتبہ پر پہنچاتی ہے۔ چنانچہ مرلن شاعر کہتا ہے۔

نہ عزت بڑھتا باستان یہ طاقت پائیں
اور نہ دنیا کے زور و مال یہ ہمت لائیں
کہ کبھی امن اور آرام خریدے سے جائیں
گو نیرنگی سے دانائی ملے یا دوست
دل کو جب تک کہ نہ حال ہو خوشی سے و
نہیں محسن ہو میتہ کبھی ہم کو برکت

ایک شخص حکومت ہارسے کا بہت ملکہ تھا کہتا ہے کہ حیدر مصائب دولت کے اس پار ہیں اسی قدر
اُس پار ہیں۔ متول شخص میں وہ اتنے زائل ہو جاتا ہے جس سے یہ اس دولت میں ترقی کرنے کے واسطے
جو اُسکو حاصل ہوئی پہنچائی کوششوں میں مشکلات کا سامنا کرے۔ مگر جو کچھ اُسکو حاصل ہوا ہے اس سے
کیا کرتا ہے؟ اگر تجرید پلے کے جمع کرنے کے اور کوئی ذریعہ نہیں تو یہ مصیبت ناک ہوتا ہے۔ شخص اُس
شیع ساز کی طرح ہے جس کی شان مالی کا اور کوئی ذریعہ نہیں بچا اسکے کہ پرالم دن کو اپنی پرانی دوکان پر بیٹھے
اسکو ملحق تعلیم نہیں ملتی کہ کتب بینی سے اُسکو مسرت حاصل ہو۔ علمی ترقی میں دلچسپی ہو۔ اور اُن بکثیر
طریقوں کو اختیار کرے جو مصیبت سے سبکدوشی دیتے ہیں۔ مگر تاہم اسکے ہاتھ میں جاو کی چھڑی ہے
یعنی زر جو مصیبت سے سبکدوش کر سکتا ہے۔ اور فاقہ کشوں کی احتیاج پوری کر سکتا ہے۔ اس
شخص میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ ٹھوک کی آہ و نالہ کو روک دے۔ اسکو اتنی دستگاہ ہوتی ہے کہ کسی بیوہ
یا یتیم کا دل نشان کر دے۔ مگر نہیں! یہ اس روپے کی جو اس نے کمایا ہے نسبت لاچار اور مصیبت ناک
لوگوں کی فلاح اور بہبود کے زیادہ پرواہ کرتا ہے۔

جس قدر بہو کم خوش ہوتی ہے اُس قدر ہم بھونک بھونک کر قدم رکھتے ہیں۔ اور زیادہ خوش رہتے
ہیں۔ کیونکہ ہمیں خود غرضی نہیں۔ اسکی غرضی کی پہنچ کنی کر دیتی ہے۔ خواہشوں کو سرور دیتی ہے۔
روح کو تقویت دیتی ہے۔ اور دل کی اعلیٰ دعا کے تاک سالی کرتی ہے۔ مقرر اٹھ کا قول ہے۔
”جس قدر ہم چیزوں کی کسی شخص کی احتیاج ہے اُس قدر اللہ تعالیٰ سے اُسکو قریب حاصل ہے“۔ جیسا کہ انیل
انجیلو کا نوکر اریو بولسٹر مرگ پر پڑا۔ اسکا ضعیف بیت تراش آقا شب و روز باوجود اپنے افکار کے
اُسکی نگرانی کرتا رہا۔ چنانچہ وہ ساری کو اپنا حال یہ مطلع لکھتا ہے۔ ”مشتق من۔ مجھ سے کو کچھ
نہ لکھا جا سکا مگر میں آپ کے نوازش نامہ جواب لکھتا ہوں۔ آرزو آپ جتنے ہر نیت ہو گیا۔ یہ حادثہ میرے
حق میں خداوند تعالیٰ کی ایک مہربانی تھی۔ ہے اور جانکاہ رنج و الم بھی یعنی مہربانی اس سے کہ وہ جس نے

تمام عمر بیری خبر گیری کی۔ مرتے وقت مجھ کو صرف بلا افسوس مرنا ہی نہیں سمجھ لایا گیا بلکہ موت کا خواہاں بننا بھی۔ یہ ۲۰ سال کا کل سیر سے ساتھ رہا۔ اور ہمیشہ نیکی بخت۔ ہوشیار اور وفادار رہا۔ میں نے اس کو غنی کر دیا تھا۔ مگر جس دم میں نے اسے اپنی ضعیف العمری کا عندیہ سمجھا کر سپردِ تھ ڈالا۔ بیفراد ہو گیا اور مجھ کو بس صرف ایک سید پر چھوڑ گیا کہ پھر عالم بقا میں اسے ملوں گا۔
 ڈاکٹر نیوٹن سپینسٹن خود انھوں سے اس طرح خطاب کیا تھا: "اپنے نوکروں کے ساتھ اسی طرح کلام کرو اور پیش آؤ جس طرح تم سمجھتے ہو کہ اگر تم سیاست نوکر کے ہو اور تمہارا آقا تمہارے حق پیش آئے اور کلام کرے۔ میان ادب کی دلی دونوں کو اپنے نوکروں سے شفقت۔ صبر۔ انکساری اور تحمل سے پیش آنا چاہیے۔ اور ساتھ ہی انصاف کو بھی اٹھ سے دینا چاہیے۔ ان کو کبھی نوکروں سے شرمش دلی یا تکبر سے ہرگز گفتگو کرنی چاہیے لیکن باغرض اگر کچھ میں کوئی قصور سرزد ہو تو ان کو بردباری اور نیکی سے برداشت کرنا چاہیے۔ یا سفارست سے لے لینی درستی کرنی چاہیے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہم گناہگار بندے اس رحم والا جین کے ہر روز کشتہ قصور کرتے ہیں اور وہ اس کے عوض ہم پر اپنا رحم بندول فرماتا ہے۔"

ہم صرف تمنا نہ اپنے ہی واسطے سعی اور محنت نہیں کرتے۔ بلکہ صوبہ اپنے واسطے ویسے ہی مرنے کے واسطے۔ دنیا میں اخلاقی قوانین۔ ذہنی تعلیمات۔ اہل ایمان کی الفت۔ خاندانی حکومت اور خاندانی ایسی ہیں جو نسبت خود اپنی شادانیموں اور ادائیگی زر کے اعلیٰ درجہ پر ہیں اور زیادہ شریفانہ خیالات پر مبنی ہیں۔ ہجو ہوشیار رہنا چاہیے کہ ہم کس طرح اپنے خیالات کو خود اپنے آپ میں بھستہ کرتے ہیں۔ اور ٹیٹس کا مقولہ ہے "وہ شخص دولت کا عاشق۔ یا شادمانی کا عاشق۔ یا عیش کا دلدادہ ہے۔ کبھی بنی نوع کا شہید نہیں ہو سکتا۔ اور سنٹ ایتھنی کا قول ہے "حقیقت بنی نوع کا عاشق بننا زندہ رہنا ہے۔" چنانچہ سطح محبت نیکی کا عالمگیر اصول ہے۔ محبت انسانی دکاوت میں جو بن پڑتی ہے۔ اور فیصلہ نسل انسان کے غم و الم کا علاج ہے۔ اور یہ خوشگوار ہے۔ عقل میں علم میں منطق میں۔ اطہار میں۔ قانون میں اور فرمانروائی میں۔

وہ بے اختیار کراہت جو کہنے میں اور رنگاں جرم سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ہوشیاری کی الفت سے پیدا ہونے کے قابل نہیں ہے۔ فرانسرٹ۔ گیسٹن بھی فائیکس کے بارے میں کہتا ہے کہ "ایک بے شمع تھا جو ہر ایک میں ایسا تھا کہ ہر ایک کی تعریف حد تک ہو سکتی تھی۔ جو قابل الفت تھا۔ ایک کشیدہ لائی تھا اور جو قابل نفرت تھا۔ اس سے سخت متفرق تھا۔" قسم یہاں بھی

سٹاکسٹائین کہتا ہے: "یہ لکھی ہوئی اس محبت کے جو روایت پر ہو اور کچھ نہیں سیکھو تو غریب دیتی ہے کہ اس سے محبت کریں جو قابل محبت ہو اور اس سے نفرت کریں جو قابل نفرت ہو۔"

ایک اور پارسی کہتا ہے: "پہنچا گاری کیا ہے؟ وہ محبت ہے جس سے کوئی شادمانی حاصل نہیں ہوتی۔ کھانیت شعاری کیا ہے؟ وہ محبت ہے جو کسی غلطی پر مامہ نہیں کرتی۔ بڑباری کیا ہے؟ وہ محبت جو دلیری سے بدینتی کو برداشت کرتی ہے۔ انصاف کیا ہے؟ وہ محبت جو اس زندگی کی نامازیوں کو ایک سحر سے یکجا کر دیتی ہے۔ یونانی حکیموں کو بھی اس تعجب خیز طاقت کی تیز فہمی۔ چنانچہ سقراط کہتا ہے: "محبت کی ولادت سے پہلے احتیاج کی سلطنت میں بہت سی خوفناک امور سرزد ہو سکتے تھے۔ مگر جن میں یہ دیوتا پیدا ہوا سب چیزیں تک انسان کی دسترس ہو گئی۔"

خوض: تہرانی اور دوسرے ک خیال ہمیشہ خود اپنا صلہ دیتے ہیں۔ یہ ان کی طرف سے جن کے ساتھ ان ہی سلوک کیا جائے بہت کچھ شکر گزاری کی خواہش ہوتی ہے۔ اور پھر اس قدر رضامندی اور قبولیت سے خدمت کیا جاتی ہے۔ جو صرف زر سے ہرگز نہیں حاصل ہو سکتی۔ ہمدردی گھر کی سچی گرمی ہو جاتی ہے۔ جو بی بی کو نوکروں سے۔ خاوند کو عورتوں سے۔ والد کو والدہ اور بچوں سے پیوستہ کرتا ہے۔ اور جس حکم پر نہ ہو وہ گھر کبھی سچی خوشی سے مشرف نہیں ہوتا۔ اور نہ تمام گھر ایک طور کے خانگی الفت اور اتحاد کے سلسلہ میں سسل ہوتا ہے۔

روح صبر اگر پھر ہیلد پس اپنے مضامین میں لکھتے ہیں: "اگر تم شخص کو دیکھتے ہو جو روز بروز متزلزل ہوتا جاتا ہے۔ یا مرتبہ میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ یا اپنے کاروبار میں یادہ مشہور ہوتا جاتا ہے۔ تو تم سمجھتے ہو کہ یہ اپنی زندگی میں بامراد ہے لیکن اگر اسے مکان میں ایسی بے ترتیبی ہے کہ وہاں تمام خاندان میں کوئی سلسلہ الفت کا نہیں۔ اور اس کے متعلقین اس کے ساتھ اپنے اس چند روزہ قیام کو شفیقانہ کاموں یا لفظوں سے خالی پالتے ہیں تو سمجھو کہ یقیناً ہے کہ شخص بامراد نہیں۔ خواہ یہ دنیا میں کیا سچی شے نصیب ہو مگر یہ یاد رکھو کہ اس نے ایک نہایت ہی ضروری قلوب اپنے پیچھے بغیر سر کیے چھوڑ دیا ہے۔ اس مرد یا عورت کی زندگی ہرگز بھی نہیں جہنم فیاضی نے سکونت نہیں ہو سکتی۔ گو اس سے روشنی کی کرنیں نکلا کر مختلف اطراف میں غور کریں لیکن محبت کا ایک گرم جوش نقطہ انعکاس ہونا چاہیے۔ اور یہ نقطہ انعکاس بطور ایک شیانہ کے ہے جو ہر ایک نیکیخت کئے ل کے گرد بنتا ہے۔"

چودھویں صدی کے ایک نامعلوم الہام مصنف نے خانگی آسائش کی ایک جادو بھی تصویر کشی ہے جس میں ہر معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے شریف خاندانوں کے نوجوان جب بھی ان کے والد اپنے

اجاب کی منیافت کرتے تو یہ میز پر کھانا چٹا کرتے ؟
 گارڈن دینس کے عالی خاندانوں کی تعریف کرتے وقت خاصکر ان کی اس آزاد روی اور برائی
 کا ذکر کرتا ہے جس سے یہ اپنے نوکروں سے پیش آتے تھے۔ بیان کو حد درجہ کا شریعت اور انسان قرار دیتا
 ہے۔ شریف اور جگجگ و کشمیس کا ذکر ہے۔ یہ اپنے تمام زیر دستوں کا حکومت کی نسبت عقلمندی سے
 زیادہ ترافنا بنا ہوا ہے۔ سچی کر اگر کوئی اسے دیکھے تو بجائے صاحب خانہ سمجھنے کے اس پر خانساں کا گمان
 کرے ؟

ہامیائے میں اس ہمدردی کا تذکرہ کرنا شاید ہی ضروری ہو۔ مکان سے خالق کہتی ہے سیاسٹرو
 کا قول ہے "پہلی سٹاکٹی شادی میں ہے۔ دوسری خاندان میں اور پھر سلطنت میں۔" جو شخص جہشیت والا
 کے اپنے اہل عیال پر حکومت کرتا ہے بجائے فرمانروا کے ہے۔ مگر اسکی طاقت میں اس کے محکموں کے
 ساتھ ہمدردی کی جاپیئے۔ جس قدر قریبی ہوتی ہے سب کی ابتداء گھر سے ہے۔ اور اس منبع سے خواہ یکا یک صاف
 ہو خواہ غلیظ۔ وہ اصول ارسال نکلتے ہیں جو سٹائی پر حکومت کرتے ہیں۔ والدین کی اغراضی قوت ہمدردی
 اور الفت جو "جین مال" رشتہ کی رائے ہے نہ نہایت ہی شریف اور نہایت ہی عمدہ صفت جس سے
 قدرت نامٹا کونسل کے شور و بہو کی کھلے رصوفت کر سکی اور کرنا چاہیئے وہ محبت تھی۔ جو نہایت ہی
 محرک مگر تاہم بے صلہ ہے۔ اور ایک ایسی غرض کیواسطے جو خود اس سے غیر منشا ہے۔ بچہ کی خاطر الفت
 ہوے اور شب بیداری نکلنے پڑتی ہے۔ مگر اب اس میں اسکا جواب صرف تردید سے دیتا ہے۔ اور
 اس طرح وہ ضعیف انسان جبکہ بہت کچھ احتیاج ہوتی ہے بہت ہی کم محض میتا ہے مگر والدہ اپنے
 تصدیق میں سرگرم ہے۔ اور یہ نہیں بلکہ جس قدر بچہ کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور ناشکری اس سے ظاہر
 ہوتی ہے۔ اسکی محبت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور پھر اسکو ہر طرح کی ضرورت سے کمزور بچے کا زیادہ خیال ہوتا ہے
 جس طرح والد کو زیر دست سے زیر دست بچے کا ؟

والد پر تو مکان کی حکومت منحصر ہے۔ اور والدہ پر اسکا انتظام۔ مگر کیا والد نے مکان پر مہربانی اور
 خود ضبطی سے حکومت کرنا سیکھ لیا ہے ؟ اور کیا والدہ نے وہ تمام ہنر سیکھ لئے ہیں جن سے مکان پر کار
 و بار اسٹش بن جاتا ہے ؟ اگر نہیں تو شاید ہی الفاظ اور افعال کی بنیادیں نہایت خوفناک جدوجہد ہے۔
 سرگھر سپلیس کہتے ہیں۔ "فی الحقیقت میں تو یہاں شک کرتا ہوں کہ زیادہ صاحب خاندان جو بے محدود
 زیادہ ضرورتیں ہو چکا اسکا اگرچہ نہ مصنف بھی ہو۔" ایک حسین عورت تھی جس سے اسکا شوہر علیحدگی چاہتا
 تھا۔ اس پر اس عورت نے کہا : "تو جو کچھ میں لائی تھی وہ مجھ کو واپس کر دو۔" شوہر نے جواب دیا : "بہتر ہے"

تمہاری دولت ملک و ملیا نیکی : عورت بولی : مجھ کو دولت کا خیال نہیں ہے۔ میرا حقیقی مال و ستار
مجھ کو دلایں دو۔ یعنی میرا ضمیر اور نوجوانی فالین دو۔ میری روح کی دوشیزگی مجھ کو واپس دو۔ اور وہ پیش
دل فالین دو۔ اور وہ دل جو کبھی اوس نہیں ہوا۔

انسان کے خوش رہنے کے واسطے اس کا ایک ہم روح اور ساتھ ہی ہم معاون ہونا چاہیئے۔ اور دونوں
صادق۔ باعصمت اور ہمدرد ہونا چاہیئے۔ اور ان کو چاہیئے کہ اپنے بچوں پر شفقت کریں۔ خاندانی زندگی
میں بہت سی آزمائشیں ہیں۔ لیکن ہم ایسا راہ اور خود ضبطی سے ان پر غلبہ پاسکتے ہیں۔ ٹر ٹولین کتنا
ہے۔ وقاحت عورت کا زیور اور مرد کی کسوٹی ہے۔ لڑکا ملک کی عزت کرتا ہے اور نوجوان ملک اس کا
شنا خواں ہے۔ اور ہر عمر میں یہ خوب ہے۔ ڈان اٹھو میو ڈمی گوٹو اور اولینڈیا کے ایک
بھلے ناسک شوہر کے فرائض کے تعلیم دیتے وقت اُس کو کہتا ہے کہ اگر کسی غضبناک شخص کے کلام کا
جواب دینا چاہتا ہے۔ تو نہ تو تمہیں کی قوت اور نہ حضرت سلیمان کی دانشمندی اس کے واسطے کافی
ہیں۔ لہذا قناعت اور دباری چاہیئے یعنی ایک تولہ مسرت بھری نیکی منوں غلگینی سے زیادہ
قیمتی ہے۔

کسی عورت کی زندگی بیرونی صورت سے نہیں دیکھی جاسکتی۔ اور اس کو کتر حال اندرونی زندگی کا
ہے۔ لیکن ان دونوں کی واسطے سب بڑھکر سامان ہو سیکر سکتی ہے۔ لہذا سوزی کی واسطے تیار ہونا ہے۔ اور
یہ تیار رہنے کی قدرتی میاشہ ہے۔ ہم اس لفظ کی تعریف نہیں کر سکتے۔ یہ نظر آیا ہے کہ سوزی میں کسی
شخص پر ضرورت انحصار میں۔ اعتماد میں۔ اعتبار میں۔ تقدیر میں۔ اور خدمت میں۔ اور اس
پر دیکھی گئی ہے۔ زبردستی میں جس سے عورت برداشت۔ حفاظت۔ حمایت اور امداد کے قابل ہوتی ہے۔
ہم اس کو اس سرشت میں لپتے ہیں جو اس استحکام میں جو فرض کی صرف متابعت کرتا ہے۔ لاشرف میں
جو زیر رہتی ہے۔ اور اس خود واقعی میں جو غالب کی ہے نہایت تعجب خیز قوت بخش تاج۔ جو سچی عورت
ہوتی ہے وہ اپنے خاوند کے شغل میں ہمدردی کرتی ہے۔ یہ اسے بشاش کرتی ہے۔ اسے ترغیب
دیتی ہے۔ اور اس کی مدد کرتی ہے۔ یہ عورت اس کی کامیابی اور شادمانی کا حظ اٹھاتی ہے۔ اور حتی الامکان
بہت ہی کم اس کو رنجیدہ ہونے دیتی ہے۔ فاراڈے ۷۲ سال کی عمر میں ایک عرصہ دراز کی
پر مسرت شادی کا لطف اٹھا کر اپنی عورت کو اس طرح لکھتا ہے :۔ جان میں میں بے چین ہوں کہ تھے
ملاقات کروں۔ باہم ملکر مشورہ کروں۔ اور ان ہر باتوں کو یاد کروں جو تمہارے مانتھوں مجھ کو نصیب
ہوئیں۔ میرا دل اور یہ زمانہ دونوں میں ہیں۔ مگر میرا حافظہ نہایت محبت سے نکلنا ہوتا جانتا ہے خواہ ان

اجاب کیا ہی خیال کیوں نہ ہو جو میرے پاس اس وقت میرے کمرے میں موجود ہیں۔ تم اپنی وہ پرانی خدمت
پھر اختیار کر لو کہ میرے لے کا تحفہ بنو۔ اور میرے واسطے آسائش اور سرت دہ زور دہو۔
چارلس لٹل جیک بڑھک کوئی شخص ہمدرد نہ تھا۔ شاید وہ نادہی کوئی ہو جسکو اسکی زندگی کا سہنا کا شہ
نہ معلوم ہو۔ یعنی اچھی اسکی عمر آٹھ سال ہی تھی کہ اسکی شہرہ میری نے جنون کے دورے میں اپنی اولہ
کے لے میں ایک تیز چاقو مار دیا۔ اس کے بھائی نے اسیدم سے ارادہ کر لیا کہ اپنی زندگی اپنی بیچاری
شفیق اور پیاری "ہشیرہ پر تصدق کر دیگا اور فی الفور اپنی مرضی سے سکا ہر اسی بن گیا۔ چنانچہ اسنے
عشق و محبت اور شادی کا تمام خیال ترک کر دیا۔ اور فرض کے زبردست رعیتیں آگراسی گرویدگی پر قائم
را جسکو اس نے اختیار کیا تھا۔ اسکی آمد شاید ہی ۱۰۰ پونڈ سالانہ تھی۔ چنانچہ اس آمدنی سے اس نے تنہا
زندگی کا سفر اختیار کیا اور اپنی ہشیرہ کی الفت سے محصور رہا۔ اور نہ عیش و عشرت اور نہ محنت و مشقت
کبھی اسے اسکے مدعا سے باز رکھ سکیں۔

جس وقت اسکو جنونوں کے شفا خانے سے رالی ملی۔ اس نے اپنا وقت ٹیلر فرام شیکسپیر اور
اگر کتب کی تالیف میں وقف کیا۔ پھر لٹل اس کا ذکر کرتا ہے کہ جہاں تک مجھ کو علم ہے یہ نہایت ہی
ذہنی فہم عورت تھی۔ گو اسے اپنی تمام عمر میں توار جنون کا دورہ ہو جاتا تھا۔ اور بار بار ایسا ہوتا تھا کہ ادنیٰ
دیوانگی میں قہریا کچھ شک ہی نہ رہتا تھا۔ جب جنون کا دورہ اسے آتے کے قریب ہوتا۔ چارلس لٹل
اسکی ہاتھ پکڑ کر ہیکسٹن اسٹاکمر (شفا خانہ جنونان) میں لیجاتا۔ ان دونوں بھائی بہنوں
اس طرح دست بردست اور آگے بڑھتے ہوئے ایسے غناک کام پر جاتے دیکھنے سے لوگ بہت متاثر
ہوتے۔ چارلس لٹل کے ہاتھ میں جنونوں کی قمیص ہوتی اور یہ اسے لیجا کر شفا خانہ کے اندروں کے حوالے
کرتا۔ جب میری ایک ہوش و محاسن بجا ہوتے۔ یہ اپنے بھائی کے پاس اس آتی اور یہ نہایت خوشی سے
اسکا استقبال کرتا۔ اور ہمدردی کی الفت سے اس سے پیش کرتا۔ چنانچہ یہ کہتا ہے۔ اے محبت
کرتا ہے لہذا ایسا نہ ہو کہ ہم دونوں ہم ایک دوسرے سے محبت کریں۔ چالیس سال تک ان دونوں میں باہم
الفت رہی۔ اور اس عرصے میں کبھی ان میں ناہم بخش یا ناچاقی نہ ہوئی۔ البتہ گھبراہٹ گاہے میری لب کے
جنون کی وجہ سے اس کے دماغ میں فوراً جاتا۔ غرض کہ جسے اپنا فرض نہایت شرافت اور جوا فردوسی سے
ادایا۔ اور جس کا کہ مناصب ملے اسکو حاصل ہوا۔

دوسروں کے ساتھ جو ہمدردی کیجاتی ہے وہ بعض اوقات اس خواہش میں ظاہر ہوتی ہے جو ان
لوگوں کی جان بچانے کے واسطے دل میں پیدا ہو جو خطرے میں ہیں۔ ہم اب تک اس قسم کی بہت سی

مثالیں مل کر چکے ہیں۔ مگر ابھی ایک اذرا باقی ہے۔ ایک روز لیڈی وائسن سب سمندر اپنے عجیبے
کے واسطے گھونگے جمع کرتی پھرتی تھی۔ نظر اٹھانے پر اسے ایک شخص تنہا ایک اونچی چٹان پر کھڑا
ہوا دکھائی دیا۔ اس چٹان کے چاروں طرف پانی تھا۔ اور اسکو معلوم نہ تھا کہ یہ کون شخص ہے۔
مگر یہ بچارہ قریب تھا کہ راہی عدم ہو۔ اور لیڈی نے اسکی جان بچانے کا ارادہ کیا۔ ماسوقت نہایت
تیز تھا۔ اور موجود نہایت شدت سے کنارے پر چڑھ رہی تھیں۔ اس مصیبت زدہ شخص کی سطحی ناک
مقام سے رٹائی قریباً ناممکن معلوم ہوتی تھی مگر پھر بھی اس لیڈی نے کشتی بانوں کو بلایا۔ اور فرمایا کہ
جو شخص سمندر میں جا کر اس شخص کو بچائے گا۔ اُسے بہت کچھ انعام ملیگا۔ پہلے تو انہوں نے تامل کیا مگر
آخر کار ایک تھی روانہ ہوئی۔ اور عین ہوقت چٹان کے پس پہنچی جیس شخص کی تمام طاقت سلب
ہو چکی تھی۔ ملاح اُسے کشتی پر سوار کر کے صبح و سالم کنارے پر لے آئے۔ ناظرین اُسے تیس کرنا کہ
اس لیڈی کو کس قدر تعجب ہوا ہوگا جیس نے اس شخص کو خود اپنا خاندان سرپرست وائسن پایا۔
نیک نیتی کا اگر ایک لفظ بھی زبان سے نکلے تو وہ یاد رکھا جاتا ہے۔ مشہور ڈاکٹر مسٹر ٹم کا قول ہے کہ
کو کبھی کبھی ہر ایک شخص کو نیک یا بد آدمی سے کلام کرنے میں بہتری یا بدتری نصیب ہوتی ہے۔ اولیٰ کا
امام مذہب جو کو میر کا دوست تھا ایک ایسا شخص تھا کہ شاید ہی کسی نے اس سے کلام کیا ہو اور کچھ بدتری
اُسے نصیب ہوئی ہو چنانچہ اپنے بارے میں کہتا ہے "میں اگر الفت و شفقت نہ کروں تو زندہ نہیں
رہ سکتا۔"

مس مسو کہتی ہے کہ ایک بارش عورت جو اسی مذہبی کی سرزمین میں رہتی تھی اُسی ہے کہ ایک وقت
کی یادگار سنے مجھ کو بہت کچھ اغوا سے بچا لیا۔ میرے دیہوں میں سے کوئی بھی اسے نہیں جانتا کیونکہ وہ
میں اپنے وطن سے رخصت ہوئی اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ مگر بعض اذرا چیزیں بھی تھیں جو میرے واسطے
بہت کچھ ہوتی تھیں۔ یعنی مجھ کو قطعی آرام و آسائش حاصل ہوا تھا۔ اور وہ اسکی بیٹی کہ یہ اسے پیار
کرتی تھی میں نے کبھی نہ سمجھا کہ کسی طرح مجھ میں اسکی الفت کم ہو گئی ہے۔ اور جب میں اپنے دل میں خیال
کرتے کرتے کسی جگہ پہنچتی تو کبھی کوئی جگہ ایسی معلوم ہوتی جہاں میں اُسے نہ لگیں ہوں۔ جب میں
خود کسی قدر تنہا ہوتی۔ کیونکہ میں ان سے ملاقات نہ کر سکتی تھی۔ جو میری ہوا تھے۔ تو میں فی الفور اپنے دل کو
مسٹر کریتی اور خیال کرتی کہ "میرا ہی کی خاطر یہ سب کچھ ہے۔"

ایک حکایت ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمدردی کی کقدر سرسراہلیج ہے
یہ حکایت رابرٹ کالیر شکار کے بیٹے جرج کے پاسی نے ایک عظیم سنائی تھی۔ مسٹر کالیر

یارگ شائر کے قصبہ کیلی میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر انھوں نے بہت کچھ اپنی اوائل عمری اٹلکے میں صرف کی جو کہ ایک خوبصورت گھاٹ ہے۔ چکی برنج آہنگ کے شاعر ہوئے۔ اور اسی زمانے میں جب یہ آہنگری کا کام کرتے تھے۔ انہوں نے شادی کی۔ پھر یہ اہل متھا ڈسٹ کے واعظ بن گئے اور میں امریکہ پہنچے جہاں یہ واعظ مقرر ہوئے۔ ان کے وعظ۔ اشعار۔ تاثیر اور فصاحت سے پُر اور انسانی حیاں ملن کے ایک سیج تجربے پر مبنی ہیں۔

یہ کہتے ہیں۔ مجھ کو یاد ہے کہ انگلستان کے ایک متھا ڈسٹ چرچ میں ایک دوستانہ ضیافت کے موقع پر کوئی تیس سال سے اوپر ہوئے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر ہکو سنایا کہ کس طرح تجار سے اسکی عورت اس کے ماتھے سے نکل گئی۔ اور پھر کچھ بعد دیگرے۔ اسکے بچے اور سب ایسے سنجیدہ اور متین ہو گئے کہ گویا کچھ حادثہ ہی سرے سے نہیں پیش آیا تھا۔ خفیف سا بھی صدر مان کو نہ گزرا۔ اور نہ بچہ ہوا اور اسکے یقین میں فضل ربانی کی حمایت اور پناہ میں اس وقت تک جب یہ ہم سے بہکام تھا ان کے دل میں کسی قسم کا غم والم بھی نہ پیدا ہوا۔

جو وقت یا سچی گفتگو ختم کر چکا تو وہ جو انداز اور دانا ضعیف واعظ جو اس محفل کا سرگروہ تھا اٹھا اور کہنے لگا۔ بھائی جان۔ اپنے گھر آ جاؤ۔ اور اپنے کمرے میں جا کر دوڑا سو۔ اور اگر ہو سکے تو جب تک تم میں نی جان نہ پڑے ہرگز نہ اٹھو۔ جو کچھ تم نے ہکو سنایا ہے یہ کوئی خوبی کی نشانی نہیں ہے۔ بلکہ یہ جھوٹ کی نشان دہی کی نشانی ہے جس سے شاید ہی کبھی کسی عیسائی کا سامنا ہوا ہو۔ بجائے اسکے کہ تم ولی ہوتے شاید ہی مشکل تم ایک پورے پورے گھنگارے فصل ہو سکتے ہو۔ غریب بھی آدمی سے نسبت نہیں دے کر تا بلکہ اسے زیادہ تر انسان بنا دیتا ہے۔ اور اگر تم انسان ہوتے تو جن تکالیف میں تم مبتلا ہو چکے ہو۔ تمھارے تمھارا دل شکستہ ہو جاتا۔ نہیں جانتا ہوں کہ اگر مجھ پر ایسے مصائب پڑتے تو میرا دل ٹوٹ جاتا اور میں کبھی ایک عاشق خاص کی نسبت زیادہ تر اولیائی کے درجہ کا اظہار نہیں کرتا ہوں۔ لہذا میں تم کو خبردار کرتا ہوں کہ ایسی دوستانہ ضیافت میں کبھی ایسی حقیقت نہ بیان کرنا۔

اب ہم مسٹر کالیر کے ایک عظیم میں ایک اور مؤثر حکایت بیان کرتے ہیں جو ایک اور سچی حکایت میں ہمدردی کی قوت کا اظہار کرتی ہے۔ مجھ کو یقین ہے کہ شاید آؤنبر میں دو بیٹے ماش ایک روز بہت سردی تھی کہ ایک بوتل کے دروازے پر کھڑے تھے۔ کہتے ہیں ایک چھوٹا لڑکا آیا۔ اسکا جوتہ مٹاپلا اور غریب تھا۔ اسکے پیرنگے اور سردی سے ٹھٹھ کر سُن ہو رہے تھے۔ اور بجز تھوڑے سے گڈوں کے اسکے بلن پر اوکوئی کپڑا نہ تھا۔ یہ لڑکا ان کے قریب کر کہنے لگا۔ جناب کچھ دیا سلائییاں خرید لیجیے۔

اس شخص نے کہا: "نہیں مجھ کو دیاسلانی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ چھوٹا لڑکا بولا: "اجی ان کی قربت بھی توئی ڈبیا ایک ہی پتی (ہندوستانی پسینہ سمجھ لو) ہے۔" یہ شخص کہنے لگا: "تم سچ کہتے ہو مگر جھکو تو ڈبیا کی ضرورت ہی نہیں! اسپر لڑکے نے کہا: "اچھا تو میں آپ کو ایک پتی کی دودوں گا۔" یہی شخص ایک انگریزی اخبار میں اس طرح لکھتا ہے: "چنانچہ اس سے سچا چھٹانے کو میں نے ایک ڈبیا خریدی مگر میرے پاس ریز کار ہی تھی۔ لہذا میں نے کہا: "میں کل ڈبیا خریدوں گا۔" لڑکا بولا: "اجی ابھی خرید لیجئے۔" میں دوڑ کر ریز کار سی آپکو لائے دیتا ہوں کیونکہ میں بہت بھوکا ہوں۔" لہذا میں نے اسے ایک شنگ نکال کر دیا اور یہ چا گیا میں اس کا منتظر مگر یہ لڑکا نہ آیا۔ اسپر میں شنگ سے ہتھ دھو کر دیکھا مگر مجھ بھی اس لڑکے کے چہرے سے ایسا اعتماد نمایاں تھا جیسے میں نے اعتبار کیا تھا کہ میں نے اسپر کتنی قسم کی بدگمانی کرنا پسند نہ کیا۔

"مگر اس کو ایک نوکر نے اندر آکر مجھ سے کہا کہ ایک لڑکا مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے مجھ سے اندر بلایا۔ اور معلوم ہوا کہ اس لڑکے کا چھوٹا بھائی تھا جو میرا شنگ لیگیا تھا۔ اور سیر خیا میں اس سے بڑھ کر شکستہ حال غریب اور ڈبلا ہوا تھا۔ یہ ایک لڑکا تھا۔ کھڑا ہوا۔ اپنے گدڑوں میں ادھر ادھر ہاتھ مارتا رہا۔ گویا کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ اور پھر کہنے لگا: "کیا آپ ہی نے سنڈی سے دیاسلانی کی ڈبیا خریدی تھی؟" میں نے کہا: "اں میں نے ہی شخص ہوں! لڑکا بولا: "تو یہ لیجئے چارپن جس کے شنگ سے بچے۔ سنڈی نہیں آسکا۔ اسکی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ کیونکہ ایک گاڑی کے دھکے سے وہ گر پڑا اور گاڑی اس کے اوپر سے گذر گئی۔ اور اسکی ٹوپی۔ دیاسلانی کی ڈبیاں اور جو اپنس آپ کے تھے سب جاتے رہے۔ اسکی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ اور بالکل آرام نہیں ہوتا۔ اور ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس کا بچنا محال ہے۔ چنانچہ بس ہی چارپن اس کے پاس میں جو وہ آپ کو دے سکتا ہے۔" اور اتنا کہہ کر اس نے یہ چارپن میں میز پر میرے سامنے رکھ دیے۔ اور بچا رہ دار دار سرسکیاں بھر کر رونے لگا۔ میں نے پہلے تو اسے کھانا کھلایا اور پھر اس کے ساتھ سنڈی کو دیکھنے گیا۔

"یہاں مکان پر پہونچ کر مجھ کو معلوم ہوا کہ یہ دونوں بچے ایک کثرت غم و رستوں کے ساتھ رہتے تھے ان کا اپنا باپ اور ماں دونوں مر گئے تھے۔ سنڈی بچا رہ گھاس پر پڑا ہوا تھا جس دم میں اس کے سامنے پہونچا اس نے فوراً مجھ کو پہچان لیا۔ اور کہنے لگا: "جناب ریز کار میں نے لے لی تھی۔ اور واپس آ رہا تھا۔ کہ ایک گھوڑے کا دھکا مجھ کو لگا جس سے میں گر پڑا اور میری دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔" یہی وہی! اسے یہی! میں تو اب لب لباب ہوں۔ اور جب میں جاں بحق ہوں گا۔ یہی وہی تیری کن خبر لیگا

میں نے رہی تو کیا کر گیا ہوں اس پر میں نے اس سے بچا ہے۔ یہ صیبت زدہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ میں ہمیشہ رہی تو کیا کر گیا ہوں۔ اور میری بات سمجھ گیا۔ اور ابھی اتنی طاقت اس میں باقی تھی کہ اس نے آنکھ اٹھا کر مجھ کو دیکھا۔ اور اسطور پر کہ گویا یہ ریشہ شکر تیار کر رہا تھا۔ اور پھر مکی منلیگون آنکھیں پھرا گئیں۔ اور بس ایک خیمہ زن میں۔

خدا کے نور میں رحمت کامل گیا بستر
کہ جیسے ملتا ہے آرام ماں کی چھاتی پر
جہاں شریر شرارت سے باز آتے ہیں
تھکے تھکے جہاں سکھ سفر سے پاتے ہیں

ہمدردی انسانیت کا جوہن ہے۔ اسکا شرافت محبت ہے۔ یہ غمزدوں اور مظلوموں کی محتاج اور خردیات پوری کرنے کے واسطے نکلتی ہے۔ اور جس جگہ پر جمی یا جو حالت یا مصیبت کا عمل ہو۔ ہمدردی اپنا ہاتھ آگے بڑھاتی ہے اور انسان کی تسلی بخشی کرتی ہے۔ غم کا نظارہ۔ آہ و نال کی آواز۔ ہمدردی دل میں ستم بھجواتی ہیں۔ اور کبھی اسے خالی نہیں چھوڑتے۔ ہمدردی اور عدل سے بعض بڑے بڑے زمانہ کے واقعات پیش آئے ہیں۔ ہماؤنگستان۔ امریکہ اور فرانس میں غلاموں کی آزادی کا ذکر کرنا چنداں ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ علامہ اسکے ہجو جابلوں کی تعلیم ستر سے سکول کا رواج منشی اشیار کے ترک کرنے کی کوششیں۔ ادب سے پائال لوگوں کی فلاح اور بہبود و جمیل اعلیٰ مدارج کے اثرن مرد اسقدر دیکھ چکے ہیں کہ بیان کرنا لا حاصل ہے۔

دنیا میں ہر شخص کے واسطے ہمدردانہ استغاثت کی گنجائش ہے۔ وہ شخص جو خداوند تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اپنے ہمسائے سے محبت کرتا ہے خواہ وہ امیر ہو خواہ غریب۔ اور کبھی نصف۔ راست باز اور جیم بننے سے نہیں چرکتا۔ **میسلمین** کا قول ہے ”منصف شخص کا ترجمہ انسان سے اعلیٰ اور خیر ہر ایک چیز سے افضل ہے۔ تمام مخلوق اسکی زیر دست ہے۔ اور یہ صرف خدا کا زیر دست ہے۔“ مریض کی تیمارداری کرنا یتیموں اور یرورہ عورتوں کی امداد کرنا۔ اور ان سے لعنت اور شفقت سے پیش آنا۔ غلام کی بہبود اور ترقی کی فیاضانہ تجاویز کو سونپنا ان کی تائید اور معاونت کرنا۔ ان سب میں محبت۔ رحم اور محبت کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر مارٹینیو کہتے ہیں: ”جو طبیعت چاہے مسیحی جوش کی ناکامیوں اور غلطیوں کے بارے میں کہو مگر کوئی سرگرمی اس سے بڑھ کر دلائل قابل نظر نہ آئیگی جس نے انسانی مصائب کے واسطے اسکا آدھا بھی

کیا ہو جب بس نے خود اپنے انجام فراموش کر دیئے۔ یہ رہاں تک دوسروں کے پاس پہنچی جانتک کوئی سرگرمی اپنی رسائی نہ کرتی۔ لیکن اگر کلیسیا نہ ہوتا تو عیسائی دنیا میں مدرسہ کہاں ہوتا۔ اگر وہ شری فرج نہ ہوتا جسکو اکثر تک اٹھانا اور شکست کھانا پڑی۔ تو ان تہذیب و دانشانی کی صفوں کا کہاں ٹھکانا تھا۔ اور وہ صفیں ہر جگہ دنیا کے وحشی بن کو کم کر رہی ہیں؟ اگر انسان کی روح کی تقدیس دل میں نہ ہوتی۔ تو سب کو بیک منتظر رہنا پڑتا تاکہ دم اور جسمانی علاج کے مختلف طریقے ٹھہر پڑتے ہوتے؟ آپس کچھ شک نہیں کہ عیسائیوں نے بہت سے احمقانہ کام کیئے مگر انائی کے کام بھی تو بہت کچھ بڑھکر کیئے ہیں۔ انہوں نے بے شک اپنی زبان کی بدولت دنیا کو ایسا موقع دیا کہ وہ انھیں نظر حقارت سے دیکھے۔ لیکن انہوں نے اسے بہت کچھ قابل فائز بھی تو بنایا۔ اور پھر یہ کہتے ہیں۔ "اگر ایک بار غریب غریب بھی مذہب کے زندہ چشم کو محسوس کر لیتا ہے۔ اور تمام خاندان کے لئے میں خوف خدا جاگزیں ہو جاتا ہے۔ تو مٹی سے ایک تصویر پیدا ہو جاتا ہے۔ گڈرے اور حقیر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ سب اس میں ملتا ہے۔ بیماری دور ہو جاتی ہے۔ اولاد شگفتہ ہو جاتی ہے۔ تباہی کا بازار سرد ہو جاتا ہے۔ پچھلے بڑے ایام بہتری اور ترقی کے سیلاب میں ڈوب جاتے ہیں۔ اور ڈول چو کمپی سست اور دھیماتا۔ اب امید اور تکیہ سے زندہ ہو جاتا ہے۔"

ورڈ سبور تھ کا قول ہے۔ "غریب سے غریب بھی بھڑپھڑپھڑتی ہوئی برکتوں کے فلی اور حصہ دار بن گئے ہیں" یعنی ایک چارے پورے تھ میں مدرسہ کھولے۔ جس کے بارے میں ڈاکٹر کو تھاکر کہتے ہیں۔ "جان پاؤنڈس" (مذکورہ اسکریچا کا نام) انسانیت کی ایک گت ہے اور اس لائق ہے کہ چاروں انگ انگشتان میں سب انچا اسکا بت بنایا جائے۔ جگہ جگہ کے ایک چھپا چھا والے نے انگریزی سندے سکولوں کا رواج دیا جو اس لائق ہے کہ اسکا بت جان پاؤنڈس سے بھی بڑا بنایا جائے۔ نیو کال کے ایک کفش روز نے ہندوستان کو روشن بھیجا۔ ایک لڑکی نے جو ایک کارخانے میں محنت فردوسی کرتی تھی گلاسگو میں "فاؤنڈری بوائز ٹیچس سوسائٹی" کی بنیاد رکھی۔ امیر سے بڑھکر غریب کو غریبوں کی ضروریات معلوم ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں اس سے بڑھکر آؤ کوئی چیز غناک نہیں سبکدستی کہہ ان کی پرانی اولاد کو پروردہ اور شکر چہرے دیئے ہوئے ہیں ان کی پیشانیوں پر شکن ٹپری ہوئی ہو۔ سخت غم اور فکر کی مہراں پر لگی ہوئی ہو۔ غریب کچھ بھی جن اوقات گھر نہیں ہوتا۔ امیر اور غریب علیحدہ علیحدہ اور عبادت رہتے ہیں۔ بہت سی رکاڈ میں ان کے اس راہ ورسم حال میں جو معاشرت کے متعلق ہے۔ غریب بچا بچوں کی سوائی بھی بھران کے

ہم مرتبہ پیش خاص کے آؤ کر کوئی نہیں کوئی ندیدو ایسا نہیں کرنا یا سیدہ اور بے علم لوگوں کے غلط فہمی سے باز رہ سکیں۔ جو لوگ بچا ہے بہت ہی غریب ہوتے ہیں ان کی اولاد اس طور پر ان کے ساتھ رہتی ہے گویا یہ غورنگ کے حق میں اپنے والدین کی حریف ہے۔ اور یہ بچا رہے اوائل عمری ہی میں زندگی کی سختیاں جھیلنے لگتے ہیں اور ہلکی شکستیں میں پڑ جاتے ہیں۔ میروں کے نزدیک غریب بچا رہے ایک انجان اور تیرہ دن ایک ملک کے باشندے ہیں۔

مگر صلیح ہے کہ صرف غریب ہی فی الحقیقت اور سچے طور پر غریب خیال کرتا ہے۔ یہی صرف ایک سو کے مصائب جانتے ہیں۔ اور ایک سو کے کی نعمت اور ہمدردی کی احتیاج کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ امیروں کی سخاوت کے بارے میں جو چاہیں لوگ کہیں نہیں لیکن اگر غریبوں کی سخاوت سے مقابلہ کیا جائے تو ہلکی کچھ حقیقت بھی نہیں۔ تنہائی۔ بیماری۔ تکلیف اور مصیبت کے وقت غریب ایک دوسرے کے استدر صدک معادن اور آرام دہین جاتے ہیں جس کا کبھی طبقہ امارت میں خواب بھی کسی نہیں آتا۔ درجن اور سال ایسا بچا ہے قابل روزی کی خاطر محنت اور شقت کرتے ہیں۔ مگر تاہم سب کوئی بھائی ان کا مصیبت یا احتیاج میں پڑتا ہے تو فوراً کوئی تہمت باندھ کر بدگوئی کر جاتے ہیں کبھی شہریت نہیں ہوتی کہ کوئی دوست سر پر کھڑا ہو کر ایسے وقت میں اپنا ہاتھ آگے بڑھائے۔ اور وہ تمام حدیں کرے جس سے مصیبت اور کمیا۔ قابل برداشت ہو جائے۔ غریبوں کی عورتیں اس لحاظ سے خصوصاً نہایت سرگرم اور اٹھک ہیں۔ یہ زبان ہوتی ہیں۔ اپنی جان فدا کر دیتی ہیں۔ تنہائی اختیار کرتی ہیں۔ اور قناعت اور شفقت اس حد تک اختیار کرتی ہیں کہ جو دنیا کو ہرگز معلوم نہیں۔ اور اگر معلوم بھی ہو تو شاید ہی یقین ہو۔

حال میں رابرٹ ریچ کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ لہذا جو کچھ ہم بیان کریں گے وہ مختصر ہوگا۔ سندس سکول اس سے پہلے موجود تھا۔ چنانچہ ایک سکول کا رٹنل مارو میو کا تھا جو کوئی چار سو برس مرچو تھا۔ اور انگلستان میں بھی بہت مدت سے سندس سکول چلے آتے تھے۔ شیخ فہیم گنگوٹلی ریسن ساز ڈسٹرکٹ کا باشندہ تھا جس نے پہلے پہل ریچس کے ل میں یہ خیال پیدا کیا تھا یعنی اس نے ڈسٹرکٹ میں ایک سکول کھولا تھا۔ جو باہمی اتحاد کے نمونے کے باعث ناکام رہا۔ مگر اس نے اپنی تجویز پر پورا اعتماد رکھا۔ نہ دیا۔ چنانچہ جب یہ گلوٹر میں تھا۔ ایک روز انوار کے لکھنؤ ریچس اس نے ملاقات کی۔ اور دونوں باہم شہر کے ایک نہایت اونٹے اور ابا را میں رہے جو کچھ جیتے ہیں گزرے۔ یہاں تک کہ حال بچے مختلف کھیلوں میں مشغول تھے۔ بڑا بولا۔ کیسے ترس کی جائے تھے۔

سبت کی طرح خرابی کی جائے! " اسپر کیس نے کہا " مگر اسکا علاج کس طرح ہو سکتا ہے؟ " جواب " ابھی ایک سنڈے سکول کھولئے جیسا میں نے ڈسٹے میں ایک وفادار کا گھر کی امداد سے کھلوا تھا مگر کاروبار کی زیادتی کے سبب جس قدر تیس چاہتا ہوں اتنا وقت صرف نہیں کر سکتا کیونکہ مجھکو آرام درکار ہے "۔

تیس گھنٹہ کی حوالات میں پہنچا۔ اسکو ایک جوان ملا جسے نقب نی کی علت میں شمت کی سزا مل چکی۔ تیس کل بیان ہے " اسکو ایک شرمیلی تعلیم ملی تھی۔ اور کبھی اس نے اپنے خالق الہی کی عبادت نہ کی تھی۔ یہ خدا کا نام صرف قسم کھانیکے واسطے جانتا تھا۔ اور وقت کے خیال سے محض بے بہرہ تھا " اس ملاقات کا بہت ہی ریکس کے دل پر اثر ہوا۔ شہر کا شاندار رہی کوئی نوجوان تعلیم یافتہ ہوگا کیونکہ انہوں نے ذرا بھی ہوش سلجھا لا اور کام کاج کے قابل ہوئے۔ فوراً کام پر لگا دیئے گئے اور اپنی خدمت کے اوقات میں جن میں کہ انور خواجہ کاتھنا تھا۔ پیچھے بلا کٹی محنت کے آزاد چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ ریکس نے اسپر ایک سنڈے سکول کھولا۔ اسکے ل میں بچوں کی بہت ہمدردی تھی چنانچہ بچہ چلے یہ لڑکے اس سے گرویدہ ہو گئے۔ یان کو پیار سے دلق پرش کہا کرتا تھا اس نے ان کو چرچ کنگڈم (سیچی کلیسیا کی نماز) پڑھانے اور یاد دلانے کی تجویز کی۔ اور ان چھوٹے بید یون میں تربیت پر زور دیا۔ ششہ میں اس نے چار مدرسے کرایہ پر لئے۔ اور ان بخلت کے مارے ہوئے بچوں کے دستہ دوں کو فی شخص ایک سنڈے مینا منظر کیا۔ کلیسیا کا خادم دیں بھی ہر اتوار کی سیر ہو کر بلایا جاتا اور یہ مدرسے کے طلبہ کا امتحان دیا کرتا۔ اور ان کی ترقی تعلیم کو جانچتا۔ ریکس کے مدرسوں میں تعلیم کے نہایت ہی شقییت سامان تھے یعنی استاد بچوں سے صدقہ لی سے محبت کرتے تھے۔ اور ان چھوٹے لاکوں کے دل اپنے معلموں کی الفت سے متحرک ہوتے تھے۔

تیس کے پہلے پہل مدرسے قائم ہونے کے کوئی تیس سال بعد جب کیم ترک کر چکا تھا۔ ایک جوان کو کیرسی جو زف لنگاسٹر اسکے ملاقات کو آیا اور ششی شخص کی بدولت وہ مجلس قائم ہوئی جو بچوں "دی برٹش انڈیان سکول سوسائٹی" (برطانیہ و ممالک خارجہ کے مدرسوں کی مجلس) کے نام سے موسوم ہوئی۔ اور جس کا کام تھا کہ ہفتہ وار عربوں کے بچوں کو تعلیم دیا کرتی تھی۔ اس وقت سنڈے سکول کے بانی (ریکس) کی عمر ۷۲ سال کی تھی۔ اور علی کاروبار سے اسکا زمانہ گزر چکا تھا۔ مگر کبھی اس نے اپنے پڑھت درنگلہ میں بہت دلچسپی حاصل کی۔ لنگاسٹر نے سنڈے سکولوں کی صلیت کے بارے میں بہت تحقیقات کی تفتیش کی۔ اور اس بارے میں جو ریکس نے جواب دیئے ان میں سے ایک دلچسپ حال

ایک جوت ہے

اپنے دوست کے ہاتھ کے سہارے پر چل کر اسے گلوٹر کے ہتھوڑے کے سامنے ان میں پھرتا ہوا
اس مقام پر پہنچا جہاں پہلا سٹند سے سکول کھلا تھا۔ اس ضعیف شخص نے کہا: ”یہاں محضر جائے“
اور پھر ننگے سر ہو کر اور اپنی آنکھیں بند کر کے ایک لمبے تک یہ خاموش کھڑا دعا مانگتا رہا۔ پھر اپنے دوست
کی طرف پھرا جبکہ انکھوں سے رخساروں پر آنسو رہے تھے۔ اور کہنے لگا: ”یہ وہ مقام ہے
جہاں کھڑے ہو کر میں نے بچوں کی تباہی اور شہر کے باشندوں کے قصوں سب سے کئے ان کی تباہی
دیکھی تھی۔ اور جب میں نے پوچھا ”کیا کچھ نہیں ہو سکتا ہے؟“ ایک آواز آئی: ”کوشش کر“ چنانچہ
میں نے کوشش کی اور دیکھ لو خدا نے کیا کر دکھایا۔ مجھ سے یہ سرگرم نہیں ہو سکتا کہ اس مقام سے گزروں
جہاں کوشش کر کے ”کی آواز میرے گوش میں آئی۔ اور اپنے ہاتھ اور دل آسمان کی طرف اٹھا کر خدا نے
قادر مطلق کا شکر ادا کر دیا جس نے ایسا خیال میرے دل میں پیدا کیا“

یہ سمجھ کر کہ جس بہت برسوں تک تو اتر شہر میں رہا تھا جلیجی نے میں جا کر رہا تھا۔ اور بہت سے
موقعے ملے ملا کرتے تھے جن سے یسائیت کی تصدیق کرتا کہ آئین تین ہزار بچوں میں سے بھی کوئی
کبھی حالات کی چار دیواری میں آیا تھا جن کی تعلیم کا اہتمام اس نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ لنگا سٹرنے
اس کو پوچھا کہ ”ایک بھی ایسا کوئی ایسا لڑکا نظر آیا جو حالات میں پہنچا ہو۔“ ریکس نے اپنے حلقے کی امداد
سے جواب دیا: ”میں بھی قوی اور برقرار تھا جواب دیا کہ ”کوئی نہیں“

میری این کاؤ گلا سگو کے کارخانے میں مزدوری کرنے والی لڑکی کی حیثیت سوسائٹی میں
رابرٹ ریکس سے بڑھ کر منکسٹری۔ یہ بیجاری چرخ پھرانے والی تھی۔ حالانکہ ریکس ایک اخبار کا ایڈیٹر
تھا۔ مگر اسپر بھی اس کی کوجیا کہ ہر ایک فرد بشر کر سکتا ہے انسانیت کے رنوں کا علاج کرنے میں
مدد دینے کا موقع ملا۔ یہ تربیت تھی جو اس کا باعث تحریک ہوئی تھی۔ بلکہ شفیقانہ ہمدردی انات تھی۔ یہ
اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کی واسطے محنت کرتی۔ مگر محبت نے جو سب سے بڑھ کر اعلیٰ معلوم ہے اسکو
محنت کے ایک بلند رسید ان تک پہنچایا۔ جب اس کا دن کا کام ختم ہوتا تو محبت کی محنت شروع کرتی۔
اس نے بہت سے لڑکوں کو دیکھا جو کارخانوں میں نوکرتھے۔ مگر کوئی بھی ان کا پرسان حال اور خبر گیر نہ تھا
یہ بالکل غفلت کی تاریکی میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور اوائل عمری ہی سے بدی کے سبق انھوں نے
پڑھے تھے۔ اس لڑکی کو ان پر رحم آیا چنانچہ اس نے کہا: ”تیرے کوشش کروں گی کہ آئیں ان کو خدا
کی حضور کی قائل اور نیک کام کرنے کے لائق بنا سکتی ہوں“

اس کا مصمم ارادہ کرنا تھا کہ سپر جلد راکر نہ لے کی اس نے کوشش کی جس کا رخا نہیں گیم کرتی تھی۔
 اس کے نیچے ایک کمرہ تھا۔ ایس نے مانگا اور اسے لگایا۔ چنانچہ جون ٹلاشہ میں ہاں ایک اتوار کو اس نے
 مدرسہ کھولا۔ بہت جلد کارخانے میں کام کرنے والے کچھ لڑکے اسے مل گئے۔ ان کے کپڑے پھٹے اور
 خراب اور چرے غلیظ تھے۔ اللہ کا رخا نے کشت پر جو مکان تھا اس میں رہنا وقت حقہ نوشی یا بڑھتی
 کے شغلوں میں بسر کرتے تھے۔ اس ان کو بجا کر نا پڑھنا لکھنا صاف ستھرا رہنا۔ دیکھ اور دینا
 بننا سکھایا۔ یہ ان غریب آوارہ گرد غفلت زدہ لڑکوں سے محبت کرتی تھی۔ اور حقیقتاً اس نے عین
 ان کی محتاجی میں ان کا ہاتھ پکڑا۔

اور پھر ان لڑکوں کے بچکنے اور بہتر بنانے میں جو اس کی کوششیں تھیں وہ اتنا تک ہی محدود نہ رہیں۔
 یعنی یہ لڑکے تمام مہینہ اس کا وقت لے لیا کرتے۔ اور یہ شریف لڑکی جن میں اس دن کا کام ختم ہوتا۔ ان
 لڑکوں کے گھروں پر اگر ان کو گھر کہہ سکتے ہیں جایا کرتی۔ یہ ان کو ان کے غناکالات۔ ان کے خطرات۔
 اور مصائب کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اور اپنے مسیحی اصول۔ اپنے منصور طریقوں اور بھی دہرائیوں سے
 اس نے ایسا اپنا رعب ان پر بٹھلایا جس سے نہایت ہی مسرت بخش نتائج نکلے اور میں آئے۔ یہ لڑکے
 حقیقت اپنے باقی ہم تربہ اور ہم حیثیت لڑکوں سے اس قدر ممتاز۔ اور اپنی نیک چلنی۔ بزرگائی سے اپنی
 آزادی اور اپنی محنت و مشقت کے باعث ایسے افضل تھے کہ میری بن کے لڑکے تمام کارخانوں میں
 ضرب اہل ہو گیا۔

ڈاکٹر گتھری کہتے ہیں۔ یہ سوچا کہ انسان لیکن ہو جاتا ہے کہ سفید عیبائیوں نے جن کے پاس
 دس گنا وقت تھا۔ روپیہ کثرت تھی۔ زیادہ تعلیم یافتہ تھے۔ اور زیادہ باعجب تھے۔ جو کچھ اس لڑکی نے
 کیا اس کا دسواں حصہ بھی انہوں نے نہ کیا۔ اگر کوئی شخص انصافاً یہ عند پیش کر سکتا تھا کہ ”کیا میں اپنے
 بھائی کا محافظ ہوں؟“ تو وہ یہ لڑکی تھی جس کی واسطے اپنا گزارہ ہی کرنا مشکل تھا۔ اور جو کچھ علی الصباح
 ہر روز کا غلنے کے گھنٹہ کی آواز پر اٹھتی تھی۔ اور سنسان اور تاریک گلیوں میں سے ہو کر آدھا کام کرکے
 تھی جب کہیں نیا کی آنکھ کھلتی تھی۔ اور بسا اوقات رات کو یہ اپنے ریمان کام پر جاتی۔ کم شد و کوشش
 کرتی اور گرسہ ہوؤں کو کھاتی۔ اور خود اپنے نازک ہاتھوں سے انسانیت کے زخموں میں ٹانگے
 لگاتی۔

کوئی تریال سائیر سی این کلاؤ نے اپنی شریفانہ محنتوں کو جاری رکھا مگر کچھ اس کو مجبوراً صحت کا تریال
 کے باعث اس کا دوروں کے سپرد کرنا پڑا۔ مگر جو بیچ اس نے بویا تھا اس نے جڑ پکڑی۔ اور بہت اچھی

فصل کی پشہ ۱۸۶۷ء میں "گلاسگو فائونڈری اور ٹریڈینگز سوسائٹی" قائم ہوئی تھی۔ اور سال کے عرصے میں
 اسکے جیسٹریس ۱۴۰۰۰ لوگوں پر لڑکیوں کے نام درج تھے۔ اور جبکہ کرسمس کوئی ۱۰۰ طلباء اور دو
 سے زائد شریف آدمی تھے۔ ۳۰۰ سے زائد شرفاء شہر کے مختلف حصوں میں نوجوانوں کے ساتھ تقریباً
 کرتے۔ اور ہر ایک چیز ان کی اس برتری اور پیوڈیکلو سٹ کی جاتی جو معاشرے کے تعلق تھی۔ ان کی طاقت
 نے سلسلے سے سکول اور گھریں ایک رشتہ پیدا کر دیا۔ دیوی اور دیوی انیمز آزادانہ طور پر جاتی۔ اور
 پھر ہنگامی گویا اس درس گاہ کی بنیاد تھی۔ پٹی بکس اور پیوڈیکلو سٹ قائم کیے گئے۔ موسیقی کی جامعہ
 نے ایک اور طاقت کا منبع پیدا کر دیا۔ ہر شنبہ کی شام کو موسیقی ضیافت منعقد ہوتی۔ اور نوجوانوں کو شہری
 زندگی کی ہر حالت۔ مشرارت اور لاپرواہی سے باز رکھنے کی واسطے سب کچھ کیا گیا۔ پھر دیوی تعلیم کے
 استادوں کے تمام لوگ اپنی مرضی سے درگاہ کا کام کرتے تھے۔ اور ان کی سب سے بڑی محنت تھی کہ
 سہ گرامیں اسکے اور لڑکیاں اپنے ہنرمندی کے ساتھ دیہات تھیں بل پر جاتیں۔ اور عموماً پڑھ کر
 آف آرگنائزیشن کی ہر غوریں باتیں جو آواز میں تھیں۔ اور آفتاب (ڈیوڈ) اس سوسائٹی کے
 آئینہ پر پرنٹڈ تھے۔ چنانچہ سیریل کے ایک دوست پر ہوا اس درس گاہ کی شہرت بیکاروں والی معلوم ہوئی
 تھی۔ گویا بکسٹ فائونڈری اور ٹریڈینگز سوسائٹی کے نام سے موسوم ہے۔ ان لوگوں کے خواہش یہاں تک وسیع
 کر دیے گئے ہیں کہ ہر ایک شخص کی لڑکی لڑکا اس میں شام ہو سکتے ہیں۔ اور جو بچہ اس سے بڑا ہو چکا
 ہے وہ نام لے کر اس سے۔ کاش ہر ایک شہر میں اس قسم کی درس گاہ ہو۔ کیونکہ ابھی تک صرف سکاٹلینڈ
 کو تھیک۔ آؤنبرائڈ تھیک اور آؤنبرائڈ میں اس شکل کی تعلیم ملتی ہے۔ جب کہ بچہ اور لڑکے پڑھ لکھتے ہیں اور
 اور تمام مشاغل ان کے لئے کھلی ہوئی شہر میں بھی لایا ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان شہروں میں اس قسم
 کی درس گاہیں بہت قیمتی ثابت ہو چکی ہیں۔

با صبیحہ پتروہم

خیر خواہی عام

(شعبہ کسپیل)

شہری اور دیہات میں ہر طرف کا پھیلنا ہے۔

جہاں گھر ہو۔ جہاں کھانا ہو۔ جہاں شہر ہو۔ جہاں دیہات ہو۔ جہاں کھانا ہو۔ جہاں شہر ہو۔ جہاں دیہات ہو۔

اگر ہی ہے سائنے ادا کی وہ جسے شیر + دوست ہے تیرا بھی بنتا ہے اگر دست گیر
تسب مرگ بنی نوع کی ہزاروں دردناک آوازیں بلند ہوتی ہیں جو ہم بالکل کھینچ نہیں سکتے۔
بیود عورتوں اور شہیم بچوں کے ہزاروں نلے ہمارے کان تک بالکل نہیں پہنچتے..... ہزاروں
رخسار آسمانوں سے ڈھلتے ہیں درخشندہ چہرے ناقابلِ اظہار رخ و الم سے شرمندہ ہوتے ہیں
جو ہم بالکل نہیں دیکھتے۔
(جان و ولیدین)

جس قدر جہانی طاقت کی رہنمائی مہلحہ سادہ و سہول کی تربیت کیواسطے ضرورت ہے انسان اس کا
اعتقاد ترک کرنے میں بہت مشکل ہے۔ طاقت نہایت ہی قابلِ پس چیز ہے۔ اور توجہات اور
تأثرات کی بہت اچھی طرح منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ یہ غیر رسمی لیل کے جانچنے کے کسی امر کے تصور کا
مثابت ہی ناقص طریقہ ہے۔ یہ ان وحشیوں کے منطق کا خلاصہ ہے جن میں سب سے بہتر شخص وہ
ہو جسے نہ بدست ضرب لگا ہے نہ سب سے بڑھکر سے خطا نشانہ مارا ہے۔

شاید یہ اقوام نے بھی طاقت کا اعتقاد ترک کرنے میں بہت کچھ کوشش کا اظہار کیا ہے۔ کچھ نام
مال ہیں۔ وہ معزز آدمی جو اتفاقی ترک کھا جاتا تھا اپنے جھگڑوں کا فیصلہ ڈوئل سے کرتے تھے۔
اور مسافرتیں قریباً بلا اشتہار و ٹکی تو قومی نظاموں کی ایسے تنازعوں کے تصفیوں کے لیے ہتھیاروں
پر تھوڑا سا توجہ دیتی تھیں۔ حقیقت یہ کہ طاقت کی تاثیر کی اس قدر تعلیم و تربیت کی گئی ہے۔ اس قدر اس پر نظر مارتا
کہ کیا گیا ہے اور تھوڑے اعلیٰ اعلیٰ ناموں سے منسوب کی گئی ہے کہ ہم شاید ہی اپنے خیال میں اسے ممکن سمجھ سکتے
ہیں کہ سو سالہ کوشش کا سلسلہ قائم رہے، اگر قوت کی شوق کو دور کر دیا جائے اور بجائے اسے محبت۔ فیاضی
اور عدل کی شوق کو رکھا جائے۔

اور ہم طاقت کی حکمت عملی کی تاثیر کے بارے میں بڑے بڑے شک کی پھیلے ہوئے ہیں یہ شہید
کہ طاقت کے اسے اس سے بڑھکر فراغت دیکھ رہی ہے۔ اور اگر انسانوں کو سخت گیری سے روکا
جائے تو بہت کم کام دیکھا جاتا ہے۔ جو دنیا فوقتاً اندر خالی۔ دشمنی۔ بری اور جہلم میں بھجوتا ہے اور
اس پر شک نہیں کہ تمام ملکوں میں اور ہر زبان میں طاقت کی حکمت عملی کا یہی نتیجہ ہوا ہے۔ اور دنیا کی تاریخ
ایک جگہ جہانی طاقت کی ناکامی کی تاریخ ہے۔

کیا ہم دانا ہوتے جانتے ہیں؟ کیا ہم نے یہ دیکھنا شروع کر دیا ہے کہ اگر ہم انسان کو زیادہ بشاش اور
بہتر بنائیں تو کچھ ایک مری اور زیادہ اکیس طاقت سے بڑھ کر دانا چاہیے۔ اور وہ طاقت علم کی ہے؟ ان
ظہور سے بھی نوع سے پیش آنے میں کئی طرح بھی بغاوت یا مزاحمت نہیں پیدا ہوتی۔ اور اگر

ان سے انسان بہتر نہیں بنتا بلکہ ہر صورت سے بہتر بنتا ہے۔ محبت سب بڑھکر زود اثر طاقت ہے اور جو فرد بشر اس کے زیر سایہ آتے ہیں ان کو عالم تر اور مذہب بنا دیتی ہے۔ یہ انسان میں مذہب کو ظہور دیتی ہے۔ اور انسان کی نیک فطرت میں بغیر مذہب کی موجودگی کے اسکی ترقی کا کوئی وسیلہ کارگزار نہیں ہوتا۔ ہر مادی ہر ایک فطرت کا بہتر حصہ نمایاں کرتی ہے۔ مزاحمت کو لاچار کر دیتی ہے۔ غرضی جذبات کو مغفوق کر دیتی ہے۔ اور سنگدل سے سنگدل کو موم کر دیتی ہے۔ یہ بدی پر غالب آتی ہے اور نیکی کو تقویت دیتی ہے۔ اور پھر اگر اُسے قوموں تک وسیع کیا جائے تو وہاں بھی یہ کارآمد ہوتی ہے۔ اس نے اب تک اتنا تو کیا ہے کہ جہوں اور عقوبت میں قانون اراضی تعلقہ جنگ (فیوڈل سسٹم) کو موقوف کر دیا ہے۔ اور اگر اسے آزادی ہی جائے تو قوموں میں جو اہم جنگ ہوتی ہے اسے بھی مغفوق دیکھ لو۔ گو یہ خیال اس وقت وہی معلوم ہو۔ لیکن نیندہ نسل نیکی اور جنگ کو ایک خوفناک جرم سمجھ کر اس کو احترام کر گئی ہے۔

ایک سرسبز بیان ہے۔ ”محبت اس شخص کی ماری ہوئی دنیا کو جیسے چہرے پر چھریاں پڑ گئی ہیں نیا چہرہ عطا کر گئی۔ اور یہ دنیا وہ ہے جس میں ہم مدت مدید سے بطور دشمنوں اور کافروں کے بود و باش کر رہے ہیں۔ اور یہ دیکھ کر دل میں گر محبت ہی پیدا ہو جاتی ہے کہ کسی جلدی مدبروں کی فضول سفارت فوجوں اور بحری محکموں کا ضعف اور پناہ کی صفیں کس طرح یہ خالی تھیں (محبت) بحکم موقوف کر دیگا محبت وہاں پہنچ گئی جہاں یہ جان نہیں سکتی۔ اور چونکہ خود ہی پناہ نصاب۔ خود ہی اپنی قوت اور خود ہی پناہ دہن ہے۔ وہ وہ کام یہ اپنے اہل طریقوں سے سرسبز کام کو پہنچائے گی جو طاقت سے ہرگز نہیں چمکتے۔ کبھی تم نے موسم خزاں میں کسی لکڑی میں لکڑی نہ دیکھا ہے؟ یہ پودے کی قسم سے ہوتا ہے مضبوطی کا اسمیں نام نہیں تو نہیں بلکہ یہ پھر ایک نام مضبوطی کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ مگر پھر بھی اپنے استقلال۔ بہادری اور ناملوک حزم سے آگے بڑھ کر پناہ راستہ سخت سے سخت زمین میں نکال لیتا ہے۔ اور حقیقتاً سخت تہ کو توڑ کر سر باہر نکالتا ہے۔ پس یہی لطف کی قوت کی نشانی ہے۔ انسانوں میں اس اصول کی نیکی بڑے بڑے کاموں میں کارآمد ہونے کے لحاظ سے متروک اور فراموش معلوم ہوتی ہے۔ تو اس میں نمایاں موقعوں پر دو ایک بار کامیابی سے اسکی زائش کی گئی ہے۔ یہ ہماری عظیم نشان۔ بخت عیسائی دنیا کم از کم اب تک انسان دوست ہونے کے لحاظ سے زہر ہے۔ مگر ایک ن وہ آئینا کہ سب ایک دوسرے کے جان نثار ہونگے۔ اور ہر ایک مصیبت آفت کے عالمگیر آفتاب کے طلوع میں حاصل ہو جائے گی۔“

زمانہ سابق میں طاقت کے اصول سے نہایت مصیبت ناک طور پر مجبوزوں۔ جہانیوں۔ غلاموں اور مجبوروں کی سلوک کیا جاتا تھا جنونی زنجیروں میں جکڑے جاتے تھے اور وحشی دزدوں کی طرح

پنجروں میں بند کر دیئے جاتے تھے۔ جذامی شہر بدر کر دیئے جاتے تھے۔ اور کسی دور دراز جگہ ان کو
 بودیاش اختیار کر لی جاتی تھی۔ اور اس طرح گو یہ خود انسان تھے مگر انسانوں سے دور رکھے جاتے تھے۔
 جہاد میں غلاموں کو پتہ پر پہاں تک سخت و مشقت کرنا پڑتی تھی اگر خیر کار بیچارے صیبت میں نہ پڑتے
 نہ جاتے تھے۔ محرم ہا میں جنس اس قدر کثرت سے لکھا بھردیئے جاتے تھے کہ جتنے کر یور و سپ کے جہان میں
 شرارت اور نا انصافی کا گھرن گئے۔ کوئی ہم ستو برس گزرے کہ زندہ مجرم فلا ریش اور پا کسلے اکثر لوگ
 کے عمل جراحی کیواسطے حوالے کر دیئے جاتے تھے۔ اور انسان کی جگہ زبان جانور کا کام دیتے ہیں۔
سنٹ و سنٹ ڈمی مال ایک اعلیٰ ترین درجہ کا ہی خواہ عوام تھا۔ یہ انگلیڈک
 کے ایک ہتھان کا بیٹا تھا۔ اسکے والد نے اسکو تپاری بنانے کے واسطے تعلیم دی۔ اور یہاں تک کہ اپنی
 قلبانی کے موٹی بھی اس کے کالج کے اخراجات کیواسطے فروخت کر دیئے۔ ماریسیل میں اس کا ایک
 دوست تھا۔ وہ اپنی وفات پر کچھ تھوڑا سا ورثہ اس کیواسطے چھوڑ گیا اور یہ اسے لینے کے واسطے بنام
 سمندر سفر کے پہونچا۔ یہ جہاز پر سوار ہو کر اپنے وطن کو واپس چلا۔ مگر بہت کچھ متاثر کرنے کے بعد
 تین اور تین قزاقوں کی کشتیوں نے اس جہاز کو آگیا اور اہل جہاز کو گرفتار کر لیا۔ انشاء جگہ میں سنٹ
 نہایت بری طرح ایک تیر سے زخمی ہو گیا۔ جہاز کے طائرہ اور سا فر زنجیروں میں جکڑ لیئے گئے۔ اور
 و سنٹ ان میں موجود تھا۔ یہ ٹیونس پہونچا جسناں غلام بنایا گیا۔ چونکہ یہ بھی کام کے قابل نہ تھا
 اور دائم المریض رہتا تھا۔ ایک طبیکی ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ ایک سال کے اختتام پر اس کا آقا
 فوت ہو گیا اور پھر یہ ایک میندار ساکن نائس کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ و سنٹ کی تحریک پر اس کے
 آقائے دوبارہ عیسائیت اختیار کر لی اور ان دونوں نے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ یہ ایک چھوٹے
 سے ڈونگے میں بیٹھ کر چل پڑے۔ اور جنوبی فرانس میں اگسٹس پورٹس پر بہ خیریت تمام آپہونچے۔
 اسکے بعد سنٹ و سنٹ ڈمی مال روم کی ایک انوٹی مجلس میں شامل ہوا۔ اور اس مجلس کا کام
 مریضوں کی خدمت اور تیمارداری کرنا تھا۔ بعد ازاں یہ پیرس پہونچا اور یہاں بھی یہ ہی کام کرتا رہا۔ پھر
 یہ کاوٹ ڈمی جاگنسی انسپکٹر ٹکس کے خاندان کا اتالیق بن گیا۔ یہاں اس ہارسی نے بڑے بڑے نجی فوائد
 سماں کیئے۔ یعنی انسانان فریبی غلاموں کی طرح پیوار سے جکڑ کر باندھ دیئے جاتے تھے۔ اور پھر ان کے
 محنت مشقت لی جاتی تھی۔ اس نے اپنے کو ان کی امداد کیواسطے وقف کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی سیرت
 نے اسکی کارروائی سکر اسے چھٹی انوں کا اسنے انسپکٹر بنا دیا۔ ایک عرصہ پر تو اس نے حقیقتاً ایک صیبت
 قیدی سے اپنا عمدہ بدل لیا۔ یعنی قیدی چھوڑ دیا گیا۔ اور سنٹ و سنٹ اسکی زنجیر میں بندھا ہوا

اس مجرم کا کام کرنے لگا۔ قیدیوں کی طرح اسکو خوراک ملتی اور قیدیوں جی میں یہ رہتا۔ اس پر کسی فی الفور جستجو کی گئی اور یہ ماکو یا گیا سکر قیدی کی زنجیروں سے جو خوراک کو پہنچنے وہ تمام جسم سہراقی رہے۔ پھر اپنے ہمد سے پر بحال کیا گیا اور قید میں جوش سے یہ پھر کام کرنے لگا۔ یہ کئی قیدیوں کو نائب بنانے میں کامیاب ہوا۔ اور اسکی زیر دست غلوں کو چلیا نواں اور قیدیوں دونوں کی حالت بہتر ہو گئی۔

باقی حال اسکی زندگی کا بخوبی مشہور ہے۔ یہ پیرس میں آیا۔ **سٹرسٹ مرسی** (مشیرگان رحم کی مجلس قائم کی اور اسطور پر عورتوں کی فیاضی اور سخاوت کیواسے گنجائش نکالی۔ یہ سٹرسٹ مرسی خزانہ اور دیگر مقامات کے ہر ایک خیراتی کام میں تبدیلی کا کمن گزر رہے ہیں یعنی مرسیوں کی تیار کاری کی۔ نوعرول کو تعلیم دی۔ اور لاوارث بچوں کی خبر گیری کی۔ اور مختصر یہ ہے کہ ہر ایک نیک کام میں یہ سبک پیش قدم رہیں۔ اسپی کر قناری چوچہ اسکو یاد تھی اس نے ذہنی قیدیوں کی رہائی کیواسے روپیہ جمع کیا۔ اور اسطور پر کم از کم اسکو غلام کے ذریعہ سے آزاد ہوئے۔ انجام کار بحری قزاقوں کی کارروائیاں فرانس اور انگلستان کے متفق ہونے سے اسکا عیس اختتام کو پہنچا دیں جب ان بحری قزاقوں کا ذہنی گھر التجرا میں مسار کر دیا گیا۔

ہم ان قید خانوں اور زنجیروں کا تذکرہ نہتے ہیں جو زمانہ ہمداری میں قلعوں میں موجود تھیں لیکن زمانہ حال کی قانونی عدالتوں کے سامنے کیسی صیبت اور سنگدلی کے لئے جسے انشاء ہوتے ہیں اچھا بڑا ٹپے شہر دن میں غریب کے حالات کی اگر تفتیش کی جائے تو جرمی ٹیلر کے ساتھ ہریان ہکر کرنا پڑے۔ یہ جوشوں کی سنگدلی سے دوسرے درجہ کی سنگدلی اور سچ کے رحم سے لا محدود فاصلہ ہے۔

جان باورڈ کی فیاض طبیعت پہلے پہل ایک ذاتی ہم سے جو کہ ربط ہر اتفاقی حلوم ہوتی ہے مجلیانوں کی صلاح کی طرف متوجہ ہوئی۔ یہ پرتگال کو جہان پر سوار ہو کر جا رہے تھے۔ اور یہ زمانہ وہ تھا جب آئین کی نہایت دردناک ہو رہی تھی۔ کیونکہ تمام شہر اس قابل بادگار زلزلہ کے تھیں کہ خدو کھنڈ بن گیا تھا۔ انہوں نے ابھی بہت دور تک سفر نہ کیا تھا کہ ایک فرانسیسی جنگی جہاز نے ان کا جہاز گرفتار کر لیا۔ ۸ گھنٹہ کا مل ان کو اس وقت آج دانہ نما۔ اور نہایت سنگدلی سے ان سے سلوک کیا گیا۔ برٹش میں پہونچکر یہ مولنے سے ہمراہی قلعہ میں قید خانے میں بند کر دیے گئے۔ یہ حالات نہایت غلیظ تھے۔ اور ایک معقول عرصے تک ان کو یہاں باخوراک رہنا پڑا۔ آخر کار ایک گشت کا ٹکڑا اس قید خانے میں ڈال دیا گیا جسے ان کا شاد صیبت زوروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جنگلی درندوں کی طرح دانتوں سے پھاڑ کر کھانا پڑا۔ قیدیوں کو اسی طرح کی ہرجی ایک ہفتہ تک جھگنتی پڑی۔ اور مجبوراً اس سہناک قید خانے کے فرش پر سونا پڑا جہاں کہ بھر گھاس کے ڈھیر کیا

چیز نہ تھی جس سے یس جی کی نہ ملی اور بالی غم کے انھوں محفوظ رہ سکتے ہ
آخر کار آؤڈر مارڈ کیے گئے اور انگلستان کو واپس آئے۔ مگر ان کو جب تک چین نہ آیا جب تک انہوں نے
ہست سے اپنے ہمراہی قیدیوں کو بالی نہ دلائی۔ انہوں نے پھر آؤڈر مارڈ کی قیدیوں سے خط و کتابت جاری
کی جو بڑے عظیم یورپ کے دیگر ممالک یا قلعوں میں بند تھے۔ اور معلوم ہوا کہ ان بد نصیبوں کو انہی کی سی بلکہ ان سے
بھی بڑھ کر مصیبت نصیب ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ ہی عرصہ بعد یہ ضلع پورٹوگالی شریف مقرر ہوئے اور اب ان کی توجہ انگریزی قیدیوں
کی طرف مبذول ہوئی جس عرصہ پر یہ سورتھے وہ درحقیقت ایک عرصہ عہد ہے۔ جس میں صرف تھوڑی ہی
سی کروڑ اور غائبی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر آؤڈر مارڈ کا حال کچھ مختلف تھا۔ انہوں نے اس عہد پر
ستین ہزار اپنے دل کو واپس کی بجائے آؤڈر مارڈ کیا۔ یہ عدالت میں بیٹھے اور تمام کارروائی نہایت
توجہ سے سنتے۔ جب مقدمہ ختم ہو جاتے یہ حوالات میں جاتے جہاں مجرم بھیجے جاتے تھے۔ اور یہاں انکو
اس بے شرم اور ہرج مہرج سلوک کا علم حاصل ہوا جو ان مصیبت زدوں سے کیا جاتا تھا۔ حوالات میں جو نفاذ
ان کی آنکھوں کے سامنے آیا اس نے ان کی اگلی زندگی کا کام ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔

انگلستان وینیزویلا کے قیدیانے اس وقت نہایت سہماں حالت میں تھے۔ نہ تو قیدیوں میں کوئی نہ
تھی اور نہ جدار کے جاتے تھے۔ یہ مقابلتہ بیگناہ اور پرلے درجہ کے سخت مجرم ایک ہی جگہ بھر دیئے جاتے
تھے۔ چنانچہ عام قید خانے جو کم کے شاداب کھیت بن گئے تھے۔ وہ بھوکا شخص جس کا عرف یہ تصور تھا کہ
اس نے صرف ایک ٹکڑہ روٹی چرائی تھی۔ لٹیر سے یا تو اس کے ساتھ رہتا تھا۔ مقررہ اور جہاں سارے زور کا چور
اور گنا کا شے والا۔ بد ریاست اور بدکار سب ایک ہی جگہ ملے جاتے تھے۔ مذہبی اہل بیت کا نام نہ
نہ تھا۔ غرض یہ قید خانے نہ تھے بلکہ شیطان آباد جس کا بادشاہ ابلہ تھا۔

تاہذا اس طور پر اپنی طبیعت کے موثر ہونے کا حال بیان کرتے ہیں جب انہوں نے ان قیدیوں سے یہ
سلوک دیکھے۔ بعض نے جو جیوری کی ترقی رائے سے مقصود قرار پائے تھے بعض نے جن پر جیوری کو اس قدر
جرم کا گمان نہ ہوا تھا جس قدر مقدمے نے ان کو مجرم گردانا تھا۔ اور بعض وہ جن کے مدعی بہت کچھ ان کے برخلاف
نہ تھے۔ جب مہینوں تک قید کی مصیبتیں بھگت چکے تو قید خانے سے نکالے جاتے اور پھر بند کئے
جاتے جب تک کہ قید خانے کے محافظ۔ عدالت کے کنشی وغیرہ کا محتانہ ادا کر دیتے۔ ان کا یہ بھی بیان ہے
کہ وہ سنگدل قرضخواہ جو اپنے مقروضوں کو دھمکا کر لے جاتے کہ یہ حوالات میں سڑ جائیں گے کچھ کر لے تھے۔
کیونکہ یہ تحقیقت انسان قید خانے میں سڑ جاتا تھا۔ اور نہ ہلی ہوا اور غلاظت سے اس کا کام تمام ہو جاتا تھا

ناور نے تخمینہ لگایا کہ جس قدر جانیں تھمتہ پھانسی پر تصدق ہوئی تھیں۔ اسلئے سردی اور نمی۔ بیماری اور بھوک کی بھینٹ چڑھتی تھیں :

قیدیوں کے محافظ کی تنخواہ عوام الناس کے فتنے ہوئی تھی بلکہ ان پر مقصودوں کو جو راکھے جاتے تھے ان کو کچھ دینا پڑتا تھا :

ناور نے جسٹس آف دیس سے سفارش کی کہ ان کو کچھ تنخواہ ملی چاہیے۔ ان سے اس کی غیر طلب ہوئی۔ انہوں نے ایک نظریہ پیش کرنے کا اقرار کیا۔ یہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور تمام ملک میں اس کی تلاش میں پھرے۔ قریب چارویں جس قدر قید خانے تھے سب انہوں نے دورہ کیا۔ ان کو کوئی نظریہ بھی ایسی جگہ جہاں محافظ قید خانہ کو تنخواہ ملا کرتی ہو جگہ بجائے اسکے بہت کچھ مصیبت اور بد حالی قیدیوں میں پھیلی دیکھی جس پر انھوں نے انگلستان اور دنیا کے اور قید خانوں میں اصلاح کرنے کی واسطے خود کو وقف کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا :

گلوسٹر میں ان کو ایک قلم نہایت ہی ہولناکی میں ملا۔ یہ قلم قید خانہ بن گیا تھا۔ یہاں ان مرد سب قیدیوں کی واسطے ایک مشترک مکان تھا۔ جہاں قرض بستے تھے وہاں دیکھے کا نام تک نہ تھا مردوں کی شب خرابی کا کوہ تنگ تار یک اور چاروں طرف سے بند تھا۔ چنانچہ قید خانے میں ایک ہمار پھیلا جس نے بہت سے قیدیوں کا شکار کیا۔ محافظ کو کچھ تنخواہ نہ ملتی تھی۔ مقروضوں کی غمزدگی کی واسطے کچھ خرچ نہ ملتا تھا۔ ایلی جیسے شہر میں بھی جہاں شب راکتا تھا کسی طرح عمدہ انتظام نہ تھا۔ اس خیال سے کہ مبادا قیدی فرار ہو جائیں فرش کے ساتھ درخیر سے یہ باندھ دیئے جاتے تھے۔ کئی ایک آہنی سلاخیں ان کے اوپر رکھ دی جاتی تھیں۔ اور ایک آہنی گلوب جس میں پھین لگی ہوتی تھیں ان کی گردن کے گرد باندھ دیا جاتا تھا۔ تاج میں یہ حالات کی کوٹھرائیں میں کے نیچے ہوتی تھیں اور قیدیوں کو تھوڑی سی گھاس ملا کرتی تھی جس کا خرچ ایک گنی سالانہ تھا۔ اور یہاں کے محافظ کو باوجود اسکے کہ تنخواہ ملا کرتی تھی اپنے عمدے کی بجائی کی واسطے ۴۰ پونڈ سالانہ اس شریف کو دینا پڑتے تھے جس کے یہ ماتحت تھا البتہ ایہ اپنی آمدنی ایذا رسائی اور تکلیف دہی سے وصول کیا کرتا تھا :

ناور نے اپنی شرفیاء کا ردائی کی تحریک پر جگہ بہ جگہ سفر کیا۔ قیدیوں کی حالت کی روشنی کے خیال نے اس کے دماغ میں گھر کر لیا۔ اور بطور ایک جذبہ کے اس پر قابو پالیا۔ نہ کوئی محنت۔ نہ کوئی خطرہ۔ اور نہ کوئی جہالت مصیبت اس کو اسکی زندگی کے اعلیٰ درجے سے پھیر سکی۔ اس نے انگلستان کے ایک مغرب سے دوسرے سر سے تک سفر کیا تاکہ برطانیہ کے قید خانوں کے قابل نفرت اسراروں کو روشنی میں لاکر افکارے بہت

موقوفوں پر ٹوٹاؤں نے ان قیدیوں کو جو خفیف سے مقروض یا محض بے تصور تھے راہ بھی کروادیا۔ اسکی
 ذمہ کے اختتام پر آؤس آف کانسن نے ایک کمیٹی تجویز کی تاکہ اس معاملہ کی اصلی صورت کا اندازہ
 کیا جائے۔ ہارڈ کیٹی کے سامنے اپنی یادداشت کے کاغذات لیکر حاضر ہوا۔ دوران تحقیقات میں
 کمیٹی کے ایک کن کو بھی تفتیش کی طوالت اور باریکی پر بہت تعجب ہوا اور اس نے پوچھا کہ کس کے
 خرچ پر اس نے سفر کیا تھا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ پہلے ہارڈ کی صلیق قریباً بند ہو گئی۔

اسکی شہادت کے اختتام پر مجلس واضع قوانین نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور جو اسٹاٹس نے پیدا کیا
 تھا وہ اختیار کیا۔ جب سے اس نے یہ کارروائی شروع کی تھی اس کے ایک سال بعد اس کے عدلیہ قانون
 پاس ہوئے۔ تمام معاوضے یکھلم موقوف کیے گئے۔ قید خانوں کے محافطوں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔
 اور حکم دیا گیا کہ تمام قیدی جس وقت بریت کا حکم ملے اسی ہی روز کر دیے جائیں۔ یہ بھی حکم دیا گیا کہ تمام قیدی
 صاف ستھرے رکھے جائیں۔ قلعی کی جگے اور ہواداری کا بندوبست ہو۔ شفا خانے قیدیوں کے علاج
 معالجہ کیلئے تعمیر ہوں۔ اور مناسب اور سوزوں قید خانے بنائے جائیں۔ جب یہ قانون پاس ہوئے
 تھے ہارڈ بستر عرض پر پڑا ہوا تھا۔ مگر جو بھی اسکو مرض سے اور اسنگان سے جو اپنی دلخواہ محنت کے
 باعث اٹھنا پڑا تھا افاقہ ہوا۔ یہ اٹھا اور پھر قید خانوں کا دورہ کیا تاکہ خود اسکی تصدیق کرے کہ کیا قانونوں
 پر مناسب طور پر عملدرآمد ہوا تھا یا نہیں۔

انگلستان کو دیکھ بھال کر کے یہ سنگاٹ لنڈ اور آئرلینڈ پہنچا اور ان مکمل میں قید خانوں کا ملاحظہ کیا
 اس نے ان کو بھی انگلستان کی طرح ہونا کی حالت میں پایا۔ امدنیات کامیابی سے اپنی تحقیقات کے
 نتائج شائع کیے۔ پھر یہ براعظم یورپ کو روانہ ہوا تاکہ یہاں قیدیوں کی آسائش و آرام کی تحقیقات کرے۔
 پیرس میں اس کے پہنچنے پر بیسٹیل کے دفتری بندہ کہہ دیے گئے۔ مگر آؤ فرانسیسی قید خانے کو جو حالت میں
 تھے۔ مگر انگلستان بہت کچھ فوقیت رکھتے تھے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ آؤ فرانسیسی کی تحقیقات میں صرف
 تھا اسکی گرفتاری کا حکم نافذ ہوا۔ مگر یہ عین وقت پر فائدہ ہو گیا۔ اس نے اپنا پراس طرح لیا کہ اسکو بہت کچھ
 تکلیف اور مشکل کے بعد ایک کتاب ملی جو کننازہ شائع ہوئی تھی اور اس سے ترجمہ کر کے اس نے شاہی قید خانوں
 کا حال بیان کیا۔

ہارڈ نے انجیم ڈانلڈ جرنل تک سفر کیا۔ یہ ہر جگہ یادداشت لکھ لیتا۔ اور اپنی بے حد محنت کا یہ نتیجہ
 ملکہ کثرت سکواگ بھی ہوئی۔ اس شخص سے انگلستان پاس کر کے آیا قید خانوں کی اصلاح نے جو پہلی ہے نہیں
 یہ سوسائٹریلڈ اسی سلسلے کام کی خاطر پہنچا۔ یہاں قید لیٹل کی تربیت کے علم پر اسکی آنکھیں کھلیں یعنی

قیدیوں سے کام کروایا جاتا تھا۔ صرف ان کے فائدے کی خاطر نہیں بلکہ ان محصولوں کے کم کرنے کی خاطر بھی جو قید خانوں کے اخراجات کیلئے وسطے لوگوں سے لئے جاتے تھے۔

تین سال کی انتھک محنت کے بعد جب آٹھ دسمبر ۱۳۱۲ء کو اس سے زائد سفر کر چکا تو اس نے اپنی وہ لکھی کتاب شائع کی جس کا نام "دی ٹیٹ آف پرنس" ہے۔ اس کتاب کی ہمارے گرجاؤں سے قدر کی گئی۔ تاؤسٹن آف کامن نے پھر اس سے قید خانوں کی اصلاح کیلئے ضروری تجاویز میں شور مچایا۔ چنانچہ اس نے شفا خانوں کی تعمیر کی سفارش کی۔ اس نے آئسٹرڈم میں ایک شفا خانہ کھولا تھا۔ لہذا اس نے اسی کے نمونے پر شفا خانے بنانے کی صلاح دی۔

یہ پھر آئسٹرڈم کو روانہ ہوا تاکہ یہاں کے طریق کار روائی کا اندازہ کرے۔ فائدے سے یہ پریشان کیا۔ اور آئسٹرڈم پر پرتشیا مالوں کی فوجوں میں سے ہر کسی کے پار ہو چکا۔ کچھ عرصہ آٹا کر کے یہاں سے لے کر کورنٹھ ہوا۔ وہاں سے پہونچ کر اس نے ان کیوڈیشن کے قید خانوں میں جانے کے واسطے اجازت طلب کی مگر فرائس کے سبب شیل کی طرح اس قید خانے کے دروازے بھی بند کر دیے گئے۔ البتہ آؤر قید خانے کھلے رہے۔ اس کے بعد یہ چار ہزار سو میل سفر کر کے فرائس ہوتا ہوا اپنے وطن کو واپس ہوا۔ جہاں یہ پہونچا نہایت خوشی سے اس کا استقبال کیا گیا۔ قیدی اس کی واسطے دُعا میں لگ رہے تھے۔ اور شہر دہلی سے عداوت کرتا تھا۔ مگر اس نے اس سے بڑھ کر ایک کام کیا یعنی ہر ملک کے سخی اور پر خیال آدمیوں کی آنکھیں قید خانوں کی اصلاح کی ضرورت پر کھولیں۔

اس نے اس پہونچا آرام نہ لیا۔ پھر اس نے برطانیہ کلاں کے قید خانوں کا ملاحظہ کیا۔ اور اس طرح قریباً ساٹھ ہزار میل کی مسافت طے کی۔ اور اس کو معلوم ہوا کہ اس کی انکی کوششیں کچھ سود مند ہوئی تھیں۔ وہ ضرب المثل غمناک ہوا اس نے پہلے دیکھی قیدیوں کو دور ہو گئی تھیں۔ اور قید خانے بنسبت سابق کے زیادہ صاف۔ زیادہ آرام دہ۔ اور زیادہ بااعظام تھے۔ اس نے اپنا علم بڑھانے کی واسطے دیگر ممالک کا ایک آؤر دورہ کیا چنانچہ اس نے یورپ کے جنوبی ممالک کے قید خانوں کا دورہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ پاسبانہ اور تن تنہا پیٹر برگ میں پہونچا۔ مگر پوسٹ سٹاک ہولم پہونچا۔ اور ملکہ کتھرائن نے دربار میں سے ملاقات کیلئے واسطے بلایا۔ اس نے نہایت ادب سے ملکہ سے عرض کیا کہ یہ روس میں زار اور زارینہ کے محلات اور قلعہ دیکھنے نہ آیا تھا بلکہ مصیبت زدوں کے گھر اور قیدیوں کے قید خانے ملاحظہ کرنے آیا تھا۔

شاہی حجاز سے یہ بنی منرا دیکھنے گیا جو قیدیوں کو ملا کرتی تھی۔ ایک مرد اور ایک عورت لائے گئے۔ مرد کو ۶۰۔ اور عورت کو ۲۵ ضربیں لگیں۔ اور دیکھا کہ "چند روز بعد میں نے عورت کو نہایت ہی تھیں

دیکھا۔ مگر وہی شکل ایک نظر آئی۔ "مادرِ پٹھان" کہ تصدیق کرے کہ آیا اس شخص پر کیا نر سی سزا دینے والے کے پس پہنچا اور اس سے پوچھا کہ آپ اس طور پر بھی حرب لگا سکتے ہیں کہ بہت جلد انسان کو مار دے؟ جواب: جی ہاں! "اور تو نے پوچھا: کتنی جلدی؟" اس نے جواب دیا: کوئی ایک دو دن میں! "اور تو نے کہا: یہ کبھی آپ نے ایسا کیا بھی ہے؟" جواب ملا: جی ہاں! "اور تو نے بولا: کیا حال ہی میں؟" جواب ملا: جی ہاں! "اور آخری شخص جسے میرے معمول منزلی اسی جگہ سے مر گیا: "اور تو نے کس طرح تم سزا ایسی دیا کہ کر دیتے ہو؟" جواب ملا: دو تین ضرر ڈالیں بائیں ایسی لگائیں کہ بڑے بڑے پارچے گوشت کے اتر گئے! "اور تو نے تنکو ایسی جفت سزا دینے کا حکم ملا کرتا ہے؟" جواب ملا: جی ہاں! "اور اس طور پر دس کے س فخر کی تمام سلطنت سے پھانسی کی سزا کو محکم موقوف کر دی گئی ہے بہت عمدہ طرح قلعہ کھل گئی +

اور تو نے اسکو سے لکھا کہ: "مگر انگریز اور بری فوج کے ۷۰ ہزار رزگرٹ ایک سال میں بڑے پتالوں میں کس قدر کھائے؟" اور تو نے اوصاف کو شخص تھا اور بجز صداقت کے اس کی زبان سے اور کچھ نہ نکلتا تھا اور اس واسطے یہ سہانہ لکھ کر بھیجے کہ اس کو مطلق العنانی اور جنگ دونوں کی طرف سے ہماری طبیعت کو بہت بڑھ کر متغیر بنادے۔ "تو اس سے یہ پوچھنا پرستیا۔ "ہیو دور اور اسٹرین۔ نذر لکھتا ہوا وطن کو روانہ ہوا۔" ۱۸۵۸ء میں اس نے اسی غرض کو واسطے پانچ اور پرتگال میں سفر کیا اور اپنے سفر کے نتائج اپنی کتاب کے دوسرے ضمیمہ میں شائع کیے۔

۱۲۔ سال گزر چکے تھے کہ "مادرِ پٹھان" کی زندگی کے مدعا میں بہت بے مصروف تھا۔ اس نے یورپ کے بڑے بڑے شہروں اور ریاستوں کے چھوٹی نوکل ملاحظہ کرنے کے لئے ۲۲ ہزار میل سے زائد سفر کیا۔ اور کئی... پونڈ قیدیوں۔ برصغیر اور لاوارثوں کی امداد میں صرف کیے۔ مگر کچھ بھی اس نے اپنا کام ختم نہ کیا اس نے ارادہ کیا کہ ان ممالک میں ملے جہاں مہذب پھیلا ہوا تھا۔ تاکہ اگر ممکن ہو تو اس خوفناک مرض کو کئی علاج دریافت کرے چنانچہ پہلے اسکی فرانسیسی ہوکر مارسلینر جرنل کی تجویز ہوئی۔

نمبر ۱۸۵۸ء میں یہ تجویز کو بروا نہ ہوا۔ فرانسیسیوں نے بیسٹیل برائے کارسالیہ کر کے فرانسیسی سڑک پر اسے قدم رکھنے سے منع کر دیا۔ مگر یہ بھیسٹیل کے پیرس پہنچا۔ جہاں اس نے اسی بات پوچھنے سے اسے آکر ڈیگ پر ہمدرد کیا۔ مگر خوش قسمتی سے ایک خیال اس کو ایسا سوچا کہ اس نے چند لمحے کی واسطے پوسٹل مال دیا اور اس اشار میں یہ اٹھا اور پڑے پس کر گھر سے نکل گیا اور مارسلینر کا راستہ لیا۔ اسکو وہاں لانا ریڈ میں جانے کی اجازت مل گئی۔ اور جو اسے دریافت کرنا تھا اس نے دریافت کر لیا۔

پتھرنا کو روانہ ہوا جہاں پہنچے رو پڑھا۔ یہاں سے پتھقل ہی خواہ عوام ایک لکھی کشتی میں سوار ہو کر بحر
اُردیا لنگ کو چلا۔ جب کیرکس سوار تھے۔ اور یا علی عرض سے اس پر سوار ہوا کہ نہایت سخت قریظہ میں اسے
رہنا پڑے۔ اس کو بخار آنے لگا اور قریظہ میں چالیس دن خوفناک مصیبت اٹھا کر یکسی۔ لاچار سی اور
مصیبت کی تنہائی میں اسے کاٹنا پڑے۔ آخر کار یہ تندرست ہو گیا اور انگلستان کو روانہ ہوا۔ اس نے
اپنے ملک کی حالت دیکھی۔ قریب جوار کے غریبوں کی امداد کی اور اپنے منکر دوستوں سے اس طرح نصرت
ہوا جیسے کہ والد اپنے بچوں سے ۵

اس کو آپ ایک اور سفر کرنا تھا۔ اور یہ اس کی آخری سفر تھا۔ اس کی ارادہ تھا کہ بیٹے کے بسے میں اپنی تختیاں
دریغ کرے۔ ۱۸۸۹ء میں یٹلٹھ۔ جرمنی اور روس ہوا ہوا چلا اس کو اسے پر کر دو م تھوڑا دور ریاست لائے
جہر میں پہنچے۔ مگر یہ صرف دوستی آثار کے شہر فراسان سے زیادہ سفر کرنے کے قابل نہ ہوا۔ یہاں
حسب معمول پتھقلوں کے پاس گیا۔ اور ان کا بھائی لگ گیا۔ اجنبی آدمیوں میں یہ قریظہ تھوڑا سا
۱۲ سال کی عمر آخرت سے کوچ کر گیا۔ ایک شخص کو جو اس کے بستر مرگ پر موجود تھا۔ اس نے دفن کے گرجا
میں اس کو ایک مقام کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں قریظہ کی ایک خواہش تھی۔ مجھ کو آرام سے زمین پر کھینچا
ایک آفتابی گھڑی میری قبر پر لگا دینا۔ اور مجھ کو بخیر چلانا ۶

مگر جب تک انسانی حافظہ بڑھتا رہے گا اس شریف باورڈ کو کوئی نہ بھولے گا۔ یہ حد درجہ کے مصیبت ناک
آدمیوں کا محسن گزرا ہے۔ اس کے اپنے کچھ خیال نہ تھا۔ بلکہ صرف ان لوگوں کا جو بغیر اسکے بسے یا وہ درکار اور
لاچار پڑے رہتے۔ خود اپنے زمانے میں اس نے بہت کچھ کامیابی حاصل کی۔ مگر اس کا اثر اسکے ساتھ ہی
ذرائع ہو گیا۔ جو کہ چیرت انکسٹان کی مجلس واضع قوانین جی کو مؤثر نہیں کرتا۔ بلکہ اب تک تمام مہذب
اور شایستہ اقوام نے اس سے سبق سیکھا ۷

ہر کہ سنے اس پر پڑا کہ اس نے کیا سچہ دے۔ یہ تمام پورے میں اس واسطے پھر کہ قید خانوں میں پڑے۔
شفا خانوں کی طرح الاثر باریوں میں غوطہ لگائے۔ غم و رنج کی علامتوں کی ہمایش کرے۔ تحقیر ظلم اور
مصیبت کی انتہا اور طول عرض کو اسے بخود اپنے جوں ان کو یاد کرے۔ غفلت زدوں کی خبر لے پھر
جو اس سے ملے۔ اور شہم خانہ کے کٹھنوں کے منہ پر جمع کرے اور ان کا مقابلہ کرے۔ اس کی تجویز اصل
ہے۔ اور ان میں ہوشیار ہی اور انسانیت سراسر ہے۔ بھری ہوئی ہیں۔ تفتیش گرد آدمی اور سخاوت
کا سقوط ہے۔ اور اب تک۔ ہر ایک۔ ملک میں کہ پیش کی کثرت کی سودنسی لوگوں کو معلوم ہو گئی ہے ۸
باورڈ کے زمانے سے۔ اب تک تبدیلیوں نے ساتھ چل کر کیا جاتا تھا اس میں بہت کچھ ترقی ہو گئی ہے۔

ابتداء میں سارا۔ مارٹن اور مسز فیری جیسے جس تھے جنہوں نے اس ترقی کا بیڑہ اٹھایا۔
 سڈنی سمیتھ کا بیان ہے کہ ایک بار اس نے مسز فیری کے ہمراہ نیوگیٹ جیلے کی اسدھالی دیکھا
 جو نظارہ اس نے دیکھا اس نے سچے کی طرح زار زار اس پر رقت طاری کر دی۔ ایک عظیم عبادتوں اس
 مضمون کا تذکرہ کرتے وقت اس نے کہا: اس شہر میں کل وہ نظارہ ہے جبکہ میں حرات کر کے نہایت
 ہی عجید۔ نہایت ہی کچھے سیج اور نہایت ہی شفیق شخصوں کے پیش نظر کرتا ہوں۔ اور یہ نظارہ وہ ہے کہ
 شاید ہی کسی انسان کی آنکھ کو نصیب ہوا ہو۔ اس مقدس عورت (مسز فیری) کا بد بخت قیدیوں میں نظر آنا
 اور ان سب کا خدا کی درگاہ میں نہایت صدقہ الی سے دست بدعا دکھائی دینا۔ اسکی آواز سننے کی تسلی ہونا
 اسکی نظر سے ان میں جان پڑنا۔ ان کا اس کے دامن سے لپٹنا۔ اور اسکی اسلوب پرستش کرنا دکھائی دینا
 گویا ہی ایک ایسی ذات تھی جو ان پر شفقت کرتی تھی۔ ان کو سکھاتی تھی۔ ان کی خبر گیری کرتی تھی یا خدا کے حضور
 میں ان کا ذکر کرتی تھی۔ یہ وہ نظارہ ہے جو دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اور بتلا دیتا ہے کہ زندگی
 کی حقوڑی سی گھڑی گزر رہی ہے۔ اور جو کسی نیک عالی سے خدا کے حضور میں جانے کے واسطے نیا
 ہونا چاہئے۔ یہی وقت ہے کہ جس میں ہم خواہ کسی کو دیں۔ خواہ عبادت کریں۔ خواہ کسی کی تسلی اور شفقت
 کریں۔ اور اس بابرکت عورت کی طرح اپنے آسمانی نجات دہندہ حضرت مسیح کا نام گنگاروں۔ شکستہ دلوں
 اور مریضوں میں پکارتیں۔ اور زندگی کی تاریک سے تاریک اور عین سے عین تیرہ بختی میں محنت اور
 مشقت کریں۔

مسز فیری اپنی مستقل کوششوں سے قید خانوں اور زند قیدیوں کی حالت کی تیسرے اصلاح میں کامیاب
 ہوئی دیکھا پچھلے شہر میں اعلیٰ مجلس شوری نے اولڈ سیلی (عدالت کا نام ہے) کو نیوگیٹ کے ملاطفت
 کے بعد جو رپورٹ لکھی اس میں بیان کیا کہ کاش۔ وہ اصول جو اس نے (مسز فیری) اپنی تجاویز میں صورت
 قیدیوں کے بارے میں مد نظر رکھے تھے۔ مردوں کے حق میں بھی ان پر عمل درآمد ہوتا۔ تو قید خانہ ایک اصلاحی
 مدرسہ کی صورت میں متغیر ہو جاتا۔ اور بجائے اس کے کہ مجرم دنیا میں بڑی اور غربالی کی طرف سے پکے کر کے
 بھیجے جاتے۔ یہ تاب ہوئے اور غالباً سو ساٹھ کے حق میں سود مند بن جاتے۔

مسز ٹامثال نے بھی جو کہ مسز فیری سے کم مشہور ہیں۔ وارک کے جیل خانے کے قیدیوں کی اصلاح
 اور ترقی میں خود کو وقف کر دیا۔ اس کا شوہر اس مذکورہ صدر جیل خانے کا داروغہ تھا۔ چنانچہ اس عورت کی بدو
 بہت سے محرم بدی کے رستے سے پھر کر نیکی اور درشتی کی حمایت میں آگئے۔ یہ خصوصاً اڑکے اور بڑوں
 کی زیادہ خبر گیری کرتی کیونکہ ابھی بد معاشری اور شرارت میں یہ نوعیت ہی ہوتے اور قریباً بلاناغہ بچہ ان کو دوبارہ

سوسائٹی میں شامل کرنے کی اپنی کوششوں میں کامیاب ہوتی ۔

مگر قیدیوں کے ایک جم غفیر کی فلاح و بہبود ضمنی مواد سے بہت ہی کم ہو سکتی ہے ۔ یکم ہے مجلس واضح قوانین کا جو ایک ایسا عظیم مسئلہ حل کر سکتی ہے ۔ قانون کا ایک ص منشا یہ ہے کہ جرائم کا انسداد کم ملو پر کیا جائے کہ وہ جرائم مسدود کیے جائیں جن سے ان کی قریب ہوتی ہے ۔ اور قواعد و حالات کا سب سے اعلیٰ مدعا یہ ہے کہ مجرم کی حالت اخلاق میں اصلاح کی جائے ۔ اور اس کو پھر سوسائٹی کی گود میں دینا چاہئے جو اس نے گناہ کیا تھا ۔ یا مگر جس کا منصفانہ ہے مجرم پر پھر ہے ۔ جو سب اوقات ان باب کے وسیلہ سے جن میں اس نے نشوونما پایا ہے اور تربیت کی عدم موجودگی اور ان بے نظریہ قوانین سے ایسا بن جاتا ہے جو سوسائٹی نے مرتب کیے ہیں ۔

زمانہ قدیم میں سوسائٹی مجرموں سے اپنا بدالیتی بھتی اور ان سے جنگلی چوپایوں کی طرح سلوک کیا جاتا تھا ۔ مگر اب ایک حلیمانہ طریق اختیار کیا گیا ہے جس سے ان کی بازیافت تصور ہے ۔ سنگ سنگ پینڈیشنری واقع ریاست نیو یارک کے افسروں نے مجرموں کے ساتھ جبراً تاک کیا جاتا تھا اسیدل اصلاح کرنے کا بیڑہ اٹھایا ۔ اس باب سے میں ان کی توجہ مشر او مشنڈر کی پورٹوں سے بندول ہوئی یعنی مشنڈر نے بیان کیا کہ مجھ کو اس جابرانہ طریق پر کچھ اعتماد نہیں ہے جو اس قدر زمانہ دلازمہ کے نیامیں متوجہ رہے ۔ اور یہ طریق ہے کہ مجرموں کو رہ راست پر لانے کے واسطے جبر کیا جائے اور اذیت دیا جائے ۔ اور بجز خوف اور ہمت کے کوئی عمدہ وسیلہ کام میں لایا جائے ۔ میرا خود اس قدر تجربہ ہے جس سے مجھ کو یقین ہے کہ ان کی حالت خواہ کیسی ہی بہتر اور ذلیل کیوں نہ ہو ۔ ان میں اب تک وہ دل باقی ہیں جو شفقت سے متاثر ہو سکتے ہیں ۔ وہ ضمیر میں جو عقل کی وساطت سے پیدا ہو سکتی ہیں ۔ وہ تمنا ہیں جو بہتر طرز زندگی کی خواہاں ہیں اور جن کے واسطے دائمی اصلاح کے لئے مستحق ہونے کو صرف ہمدردی اور امید کی مسرت بخش آواز دے ۔ چنانچہ مشنڈر نے ان کی حسب اشارش سنگ سنگ میں مجرموں کے ساتھ سلوک کرنے کا ایک نیا طریق شروع ہوا ۔ اور بہت جلد نہایت مسرت بخش اثر اس سے ظہور پذیر ہوئے یعنی اب یہ قاعدہ قرار پایا کہ حتی الوسع منرا سے تھرا دیا جائے اور ترقی کی خواہش کسی مجرم میں ہو تو اس کی تحریک کی جائے ۔ اہا ! بہت سے مجرم جیل میں لا عالج سمجھے جاتے تھے ۔ اس طور پر دوبارہ سوسائٹی کے واسطے مفید اور سود مند بن گئے ۔ اور بہت ہی کم ایسے رہ گئے جو اپنی پہلی عادتوں میں گرفتار رہے ۔

خصوصاً عورتوں کے باب میں یہ طریق بہت ہی بامراد ثابت ہوا ۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک سن عورت نے گرجا میں ان کے روبرو خود اختیاری پر تقریر کی ۔ اور بھائیوں کا گریہ سنیا میں یا عالم بالادیں صمیمیت کے پونچھے

چھوٹا چاہتی تھیں تو اصلاح چلن کی بہت ہی ضرورت تھی۔ چنانچہ بعد میں اس سجن عورت نے بیان کیا کہ
 ”اس چھوٹے سے تجربے کا اثر ظاہر ہوا ہے زیادہ برقرار اور ملائم طور پر قیدیوں میں۔ ان کی مطمئن اور متلوبہ وارز
 کے لب و لہجہ میں، اولویت کو اسطے ان کی مسرت اور استعداد میں۔ اس سے یہ عقائد زیادہ تر میسر نے مل میں متحکم
 ہو گیا ہے کہ انسان کی حالت خواہ کیسی ہی گناہ سے بیز ہو گئی ہو یا ظلم و تعدی سے یہ پتھر ہو گیا ہو جو جب تک
 قوت و تسلط تسلط نہ فرما کر اسے کوئی لکھی یا سخت یا پتھر نہیں ہو سکتا کہ ہمدردی یا شفقت کی
 آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچے یا ایسا زہل برن جائے کہ سچی الفت کی آواز کا کچھ جواب نہ دے“

کپتان پلیسیری کٹنگ ٹیٹ کے قید خانہ و سٹیری کا دار و نو بھی خرمی سے مجروح کے ساتھ پیش
 آئے اور ان کو وہ راست پرانے میں نہایت عمدگی سے کامیاب ہوا۔ اسکی وہ اخلاقی ڈیرہ تھی جو قریباً حد تک
 بڑھی ہوئی تھی۔ اسکی تعیناتی سے قبل قیدیوں سے حسب معمول نہایت سختی اور جبر کیا جاتا تھا جس کا نتیجہ ان
 پر پڑتا تھا کہ رذالت میں پھنس جاتے تھے اور پتھر سے بڑھ کر سخت بن جاتے تھے۔ اور ان میں بعض وکیل نہایت
 استحکام اور مضبوطی سے جڑ چکے ہوتے تھے۔ جرم جن بدن کثرت بڑھتے جاتے تھے۔ اور سہل ریاست زیادہ
 مقروض ہوتی جاتی تھی۔ مگر کپتان پلیسیری نے طبعی تمام طریقے بدل دیے۔ اور ضیق خانہ سلوک سے قیدیوں کی
 اصلاح میں سعی کرنا شروع کی۔ یہ ان کو نیک چلنی کی راہ پر چلنے کی ترغیب دینا۔ اور جب بینکی کے زیر سایہ دو یا
 آتے یا سر پرست کچھ ادا درست کرتا۔ اس نے بدترین مجرموں کی فی الفور ہتکڑیاں پٹیریاں کاٹ دیں اور کھدیا کرتیں
 تیرا اعتقاد کرتا ہوں اگر اس حکمت عملی نے جادو کا اثر دکھلایا۔ لوگوں نے اپنا اعتماد اس کے حوالے کر دیا۔ یہاں
 نے اس کے قاعدے کا سب سے بڑھ کر ادب کیا۔ قید خانے میں ناقاعدگی اور با تیرتی کی عمل ہوا۔ اور قیدیوں نے
 بہت جلد اپنی خود مختار نشست سے قید خانے کے اخراجات ادا کرنے شروع کیے۔

ایک قیدی کے ساتھ جو اس نے ساک کیا وہ بہت ہی مشہور ہے۔ ایک شخص بڑا قوی کل دیو بچہ تھا۔
 قید خانے توڑ کر نکل جاتا تھا۔ تمام مکالمے اس کے نام سے کاہنتا تھا۔ اور کامل ۱۱ سال سے دن میں زیادہ تر جرم نہایت
 کرتا جاتا تھا۔ جرم وقت یہ قید خانے میں آیا۔ کپتان پلیسیری نے اس سے کہا کہ مجھ کو امید ہے تم یہاں آؤ پر
 قید خانوں کی طرح بھاگنے کی کوشش نہ کرو گے۔ ”حتی المقدور جہاں تک مجھے ہو گا میں تم کو اس میں نہ چکا
 اور تمہارا دوست بننے کا فرمان دیاں ہو گا۔ اور مجھ کو امید ہے کہ تم اپنی وجہ سے مجھ کو کسی شکل میں چھیناؤ گے۔
 اس قید خانے میں ایک قید خانہ نہایت کی قید کو اسطے ہے مگر ہم اسے بھی کام میں نہ لیتے۔ اور اگر کبھی کیا میں
 متفصلوں تو مجھ کو سخت رنج ہو چکا۔ جہدیر میرا تیرا اعتماد ہے اگر تمہارا اعتماد مجھ پر تو خوشی میری طرح
 آرام کو اسطے جا کر جگہ کا بندوبست کرو۔ یہ شخص بالکل سہم کر تھا۔ چنانچہ مفتوں تک اس سے بہت ہی کم علامات

تیرج ایسی ٹوسو میں آئیں جس سے ثابت ہو سکتا کہ کپتان پیسیری کا کچھ سپر شڑا ہے۔ آخر کا کپتان، ننگو کو
 خبر پہنچی کہ اس شخص کا ارادہ فراری کا تھا۔ کپتان نے اس شخص کو بلا کر تعیش کی مگر اس کے موہ پر گویا نہ
 لگ گئی۔ اسکو کہا گیا کہ آئیں تمہارا ٹھکانہ یہاں ہے اس کا بند کیا جانا ضروری تھا۔ کپتان جو ایک بہت قامت اور
 دبا شخص تھا آگے آگے چلا اور یہ دیکھ کر اس کے پیچھے پیچھے۔ جب راستے کے سب سے تنگ حصے میں پہنچے
 کپتان اپنی طرف ہاتھ میں لپ لپے ہوئے پھرا۔ اور اس کا موہ دیکھنے لگا۔ اور کہا۔ ”آئیں میں تم سے پوچھتا
 ہوں کہ تم مجھ سے اس طرح پیش آئے ہو جیسا میں تمنا کرتا تھا؟ میں نے تمہارے واسطے جو چاہئے
 خیال میں آرام دہ سمجھا دیا میں نے تم پر اعتماد کیا۔ مگر تم نے اس کے عوض مجھ کو خفیہ سا بھی اعتبار نہ
 جتایا۔ بلکہ مجھ کو تکلیف میں پھنسانے کی کھانی کیا یہ درست ہے؟ اور پھر بھی میں تم کو مفضل کرنا گو اگر میں
 کر سکتا۔ اگر ذرا بھی مجھ کو کوئی علامت ایسی معلوم ہوتی کہ تم کو کچھ میرا خیال ہے۔“ یہ شخص
 ڈنگار مار کر رو پڑا۔ اور کہنے لگا۔ ”میں ان ۷۰ برسوں تک شیطان مجھ میں بنا رہا ہوں مگر آپ مجھ سے انسان کی
 طرح پیش آتے ہیں۔“ کپتان بولا۔ ”آؤ واپس چلیں۔“ مجرم کو شل سابق قید خانہ میں لے کر لے گئی اس گھر میں
 اس نے اپنے دل کا حال کپتان کے روبرو کھولنا شروع کیا۔ اور اپنی بیعت کو نہایت خوشی سے کاٹا۔
 اور اپنے کو مفر کا کپتان کو آگاہ کرتا رہا۔ ان تلخ تحویکوں سے جاسکے ل میں اس کے اتحاد کو نیست و نابود کرنے کے
 بارے میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور ملحق نام چاہکیوں سے جس کے خیال میں گزرتی ہیں۔
 کپتان پیسیری جو شخص ہے جو کجوب کہا گیا کہ ایک بد معاش بے دھڑک نے اس کے قتل کرنے کی
 قسم کھائی تھی تو اس نے فی الفور اس شخص کو اپنی حمایت کر نیکی واسطے بلایا اور سب کو اپنے سامنے آئے
 منع کر دیا۔ اس نے اس شخص کو گھوڑا۔ اُسے کی طرف اشارہ کیا۔ اور حمایت بنانے کے واسطے کہا۔ قید
 کا اتھ کو تھوڑا دیا۔ مگر اس نے حمایت اچھی طرح بنائی۔ جب حمایت بنا چکا۔ تو کپتان نے کہا۔ ”میں نے
 سنا تھا کہ تم مجھ کو قتل کرنا چاہتے تھے مگر میں نے خیال کیا کہ میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں۔“ اس محبوب
 شخص نے جواب دیا۔ ”خدا آپ کو برکت سے اور غرض انسان پر اعتماد کرنے کی یہ طاقت ہے۔“
 میجر گراول نیویارک میں برن کے گزری قید خانے کا داروغہ اور مسٹر سٹرنک۔ ٹی۔ پلیر
 ایک آؤرلینکٹر جلیانہ دونوں یکساں مجرموں سے سلوک کرنے اور ان کو راہ راست پر لانے میں کامیاب ہوئے
 یہ شخصوں میں سے جن کو یہ توغرا لڈ کر قابل تلافیت شخص راہ راست پر لانے میں کامیاب ہوا۔ صرف دو دوبارہ
 بر عادتوں میں جا پھنسے اور یہ ایک ایسا امر ہے جو ملی کی طاقت کی تائید میں بے نظیر ہے۔
 منجرا ان شکلات کے جن کا کسی مجرم کو مقابلہ کرنا ہوتا ہے ایک یہ ہے جو اپنی میعاد قید بھگتنے کے بعد

اسکو نوکری کے حامل کرنے میں لائق ہوتی ہے۔ کام کرنے پر راضی ہوتا ہے۔ اور مدتیں بننے کی دل میں ٹھہرانے ہوتا ہے۔ مگر پولیس اس کے احوال سے خبردار ہوتی ہے۔ اور اسکے برخلاف رپورٹ دیدیتی ہے۔ بیچارہ نوکری کا باہر کیا جاتا ہے۔ اور پھر زبردستی اپنی پرانی عادتوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس طرح کہ قیدی کیواسے جو سابق میں جرائم میں بھٹیں چکا ہو۔ دیانت داری کے دروازے پر واپس آنا ناممکن بن جاتا ہے۔ ٹامس رائٹ مانچسٹر نے اپنے کو بھی خواہی بنی نوع شکستہ حال قیدیوں کے سچے دوست ہونے میں مشہور و مستاذ کیا۔ اسکی سوسائٹی میں کچھ حیثیت نہ تھی۔ اور نہ ان کے پاس بجز صرف ایک متول اور شفیق دل کے کوئی دولت تھی۔

گو اسکو تعلیم نامکمل دی گئی۔ مگر اس کے دل پر اوائل عمری ہی سے اسکی والدہ نے زبردستی مذہبی اثر منقش کر دیئے تھے۔ آخر کار وہ زمانہ آیا جب یہ آزاد مطلق بن گیا۔ اور دنیا کا سوائے محنتوں۔ شادمانیوں اور بدیوں کے مقابلہ کرنا پڑا۔ بہت جلد یہ مانچسٹر کے سب سے بڑھکر شریروں اور لڑکوں سے غلط ملط ہو گیا۔ کچھ عرصے تک اس کی خیال باگمراہی کا راسخ دل اور ضمیر مزہ نے اسکے دوستوں کے عیوب اور بدیوں کی مخالفت کی۔ مگر الفاظ اسکی والدہ کی زبان سے نکلے تھے۔ وہ اسکی امداد کو پہنچے۔ اس نے ایک نوجوان دیندار سے واقفیت پیدا کی۔ اور باقاعدہ ایک مسجد میں جانا شروع کیا۔

پندرہ سال کی عمر میں مانچسٹر میں ایک کیرے کا یہ شاگرد بنا۔ پہلے پہل اسکی مزدوری پانچ شلنگ فی ہفتہ تھی۔ چونکہ یہ مستقل مزاج۔ سجدہ اور فہیم تھا اس لئے تیسرے ترقی شروع کی۔ جسے کہ سو سال کی عمر میں یہ لوگ ادا خانے والوں کا فہرین کیا اور تنخواہ اسکو تین پونڈ ۱۰ شلنگ فی ہفتہ ملنے لگی۔ ایسی کسی سب سے بڑھکر آندی تھی۔ مگر جو نیک کام اس نے بعد میں کیا وہ اسکی مالی مزدوری سے علم بردار تھا۔

پہلے پہل اسکی توجہ سب سے بڑھکر مایوسانہ ادوں میں سے ایک یعنی مجرموں کی طرف مبذول ہوئی۔ مجرم جب کبھی جیل خانہ سے چھوٹتا ہے تو بیچارے کو شاذ و نادر ہی اپنی پرانی جگہ نوکری ملتی ہے۔ کیونکہ نئے مالک اسکو بغیر نیک چلتی کے نوکری نہیں رکھتے جسکو یہ موجود نہیں کر سکتا۔ باوجود اس کے کہ قید نے غائب اس کو بدتر بنا دیا ہوگا۔ اس طرح پر پانچے سابق مہندسوں میں بھینک دیا جاتا ہے اور شل شپتر اپنی مجرمانہ روش زندگی شروع کرتا ہے۔

ایک دن ایک شخص کا رضانے میں آیا۔ اور مزدوروں میں نوکری دیا گیا۔ یہ مستقل مزاج۔ ہوشیار اور خوشی شخص تھا۔ مگر معلوم ہوا کہ یہ شخص ماشدہ مجرم تھا۔ ٹامس رائٹ سے پوچھا گیا کہ آیا اس امر سے اطلاع تھا؟ یہ اس سے مطلع نہ تھا۔ مگر اسنے تصدیق کرنے کا وعدہ کیا۔ اتفاقاً اس روز یہ شخص سے پوچھ بیٹھا کہ ”یہ پہلے

کہاں کام کرتا تھا؟ اس نے جواب دیا: میں باہر گیا ہوا تھا یا آخر کار بہت ڈباؤ ڈال کر تفتیش کرنے پر اس پچلے سے لے رو کر اقرار کیا کہ یہ رشتہ مجھ تھا۔ اور دوبارہ اپنے پرنے راستے سے باز رہنے کا نواہ تھا۔ اور اسکو امید تھی کہ استقلال سے اپنی بدچلتی کو یہ سب دیکھا۔

مشترائٹ نے اس شخص پر اعتبار کر لیا۔ اسکو یقین آگیا کہ اپنے ارادوں میں صدق دل تھا۔ اس نے مالکوں کو اسکے حال سے مطلع کر دیا اور بینس پوٹڈان کو بطور اسکی آئندہ نیک چلتی کی ضمانت کے دیدی۔ اسپر اقرار کیا گیا کہ مجھ ہی جگر پر بحال رکھا جائے۔ مگر غفلت سے اسکی موتوفی کی تردید کا حکم نہ دیا گیا اور دوسرے روز صبح کو یہ شخص غافلہ طور پر ایک اندیشہ شخص کے مکان پر اسے کام پر واپس لانے کے واسطے بھیجا گیا۔ مگر اس شخص نے اپنی دنیاوی کمالات کی گھڑی لکیر مکان چھوڑ دیا تھا۔

یقیناً یہی کر کے کہ یہ شخص فلاں طرف گیا تھا۔ مشترائٹ نے پیدل فوراً اس کو پھینکا کیا۔ اسکو یہ مفورہ ناچسپ سے چند میل کے فاصلے پر بے شک۔ دل شکستہ۔ بد حال اور بے بس مٹھیا ہوا ملا۔ رائٹ نے اسے کہہ دیا کہ اپنی پرانی جگر پر بحال کیا گیا تھا۔ اور اب ہر ایک چیز خود اس پر منحصر تھی۔ کہ یہ اپنا حال ملے بطور ایک معزز کا کہیں کے برقرار رکھے۔ یہ دونوں ناچسپ کو واپس ہوئے۔ ایک تھکا رہا نے میں آئے۔ اور اس شخص کے آئندہ چل چلنے نے اس ضمانت کا انصافاً بہت بڑھکا اور شریفانہ طور پر حق ادا کر دیا جو اس کے انفسر کی تھی۔

اس امر کا خود مشترائٹ پر بہت کچھ اثر ہوا۔ اس نے دیکھ لیا کہ ان بچاری مجرموں کے مصیبت کے غار سے بچانے کے واسطے جیسے یہ گر گئے تھے ہمدردی کے ذریعہ کیا کچھ ہو سکتا ہے؟ اسکو معلوم ہوا کہ ان کو راہ راست پر لانے کی تمام امید ناتھ سے زدیہ بنی چاہیے۔ اور ہر ایک بنی نوع کو یہ مناسب ہے کہ ان کے دوبارہ محنت و مشقت کی زندگی میں لانے کے انداد کو ہاتھ بڑھائے۔ یا ماسکٹل میں سب سے بڑھ کر جو گیا۔ یس کامشن تھا۔ اور اسکو پورا کرنے کی اس نے کوشش کی۔ اب تک یہ بے یار و مددگار تھا۔ مگر اس کا اعتقاد مضبوط تھا۔ اور اپنی کامیابی تک ثابت قدم رہا۔

مشترائٹ سیلفوٹو کے جینے کے قریب ہوتا تھا۔ اور اسکی خواہش تھی کہ ان قیدیوں تک کل دسترس ہو۔ اس نے یہ درخواست کی کہ ایک عرصے تک یہ ناکام رہا۔ آخر کار ایک نوجوان نے جو کارخانے میں تھا اور جس کا والد جیل خانے کا دربان تھا۔ اسکی فاروق جیل سے معرفی کرادی۔ چنانچہ اسکو ہر اتوار کے ساتھ ہر کو ان کے ساتھ نماز میں شامل ہونے کی اجازت مل گئی۔ لیکن اب تک سے یہ اجازت نہ ملی تھی کہ ذرا فردا قیدیوں کے لیے۔ مگر اس میں اتنا صبر تھا کہ یہ منتظر رہا۔

بالآخر ایک معذرت تو اس کی سہ پہر کو پادری نے مسٹر رائٹ کو ٹھہر کر پوچھا کہ کیا یہ ایک قیدی کو کوئی جگہ دے سکتا تھا جسکی معیاد قید حال ہی میں تریسٹ ختم تھی۔ اور جو اپنے چال چلن کی اصلاح کا ثبوت دینا چاہتا تھا۔ رائٹ نے کہا کہ بے شک میں تجھے الوس کو شش کروں گا۔ اور اس کے واسطے جگہ تلاش کروں گا۔ چنانچہ یہ کامیاب ہوا۔ اور اس قیدی کو رات ہی پر کام مل گیا۔

اب داروغہ نے اسے ملا روک ٹوک قید خانے میں جانے کی اجازت دیدی۔ اور بذات خود قیدیوں سے فرداً فرداً ملنے کا مجاز کر دیا۔ رائٹ ان کو نصیحت کیا کرتا اور مشورہ دیا کرتا۔ اس نے ان کی حالت سدھانے کیلئے ان کے ارادوں کو مستحکم کر دیا۔ لیکن گئے پیغام ان کے گنہوں میں لیجانا اور ہر طرح سے اس نے اپنے کو ان کی کئی طرح سے دوست اور معزین و محسن بنا دیا۔ اس نے اب اپنی مشق کر لی کہ جب تک قیدی رامچندا تو لیس سے ملتا۔ یہ اُسے اُسکے مکان پر بھیجتا۔ اپنے قلیل مسائل سے یس کے گزرے کی امداد کرتا۔ اور پھر اُسکے واسطے جگہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا۔

بہت سے موقعوں پر یہ کامیاب ہوا۔ محنتی آدمیوں کے تلاشوں کا مسٹر رائٹ پر غما و دیوانہ کو نیکوخت اور فیاض آدمی سمجھنے لگے اور یہ جاننے لگے کہ یہ ان کو بری نصیحت نہ کرے گا۔ اس نے ان تلاشوں کو اپنا مہارت بنالیا۔ اور عموماً انھیں قیدیوں کو رکھا کرتے جو راہوتے۔ اگر کسی پران کو شک ہو تا تو لیس کی ضمانت میں اپنا روپیہ جمع کر دیتا۔ جو یہ فی ہفتہ اسٹنگ کے حساب سے پنی نوکری میں کیا کرتا۔

یہ بلاناہیش اور چپ چاپ یہ کام کرتا رہا اور اس امر کو ترجیح دی کہ اس کا نام کسی کی زبان پر نہ آئے۔ تاکہ مبادا اس کے اس نیک کام میں اسی وجہ سے کچھ مداخلت پیدا ہو۔ یہاں تک کہ چند سال میں اس نے قیدی باقیں شورامندہ قیدیوں کو نوکری لادی اور یہی نہیں بلکہ اس بدترین کام میں بھی کامیاب ہوا کہ مے نوش عورتوں کو ان کے شوہروں سے دوبارہ ملا دیا۔ چنانچہ بعض اوقات یہ کوسوں منزلیں طے کرتا اور پھر تبدیل۔ اور ان شوہروں سے ان کی ان عورتوں کے دوبارہ لانے کے بارے میں سفارش کرتا جو نئے نوشی کو واسطے نکال لی گئی تھیں۔ مگر اب جنہوں نے یہ عادت ترک کر دی تھی۔ اور تائب ہو کر اپنے شوہروں سے ملنا چاہتی تھیں۔

اس کے ایک دوست نے ایک عجیب و غریب بیان کیا ہے۔ ایک شخص جس نے پورٹنڈ میں قانونی مشق کی تھی اور اب رہا کر دیا تھا۔ اس کو پچیس سال کا ایک ٹکٹ پادری نے اور ایک خطا ماسٹ رائٹ کے نام دیا۔ خاکروبوں میں اسکو جیل لگی مسٹر رائٹ نے اسکو ٹک سانی کے عہدے پر ترقی لادی اور یہاں اس کے چال چلن کی تعریف کی گئی۔ متوفی کی سن سٹووا کے سنڈے سکول (پیشہ سکول)

اور شنبہ کی شب کے مدرسے میں یہ داخل ہو گیا جہاں انہوں نے جگہ یہ مل گیا۔ اس میں تعلیم کی استعداد
 انجائیش کا اظہار ہوا کہ کینین مذبذب نے اس کی بہت کچھ حاسیت کی۔ کینین کو
 اس کے سابقہ حالات سے بھی واقفیت ہو گئی۔ مگر پھر بھی اس نے
 اس کے ساتھ پڑھنے کا بندوبست کر لیا۔ اور کچھ

عصر بعد پورٹ لینڈ کا مجسم

ایک پادری

بن گیا



پنجوں کا محاسبہ

اس میں سید احمد صاحب کو کل گنیز جمع کو گنے ہیں عاشرین صلی علیہ وسلم وقتاً فوقتاً خداوند تعالیٰ کی گناہیں
ماگیں پھر وہ خوش فرمایا کہ میں وہ عاشرین بت ہی براہ میں پڑھو یہ طبیعت تو والے کا کہنے پر شروع ہوئی اور عاشر

اسلام کی نبوی کیفیتیں

اس کا معنی تو اس کے ناطق زبانہ تفسیر کی کوئی ضرورت نہیں امام ابو حنیفہ کے جواباً جو کہیں اسلام کو نبویا یا کی میں ۴۲

فضیلت مسلم الطلاب

پانچویں کتاب میں خود بطور مافا تعلیم کے اعلیٰ کے ایک پڑھنے والے کی عالمنا چاہو وہ ان اشیاء کی نسبت یہ ہے ۱۲۔

لکھنؤ نماز

یہ کہ نماز کی جو جامع یا کیا گیا ہے جو کہ شیخ محمد بن عبد اللہ بن عبد الوہاب نے لکھا ہے کہ نماز کی جامع یا کیا گیا ہے ۱۲۔

مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم

موسلموں کی تعلیم بنی عثمانی میں مسلمانوں کی تعلیم بنی عثمانی میں مسلمانوں کی تعلیم بنی عثمانی میں مسلمانوں کی تعلیم بنی عثمانی میں ۸

شہنشاہی سحر امید

موسلموں کی تعلیم بنی عثمانی میں مسلمانوں کی تعلیم بنی عثمانی میں مسلمانوں کی تعلیم بنی عثمانی میں مسلمانوں کی تعلیم بنی عثمانی میں ۲

سفر نامہ شیخ ابن بطوطہ

ابن بطوطہ کی سیرت میں لکھا ہے کہ غار کو پہنچے تھے اپنے زمانہ کی شیخ بطوطہ نے مسلمانوں کی شان و شوکت کی فہرست لکھی اور حکومت ترقی و تہذیب علیہ فضیلت ایجاد و ترقی کا جلال شرافت و شوکت اللہ العزیز اور بہت ہی خوش انوش
رحمہم اللہ عجبت و شہادت فیہی کو شہادہ لی اتفاقاً مجھے دیکھا میری اتفاقاً میری کار کا تصور غریب یعنی غریب میری جہری
کے ایک مسلمان سیاح کا سفر نامہ ۱۱ علاوہ محصول ۱

۱

فصل الدین حرکتی کا اخبار اشاعت شہری ہو

تاریخ اسپین اردو

[illegible]

خالق الانسان

یعنی انسان کی پیدائش کے متعلق اس پر کیا تھی جو عموماً یہ تصور ہے کہ انسان ایک ایک کونکے فلسفہ دانوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے پیدا ہوا ہے۔

از آل انجمن عرق و فوا

سکندریه و القاهره کتبخانه ملکوتیه
تبریز حیدرآباد دکن لکھنؤ پٹنہ سیرمپور

تفسير الحسن

اس میں نہایت سہولت ہے جو کہ ہر آدمی کی طرف سے کی جاسکتی ہے۔ اور قرآن شریف کی تمام آیات اس کے متعلق جمع کر کے بحث کی گئی ہے۔

تخريج في أصول التفسير

یعنی جس ملک کو کسی زمیندار نے آباد کیا اور یہ زمیندار صاحب کی خط و کتابت بابت تفسیر آج کے محققین نے بیان کیا ہے کہ یہ زمیندار کسی شخص سے زمین کی تعیناتی ہو کر اس کے انصار سے اس کو بھی عذر دیا جائے گا۔

CP. 0 DUE DATE 1<5 N

TEAN 65
2110000

--	--	--	--



9444

URDU STACKS

URDU STACKS

س.ف.ن

6/1/94

۵۶۳۳

12-52

سجود ساجد -

Date	No.	Date	No.